U9203 5-12-09

Title - NIGAAR-E-SHAAT MOHAMMAD ALI

Creator - Rais Ahmad Jaffery.

Publisher - Idara Isha'at Urdu (Hyderabad).

Date - 1944

Pages - 304

Subjects - Johar, Mohd. Ali - Sawanch; Johar Ali-Mazameen-O-Khutbaat.

نگارشاتِ محمد علی

158

مرتبہ

رئیس احمد جعفری

نگارشاتِ محمد علی

مرتّبہ
رئیس احمد جعفری

ادارۂ اشاعتِ اردو
حیدرآباد (دکن)

قیمت تین روپیہ بارہ آنہ کلدار

قیمت چار روپیہ چار آنہ عثمانیہ

طبع اوّل .... ایک ہزار

نومبر ۱۹۴۴ء

مطبوعۂ
رزاقی مشین پریس
حیدرآباد دکن

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل
اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل
عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیلؑ
فریب خوردۂ منزل ہے کارواں ورنہ
زیادہ راحتِ منزل سے ہے نشاطِ رحیل
نظر نہیں تو مرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تیغِ اصیل
اندھیری شب ہے جدا اپنے قافلے سے ہے تو
ترے لیے ہے مرا شعلۂ نوا قندیل
غریب سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

اقبال

فہرس

کانگرس اور مسلمان ۲۲۱

حرفِ آخر ۲۷۳

پیش لفظ!

مقالات محمد علی حصۂ اول و دوم ہم شایع کر چکے ہیں۔ اور آج نہایت فخر و مسرت کے ساتھ ہم نگارشات محمد علی پیش کرنے کی عزت حاصل کر رہے ہیں اگر قدر دانی اور حوصلہ افزائی کا سلسلہ جاری رہا، تو اس سلسلہ میں ہم بعض اور بیش بہا تصانیف پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

جعفری صاحب نے جس دقت نظر، عرق ریزی اور کاوش سے کام لے کر "محمد علی" کے موضوع کو اپنایا ہے وہ انہی کا حصہ ہے، انھوں نے ناقدر شناس مسلمان قوم کے سامنے اس زعیم کبیر کو پھر سے زندۂ جاوید بنا دیا، جسے وہ بھول چکی تھی۔

محمد علی کے جوہر ایسے نہیں تھے کہ وہ فراموش کر دیے جاتے، اس کی اہلیت اور صلاحیت ایسی نہیں تھی کہ نظر انداز کر دی جاتی۔ اس کی قابلیت اور اہلیت ایسی نہیں تھی کہ اس پر غفلت کے پردے پڑ جاتے۔ مسلمانانِ ہند کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ اپنے رہنماؤں کو بہت جلد بھول جاتے ہیں، بڑے بڑے دل و دماغ کے لوگ پیدا ہوئے لیکن جب اس

جہان فانی سے رخصت ہوئے تو ان کے ساتھ ان کی یاد بھی ہمیشہ کیلیے رخصت ہوگئی۔

یہی محمد علی کے ساتھ بھی ہوا، وہ کسی اور قوم کا ہیرو ہوتا تو آج اس کی نہ جانے کتنی یادگاریں قائم ہو چکی ہوتیں، لیکن جب وہ مسلمانوں کا ایک فرد تھا، اور مسلمان اپنے اکابر کی یادگار نہیں قائم کرتے، البتہ نوحہ وشیون کے مظاہرے میں وقتی طور پر کوتاہی نہ کرتے۔

اگر ہم محمد علی کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہی ہے کہ اس کے کارناموں کو زندہ کریں، اور اس کے کارنامے اسی وقت باقی رہ سکتے ہیں، جب ہم اس کی تحریر و تقریر کو زندہ اور پائندہ بنا دیں۔ اس نے بہت کچھ لکھا، بڑی بڑی تقریریں کیں، سب کا سب شایع کرنا نہ ممکن ہے نہ مفید۔ لیکن اس کا عطر اور خلاصہ ضرور پیش کیا جا سکتا تھا سو اس ہوش ربا گرانی کے زمانے میں بھی ہم نے ہمت کی اور محمد علی کے لخت دل آپ کے سامنے پیش کر دیے۔

خدا کرے ہماری یہ کوششیں بار آور ہوں، خدا کرے آپ ان کی قدر کریں۔

چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری

محمد علی!
سپاہی، سپہ سالار، لشکرِ جرّار!

اپنے دَور کے، نہ صرف اپنے دَور کے بلکہ اسلامی ہند کے ہر دَور کے، سیاست دانوں میں محمد علی اپنے یگانہ، منفرد اور رنگا رنگ خصوصیات کے اعتبار سے سب میں ممتاز تھا۔

اسلامی ہند نے، ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ غدر کے بعد سے اب تک بڑے بڑے آتش نوا خطیب اور واعظ پیدا کیے، بڑے بڑے سحر طراز اور جادو نگار ادیب اور انشا پرداز پیدا کیے، بڑے بڑے مشکل کشا اور ہر فن مولا مدبر اور مفکر پیدا کیے۔ بڑے بڑے جاں باز اور ایثار پیشہ مجاہد اور رضا کار پیدا کیے۔ لیکن محمد علیؒ اپنی شخصیت، اپنے کردار، اپنے عمل، اپنے اسلوب اور اپنی وضع کے لحاظ سے سب سے الگ، سب سے جُدا، سب سے نمایاں نظر آتا ہے۔

وہ ملت کا ایک سپاہی تھا، لیکن اس شان کا سپاہی کہ بڑے بڑے سپہ سالار اس کا لوہا مانتے تھے اس کے جیوٹ اور بے باکی نے بڑے بڑے جیداروں کو، اس کا لوہا ماننے پر مجبور کر دیا تھا، وہ جب سپاہی بن کر میدان میں اترا، تو کفن اس کے سر سے لپٹا ہوا تھا، تلوار اس کے ہاتھ میں تھی، اور وہ مستقبل سے بے پروا، اپنی زندگی سے بے پروا۔ زندگی کے ساتھ ساز و سامان سے بے پروا میدانِ جنگ میں ڈٹا رہا، بڑے بڑے ہچکولے آئے، حالات نے بڑے بڑے پلٹے کھائے لیکن اس کے قدم نہ اکھڑے، وہ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر جما رہا، وہ چٹان کی طرح کسی کے ہلائے نہ ہلا، سیلاب کے ریلے میں وہ اس طرح بہتا تھا جیسے شہیر، سیلاب کا بڑے سے بڑا تھپیڑا اس کا منہ نہیں پھیر سکتا۔ اس کا رخ نہیں بدل سکتا۔ اس کی رفتار میں تبدیلی نہیں کر سکتا۔ یہی حال محمدؐ علی کا تھا!

وہ بڑے بڑے طوفان خیز اور امواج افزا سمندروں میں اس شان، اس وقار، اس شکوہ سے تیرتا تھا، جیسے بے حس اور بے جان جہاز، وہ جب سمندر کا سینہ چیرتا ہوا آگے بڑھتا ہے تو اسے طوفان بلاخیز کی فکر ہوتی ہے نہ امواج کی ہیبت ناکی اس پر لرزہ طاری کرتی ہے، وہ ہر فکر، ہر اندیشہ، ہر وسواس سے بے نیاز ہو کر، اپنا راستہ طے کرتا چلا جاتا ہے۔ سمندر کی موجیں اس سے ٹکرا ٹکرا کر واپس چلی جاتی ہیں، بڑے بڑے طوفان، اسے زیر و زبر کر کے تہ و بالا کر کے، تھم جاتے ہیں۔ اور جب فضا صاف ہوتی ہے تو وہ جہاز پھر اسی شان اور اسی استقلال کے ساتھ سمندر کے سینہ کو چیرتا ہوا اپنی منزل کی

طرف بڑھتا ہوا، ایک عجیب مستانہ شان سے رواں دواں نظر آتا ہے۔ یہی حال محمد علی کا تھا۔

وہ ناموافق فضا میں، اس طرح پرواز کرتا تھا جیسے بمبار طیارہ! بادل چھائے ہوئے ہیں اور بجلی چمک رہی ہے۔ ہوا کے جھکڑ چل رہے ہیں، منزل معدوم ہوئی جارہی ہے، راستہ گم ہوتا جارہا ہے، زندگی اور موت کا قرب بڑھتا جارہا ہے، لیکن اسے بمباری کرنی ہے۔ اسے دشمن پر چھاپہ مارنا ہے، اسے غنیم کی افواج و عساکر کو اپنا نشانہ بنانا ہے، یا یہ سب کچھ کرنا ہے، ورنہ فنا ہوجانا ہے، یہی حال محمد علی کا تھا۔ اس نے نامساعد فضا اور ناموافق موسم کا کبھی خیال نہیں کیا۔

وہ میدان جنگ میں سپاہی بن کر پہنچتا تھا، لیکن ٹینک کا کام کرتا تھا، جس طرح ٹینک ناہموار راستوں کو طے کرتا جھاڑی جھنکار کو روندتا، نشیب و فراز سے گزرتا، گولیوں اور گولوں کی بوچھاریں، مستانہ وار آگے بڑھتا رہتا ہے، یہی حال محمد علی کا تھا۔ اس کی پیش قدمی میں کوئی سنگ گراں حائل نہ ہوسکا۔ کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوسکی۔

محمد علی صرف سپاہی نہیں، سپہ سالار بھی تھا، وہ سپہ سالار جو کبھی نہیں ہارا، ہار کر بھی جیت میں رہا۔ بڑے بڑے لشکر اس کے مقابلہ میں آئے۔ دل بادل فوجوں نے اسے گھیرے میں لے لیا۔ مور و ملخ کے سے عساکر قاہرہ نے اس کا محاصرہ کیا، کمندیں بچھائیں، لیکن؎

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جھٹکے میں　　جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

کہہ کر صاف نکل گیا، جس طرح آٹے سے بال، دشمن کے سینے سے خنجر، چشمہ سے نگاہ!

اس نے لاتعداد فوج پر کبھی بھروسہ کیا، نہ اس کی ضرورت سمجھی، وہ ایسا سپہ سالار تھا جو کم سے کم ——— لیکن ——— کھرے سپاہیوں پر بھروسہ کرکے انہی سے میدان جیتا اور پالا مارتا تھا، وہ نہ جماعت ساز تھا، نہ پارٹی بندی جس کی سرشت تھی، جیسا وہ سیدھا اور کھرا تھا ویسی ہی فوج بھی چاہتا تھا، وہ دو ٹوک بات کہتا اور کرتا تھا، وہ حریف یا غنیم کو دھوکا نہیں دیتا تھا، اس کی کمزوری سے ناجائز فائدے نہیں اٹھاتا تھا، اسے مبتلائے فریب کرکے کنویں نہیں جھنکاتا تھا، اس پر شب خون نہیں مارتا تھا، اس پر اچانک نہیں ٹوٹ پڑتا تھا، یہ سب باتیں اس کے اصول اور وضع کے خلاف تھیں۔

پھر وہ کیا کرتا تھا؟

بغیر کسی داؤ پیچ کے وہ کھلی جنگ کا قائل تھا۔ اس نے ہمیشہ یہی جنگ لڑی۔ اس کے علاوہ دوسرے طریقوں سے نہ وہ واقف تھا نہ انھیں کبھی برتا، نہ ان کی افادیت کا وہ معترف تھا، یہی وجہ تھی کہ دشمن بھی اس سے خائف رہنے کے باوجود مطمئن رہتے تھے۔ وہ خوب سمجھتے تھے وہ محمد علی سے جیت نہیں سکتے لیکن انہیں اس کا بھی یقین تھا کہ محمد علی کی سپہ سالاری میں ان پر کوئی ایسا حملہ نہیں ہو سکتا، جو حق و صداقت کے خلاف ہو۔ جو شرافت اور وضع داری کا مخالف ہو، یہی وجہ ہے کہ وہ زندگی بھر لڑتا رہا۔

لیکن کبھی نہیں ہارا۔ چشم ظاہر نے اگر کبھی اسے شکست خوردہ دیکھا بھی، تو بھی ارباب نظر کا فیصلہ یہی رہا کہ جیت اسی کا حصہ تھی۔ وہ جیتا۔

محمد علی تن تنہا تھا، فرد واحد تھا، بیمار و نزار تھا، تباہ حال اور برباد تھا، لیکن با ایں ہمہ وہ ایک لشکر جرّار بھی تھا، ایسا لشکر جرّار جو حکومتوں کا تختہ الٹ دیتا ہے جو اپنے ساتھ ایک عام انقلاب لاتا ہے، جس کی ٹکر دنیا کی کوئی طاقت نہیں سہہ سکتی، جو بڑے بڑے قلعوں سے ٹکراتا ہے اور انہیں پارہ کر دیتا ہے، جو بڑی بڑی فوجوں سے نبرد آزما ہوتا ہے اور انہیں راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیتا ہے، جو وقت کے فراعنہ اور دجاجلہ کا مقابلہ کرتا ہے اور انہیں تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے جو موانعات کو توڑتا دریاؤں کو پار کرتا، طوفان سے لڑتا، بڑھتا ہے اور برابر آگے بڑھتا رہتا ہے جو فضا اور موسم کے اثرات سے بے نیاز ہوتا ہے، جو حریف کی قوت اور طاقت سے مرعوب نہیں ہوتا، جو ساز و سامان جنگ کی کمی سے ہراساں اور دشمن کے ساز و سامان جنگ کی فراوانی سے خائف نہیں ہوتا۔

بڑے بڑے صف شکن اور سورما لشکر جرّار ساتھ لے کر نکلتے ہیں، بچ بچ کر مقابلہ کرتے ہیں، کبھی ہارتے ہیں کبھی جیتتے ہیں، لیکن محمد علی عرصہ گاہ رزم میں تن تنہا پہنچا تھا اور لشکر جرار کا کام دیتا تھا اس کے پہنچتے ہی عرصۂ رزم میں افراتفری مچ جاتی تھی۔ بڑے بڑے صف شکن اور سورما لرزنے لگتے تھے، جہاں دیدہ، اور کار آزمودہ سپہ سالاروں

کے چھکے چھوٹ جاتے تھے ۔ اس کا ایک نعرہ بڑے بڑوں کے دل ہلا دیتا تھا، اس کی آواز صور اسرافیل تھی، اس کا قلم تیغ اصیل تھا۔ اس کی نگاہ برق جاں سوز تھی، حق کی قوت ایسی ہوتی ہے اور اسے دشمن بھی مانتے ہیں کہ محمدؐ علی حق کے لیے جیا، اور حق کے اوپر مرا، خدا اس کی تربت عنبر بیں کرے۔ ایسے لوگ تو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
چمن میں تب کہیں ہوتا ہے جا کر دیدہ ور پیدا

وہ خدا سے راضی تھا، خدا اس سے راضی ہو، آمین !

رئیس احمد جعفری

ارضِ پاک

اے ارضِ پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم

فہرست مضامین

تمہید

ذیل میں وفد حجاز کی رپورٹ دی جاتی ہے، مرکزی جمعیۃ خلافت کی طرف سے تطہیر حرم کے سلسلہ میں تین وفود حجاز مقدس بھیجے گئے تھے، ان میں سب سے آخری وفد کی رپورٹ میں درج کر رہا ہوں، یہ وفد مولانا سید سلیمان ندوی، علی برادران، اور مسٹر شعیب قریشی پر مشتمل تھا، یہ آخری وفد تھا، جو پیام صلح وسلام لیکر گیا تھا، لیکن ناکام و نامراد واپس آیا، جو اس لئے گیا تھا کہ حجاز پر کسی شخص کی حکومت نہ ہو، بلکہ ملت اسلامیہ کی فرماں روائی ہو، جس کا مقصد وحید یہ تھا کہ حجاز مقدس ان تمام آلائشوں سے پاک ہو جائے، جو شخصی فرماں روائی کا نتیجہ ہوتی ہیں، لیکن جو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔

یہ رپورٹ جب مجلس مرکزیہ کے جلسہ میں پیش ہوئی تو بہت ردو قدح ہوئی، نوبت سب وشتم تک پہنچ گئی، لیکن اکثریت نے اسے منظور کر لیا، اور مخالف جماعت کامیاب نہ ہو سکی،

یہ رپورٹ، ارکان وفد نے مرتب کی تھی، رپورٹ کا ابتدائی

حصہ، دوسرے ارکان کا لکھا ہوا ہے، لیکن "نتائج" محمد علی کے قلم حقیقت رقم کے مرہون منت ہیں، یہی نتائج اس رپورٹ کی جان ہیں، اور ان نتائج کو صحیح طور پر سمجھا نہیں جا سکتا، جب تک رپورٹ بھی "پس منظر" کی طرح نظر کے سامنے نہ ہو۔

رپورٹ کے بعد، میں نے سلطان ابن سعود کا وہ خطبۂ افتتاحیہ بھی دے دیا ہے، جو موصوف نے موتمر اسلامی کے اجلاس میں ارشاد فرمایا تھا۔

رپورٹ، اور سلطان کے خطبہ کے بعد، نتائج، ایک روشن حقیقت کی طرح سامنے آجاتے ہیں!

رئیس احمد جعفری

رپورٹ وفدِ حجاز

سنٹرل خلافت کمیٹی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۰ ر اپریل ۱۹۲۶ء میں خود عام مسلمانان ہندوستان کے اطمینان قلب اور صحیح حالات کے دریافت کی غرض سے اور نیز سلطان ابن سعود کے موتمر کی شرکت کے دعوت نامہ کے جواب میں فیصلہ کیا کہ ایک مناسب وفد حجاز مقدس جائے۔ حجاج کی راحت کے وسیلوں کی نسبت تحقیقات کرے، اور اول موتمر عالم اسلام میں جس کے لئے جمعیت خلافت بہت زمانہ سے کوشاں تھی، اور جس کیلئے وہ ممالک اسلامیہ کے مخلص لوگوں اور انجمنوں سے خط وکتابت کر رہی تھی، شریک ہو کر، حجاز مقدس کی بہتری حجاج کے آرام اور آسائش اور مقامات مقدسہ و حرمین شریفین کی حفاظت اور خدمت کے لئے تمام دنیائے اسلام کے مندوبین کے مشورہ سے ضروری اصلاح اور عملی تجاویز تیار کرے، تاکہ اس مقدس کام کا جلد سے جلد اجراء ہو، اور جو معمولی، آسان، اور ضروری کام، صدیوں میں حجاز کے متنظمین، امراء، اور ہماری غفلت سے نہ ہو سکا، وہ انجام پائے، اور مسلمانوں کو وہاں کی بد انتظامی اور خرابی دیکھ کر آج چودھویں

صدری میں شہر ماننا پڑے، ہم چار خادمان خلافت اس کام کے لئے منتخب ہوئے،
جن میں سے سید سلیمان ندوی صدر وفد اور شعیب قریشی سکریٹری تھے۔
ہماری ہدایت کے لئے حسب ذیل احکام ہم کو دئے گئے، جو ہم بجنسہ
درج کرنا ضروری جانتے ہیں، تاکہ تمام حالات سے ہندوستان کے مسلمان
آگاہ ہو جائیں، اور صحیح رائے قائم کر سکیں۔
مجلس عاملہ خلافت نے بتاریخ ۱۸- اپریل یہ طے کیا کہ

دہلی کی تجویز

دعوت نامہ منظور کیا جائے، اور جن اغراض و مقاصد کا ذکر اس میں کیا گیا ہے،
اس پر بحث اور تبادلۂ خیالات کیا جائے اور آئندہ تشکیل حکومت حجاز کیلئے
انعقاد موتمر کی بابت سلطان ابن سعود سے گفتگو کی جائے، اور اگر تشکیل حکومت
حجاز کا مسئلہ اس موتمر میں پیش ہو تو اس میں شرکت سے انکار کیا جائے، مگر
سلطان ابن سعود سے نجی کے طور پر گفتگو کر لی جائے، اور ہمارا نقطۂ نگاہ
ان کے روبرو پیش کر کے ان کو ہم خیال بنانے کی کوشش کی جائے۔
اس سے پیشتر کہ ہم حجاز مقدس اور موتمر اسلام کے حالات مفصل
طور سے بیان کریں اور یہ بھی کہ ہم بعد کامل تحقیقات کے کس نتیجہ پر پہنچے ہیں،
ہم ضروری سمجھتے ہیں، کہ مختصراً مسئلۂ حجاز کے اہم واقعات سلسلہ وار پیش
کر دیں تاکہ سب ارکان خلافت کی یاد تازہ ہو جائے، اور وہ اس مسئلہ کی
نسبت رائے قائم کر سکیں۔
دنیائے اسلام کو جو نقصانات شریف حسین اور اس کی اولاد کی

بغاوت سے پہنچے، اس سے ہر شخص واقف ہے۔ خلیفۃ الرسول صلعم اور خادم
حرمین شریفین پر کفار اور دشمنان اسلام کے ساتھ ہو کر ذاتی نفع اور خاندانی
حکومت کی طمع سے لشکر کشی کی، اور مجاہدین اسلام کے خون سے ہاتھ رنگے۔
اس کی آٹھ برس کی حکومت حجاز مسلمانوں کی تکلیف کا موجب ہوئی، اور ہمارے
پاس جنگ عظیم کے بعد کوئی سامان موجود نہ تھا جس کے ذریعہ سے ہم اس کو حجازِ
مقدس سے نکال سکتے، ہماری بے بسی کی حالت میں اس نے ایک اور مزید حملہ
اسلام پر کیا کہ خلیفۂ اسلام ہونے کا اعلان کیا اور پروپیگنڈا، اور اپنے ایجنٹوں
کے ذریعے سے مسلمانوں سے بیعت طلب کی۔ حجاز مقدس میں مظالم کئے، اور
وہاں کے رہنے والوں کی ساری قوت کو توڑ دیا۔ حجاج اور رعایا سے زبردستی
اپنے ذاتی نفع کے لئے بیجا روپیہ وصول کیا، اور جب کبھی کسی نے تھوڑی سی
بھی جرأت سے کام لیکر تعرض کیا تو یہی جواب ملا کہ "میں ہاشمی ہوں، یہ ملک، اور
حکومت میرا اور میرے خاندان کا ترکہ ہے، اور کسی کو مداخلت کا حق نہیں ہے۔"
اس کے ساتھ ہی اجانب کی مدد سے اپنے گرد کے دیگر اسلامی امیروں کے
ملکوں اور حکومتوں پر طمع کی نظر تھی، اور ہر وقت کوشش جاری تھی کہ ان کو
غارت کر کے جزیرۃ العرب کا واحد بادشاہ بن جائے، اس حرص نے یورپ
کے غرضمند دشمنان اسلام کو خوب دھوکہ دینے کا موقع دیا۔ اور آخر میں اپنے
بیٹے امیر فیصل کو انگریزوں کا غلام بنا کر عراق کا بادشاہ بنوایا، اور دوسرے
امیر عبداللہ کو شرق اردن کا۔ امام یحییٰ زیدی سلطان یمن تو علاوہ طاقتور ہونے
کے دور تھا، نجد کا علاقہ شمال مشرق اور مغرب تین طرف سے گھرا ہوا تھا،

سلطان ابن سعود اور اہل نجد کو اس سے خاندانی عداوت، اور مذہبی مخالفت پہلے سے تھی، اور اب تو ان دونوں امراء عرب میں کسی دوستی کی گنجائش باقی نہ تھی، جبکہ کھلم کھلا شریف جزیرۃ العرب کو اجانب کی مدد سے غلام بناکر مخالفین کو مٹاکر تمام عربستان کا واحد ملک بننے کا منصوبہ کر رہا تھا۔ مسلمانان ہند، اور جزیرۃ العرب کے درمیان ارتباط اور واقفیت حاصل کرنے کے وسائل بہت کم تھے، اور خصوصًا نجد کے صحیح حالات دریافت کرنا دشوار تھا، تاہم یہ خبریں کبھی کبھی ملتی تھیں کہ اہل نجد کو آٹھ برس سے ادائیگی حج کی اجازت نہ تھی، اور یہ بھی کہ سرحد پر حکومت حجاز، اور حکومت نجد میں چھیڑ چھاڑ جاری تھی، اور سلطان ابن سعود اپنی اور اپنی حکومت کی حفاظت کے لئے مقابلہ کی تیاری کر رہے تھے، لڑائیوں کی بھی خبریں آتی تھیں، یہ بھی کہ شریف حسین حجاج پر زیادتی کرکے روپیہ طریقہ طریقے سے وصول کرتا تھا، اور ان کی راحت اور آسائش پہ صرف نہیں کرتا، اور خود اہل حجاز سے بھی ہر طرح روپیہ کھینچتا تھا، یہ سب اس وجہ سے تھا کہ وہ حفاظت حجاز کے لئے وفود اور سامان حرب تیار کرلے۔

حجاز مقدس میں حجاج پر مظالم ہوئے، مدینہ طیبہ کے راستہ میں بدوؤں نے قافلوں کو روکا، اور عام طور پر شکایت کا دفتر کھلا تھا، ہر مسلمان دل میں پریشان تھا، مگر بظاہر فضا میں سکون تھا، یکایک ایک دن ستمبر ۱۹۲۴ء میں اخبارات نے یہ خبر دی کہ نجدی فوجیں طائف کے قریب آگئیں، اور پھر طائف کی فتح کی بھی، اور یہ بھی کہ امیر علی بغیر لڑے وہاں سے مکہ بھاگ گئے، اور یہ کہ مکہ مکرمہ کے لوگوں میں بھی سخت بے چینی تھی، اور وہ شریف حسین کے مظالم سے تنگ آکر اس کو علیحدہ

کرنا چاہتے تھے، شریف حسین اپنا سامان اور روپیہ لے کر جدہ بھاگ گئے، امیر علی بھی ان کے ہمراہ گئے، جدہ میں انقلاب ہوا، شریف حسین مستعفی ہوئے، امیر علی کو دستوری ملک الحجاز بنایا گیا، اور بغیر لڑے نجدی فوجیں مکہ میں داخل ہو گئیں۔ طائف کے قتل اور غارت گری کی خبریں بھی، اور یہ بھی کہ روضۂ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو مسمار کیا گیا۔ ہم مناسب خیال کرتے ہیں کہ اس جگہ وہ تمام تار اور خطوط بجنسہ درج کر دیں جو جمعیت خلافت کے پاس اس مسئلہ کے متعلق آئے، اور جو جوابات جمعیت نے روانہ کئے، ان کو پڑھ کر تمام معاملات صاف نظر آئیں گے، اور یہ بھی معلوم ہو گا کہ جمعیت خلافت کا مہتم بالشان فیصلہ جو ۵۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء بذریعۂ تار حکومت حجاز اور نجد کو بھیجا گیا، کس درجہ صحیح اور مناسب تھا یہ مجلس عاملہ کا فیصلہ تھا، اور دسمبر ۱۹۲۴ء میں اس کو جمعیت خلافت کی سالانہ کانفرنس بلگام نے بالاتفاق پسند فرمایا۔

اخبارات میں طائف کے حملہ کی خبر پانے کے بعد مکہ معظمہ کا حسب ذیل تار ملا۔

لیگ اقوام سے شاہ حجاز کی اپیل

انسانیت اور تہذیب کے نام پر غیر مسلموں کو عرب میں آنے کی دعوت

مرکزی خلافت کمیٹی کو حسب ذیل تار مکہ معظمہ سے وصول ہوا۔

مکہ ۱۱ ستمبر۔ باشندگان مکہ معظمہ آج کعبۃ اللہ کے سامنے جمع ہوئے

جس میں تقریباً ۲۰ ہزار مسلمان باشندگان جاوا، ہندوستان، سوڈان، ایران الجیریا، روس شامل تھے، اور اُنہوں نے متفقہ طور پر مہذب دنیا کو یہ بتایا کہ وہابیوں نے شہر طائف پر حملہ کیا، اور فوج ہاشمی نے بڑی بے جگری سے ان کا مقابلہ کیا، باشندگان مکہ اور حکومت ہاشمی نے جس کی حمایت عام طریقہ پر کی جارہی ہے، ہر ممکن کوشش اس امر کی کی ہے کہ بے گناہ باشندگان اور غیر ملکیوں کو بچایا جائے، لیکن وہابیوں نے بجائے اس کے کہ وہ باقاعدہ طریقہ پر قبضہ کرتے، نہایت وحشیانہ طریقہ اختیار کیا ہے، اور وہاں کے باشندوں اور غیر ملکی رعایا پر جو وہاں مقیم تھے، انتہائی ظلم کیا ہے اور جیسا کہ خود ان غیر ملکیوں سے دوستی رکھنے والی سلطنتوں کو ان تمام حادثات کی خبر دی ہے (یہ واقعہ ہے) کہ وہابیوں نے حضرت ابن عباس کے مزار کو پھونک دینے کے بعد ساری آبادی کو تہ تیغ کیا ہے، جس میں بچے، عورتیں، اور بوڑھے سب شامل تھے، یعنی مختصر الفاظ میں ساری رعایا اور کل غیر ملکی باشندے مارے گئے۔ انسانیت، تہذیب، اور انصاف کے نام پر جس کی لیگ اقوام علمبردار ہے، ہم درخواست کرتے ہیں کہ ان مظالم کا خاتمہ کیا جائے، اور ان وحشیانہ حرکات کو جس سے تہذیب اور انسانیت شرماتی ہے، جلد سے جلد سخت ترین کارروائی کر کے ختم کیا جائے۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۲۴ء

منجانب شرکاء جلسہ

عبدالغفار المدنی۔ عبدالساغانی (؟) ابن قاری عبداللہ مروح سوڈانی موتادی بدرالدین۔ ہدایت اللہ آذربائیجان۔ مولانا غفار بن قربی (؟)

مولنا محمد داؤ دی الداغستانی - احمد بن محمد انادانی - ابوالجوالاتی محمد عبداللہ بن زبیدان الشکینی - محمد حبیب اللہ شنوکتی - حمر تولنسی المراکشی - محمد مختار بن عاطر ناظم الدولۃ ایرانی - محمد بن عبد الکریم - محمد مطار بن سلطان - محمد بن اسمٰعیل فلفلانی - عبداللہ بن یعقوب ابن صبیح سماری - ایک بخاری عبدالغنی - بدرالدین محمد عارف - محمد مظہر - ابوطالب -

(نوٹ :- تار فرانسیسی زبان میں تھا اس لئے بہت سے نام صاف پڑھے نہیں گئے)

جمعیتہ خلافت نے ان خبروں کو پاکر ایک تار حسب ذیل ۵ ارستمبر ۱۹۲۴ئہ کو شریف حسین کے نام بھیجا -

جمعیتہ خلافت کا تار شریف حسین کے نام

۵ ارستمبر ۱۹۲۴ئہ کو مولانا شوکت علی صاحب صدر جمعیتہ خلافت نے حسب ذیل تار شریف حسین کو روانہ کیا -

"آپ کی مسلسل خلاف اسلام حرکات پر بہت افسوس ہے آپ کی یہی پالیسی اس آپس کی لڑائی کی ذمہ دار ہے - ہم مداخلت کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ آپ اپنا اور اپنے خاندان کا معاملہ موتمر اسلامی کے فیصلہ پر چھوڑ دیں حجاز مقدس میں غیر مسلموں کی مداخلت ناقابل برداشت اور ناقابل معافی ہے"

شوکت علی، صدر جمعیت خلافت ہند

اور حسب ذیل تار سلطان نجد کے نام روانہ کیا -

جمعیت خلافت کا تار سلطان نجد کے نام

۱۵ ستمبر کو مولانا شوکت علی صاحب صدر جمعیت خلافت نے حسب ذیل تار ابن سعود سلطان نجد کے نام روانہ کیا۔

"عرب بھائیوں میں یہ آپس کی لڑائی بہت دردناک ہے، ان افسوسناک واقعات کی ذمہ داری شریف حسین پر ہے، اخبارات کے غلط پروپیگنڈا پر یقین نہ لاتے ہوئے آپ سے درخواست کرتے ہیں، کہ فوجوں کو سخت احکام جاری کر دیجئے کہ کسی ایسی حرکات کا ارتکاب نہ ہو، جس سے اسلامی جذبات کو صدمہ پہنچے، مہربانی فرماکر صحیح واقعات سے ہمیں مطلع کرتے رہئے۔"

شوکت علی صدر جمعیت خلافت ہند

شریف حسین نے حسب ذیل تار ہمارے تار کے جواب میں بھیجا۔

شریف حسین کا تار مولانا شوکت علی صاحب کے نام

۱۶ ستمبر کو مولانا شوکت علی صاحب کے نام شریف حسین کا حسب ذیل برقی پیغام مکہ معظمہ سے موصول ہوا۔

"آپ کے اور تمام بھائیوں کے جذبات پر ہم شکریہ ادا کرتے ہیں۔"

حسین

اس عرصہ میں ذیل کا تار ملا، جس کا تعلق گو قضیۂ نجد و حجاز سے خاص طور پر نہ تھا، مگر اس کا ثبوت ہے، کہ حکومت نجد نے اسے محسوس کیا کہ وہ دنیائے اسلام اور جمعیت خلافت کے سامنے اپنے کو بدنام نہ ہونے دے۔

فیصل بن عبد العزیز السعود کا تار مولانا شوکت علی کے نام

بحرین ۳ ر ستمبر۔ بعض شامی اور عراقی اخباروں نے یہ شائع کیا ہے کہ آل اخوان کی فوجوں نے شمالی مشرق بردوں میں چند قبائل سے انتقام لیتے ہوئے بچوں، اور عورتوں کو قتل کیا، یہ صریح جھوٹ ہے، اور یہ صرف اس لئے مشہور کیا گیا ہے کہ آل اخوان سے اسلامی دنیا بدظن ہو جائے آل اخوان کا اسلامی عقیدہ ایسے کاموں کی انہیں اجازت نہیں دیتا، جو ہر شخص کے ضمیر کے خلاف ہیں، براہ کرم ان غلط افواہوں کی تردید کر دیجئے۔ فیصل بن عبد العزیز

تھوڑے عرصہ کے بعد جبکہ مکہ معظمہ میں نجدی داخل ہو گئے، اور جدہ کی طرف بڑھ رہے تھے، کہ حسب ذیل تار پریسیڈنٹ سپریم کونسل القدس کا موصول ہوا۔

القدس کی مسلم کونسل کا برقی پیغام

۳۔ اکتوبر کو حسب ذیل برقی پیغام القدس کی مسلم کونسل کے صدر کی طرف سے موصول ہوا۔

" نجد کو تار دے دیا گیا ہے کہ مقامات مقدسہ کے احترام کی خاطر خونریزی روک دی جائے، آپ سے بھی درخواست ہے کہ ایسا ہی تار دیجئے، ہماری تجویز ہے کہ آپ جدہ کو اپنے نمائندے بھیجدیں تاکہ وہاں جو اسلامی نمائندے جمع ہو رہے ہیں، اُن کے ساتھ ملکر مقامات مقدسہ کے امن اور اسلامی مفاد کے تحفظ کی کوشش کریں، مہربانی فرماکر بذریعہ تار

جواب دیجیے۔ صدر مسلم کونسل القدس

اس تار کا جمعیت خلافت نے حسب ذیل جواب دیا۔

پریسیڈنٹ مسلم کونسل القدس کو جمعیت خلافت کا جواب

۳۔ اکتوبر کو جمعیت خلافت کی طرف سے مولانا شوکت علی صاحب نے حسب ذیل تار پریسیڈنٹ مسلم کونسل القدس کو بھیجا۔

" ہم پہلے ہی فریقین کو تار دے چکے ہیں کہ آپس کی لڑائی نہایت افسوسناک ہے، حکومت حجاز کو ہم نے بذریعۂ تار اطلاع دی ہے، کہ اگر وہ اپنا معاملہ موتمر اسلامی پر چھوڑ دے، تو ہم مداخلت کے لئے تیار ہیں، حکومت نجد کو تار دیا ہے کہ نجدی فوج کو سخت احکام دے دئے جائیں کہ وہ کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کریں جس سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوں۔

شوکت علی صدر خلافت

اس کے بعد ہی فوراً ہمارے پاس ذیل کا نہایت اہم تار وصول ہوا، جس میں صلح کرانے کے لئے ہماری امداد طلب کی گئی، اور شریف حسین کی معزولی، اور امیر علی کے انتخاب بحیثیت دستوری بادشاہ کا اعلان تھا۔

حزب وطنی حجاز کا تار

۴۔ اکتوبر کو طاہر الدباغ سکریٹری حزب وطنی حجاز نے جدہ سے مرکزی خلافت کمیٹی کو حسب ذیل تار دیا۔

" افواج مدافعت کی کامل شکست اور حکومت کی ناقابلیت کے باعث جس کی وجہ سے وہ قوم کی جان و مال کی حفاظت سے قاصر ہے، ساری قوم

حجاز میں ایک انقلابی کیفیت رونما ہوئی، اور چونکہ سارا ملک حجاز، اور حرمین شریفین نہایت خطرے میں ہیں، اور حالت بہت نازک ہے، اور چونکہ سارا ملک حجاز عالم اسلامی کی نگاہوں میں بے حد مقدس ہے، اس لئے قوم نے بالاتفاق شریف کو اس پر مجبور کیا کہ وہ تخت سے علٰحدہ ہو جائیں، اور جہاں چاہیں چلے جائیں اور چونکہ اندرون ملک میں بےچینی رونما ہے اور انقلاب کا خوف ہے، اور سارے ملک میں فساد کا احتمال ہو رہا ہے اس لئے ساری قوم نے اس پر اتفاق کیا ہے، کہ امیر علی کو صرف شاہ حجاز مان کر ایک کانسٹی ٹیوشنل (دستوری) حکومت قائم کی جائے، بشرطیکہ وہ ساری دنیائے اسلام کے فیصلے کا مقامات مقدسہ کے حقوق، اور اغراض کے متعلق پابند ہونا قبول کرے، قوم نے امام ابن سعود کے پاس ایک باضابطہ مراسلہ بھیجا ہے کہ گفتگوئے مصالحت کے لئے اپنے نمائندے بھیجیں۔ قوم حجاز اس اعلان کے بعد اور انسدادی تدابیر کو عمل میں لانے کے بعد اس کا اعلان بھی ضروری سمجھتی ہے، کہ اب اگر عالم اسلام نے، مقامات مقدسہ، اور اس کے باشندوں کی حفاظت میں عجلت نہ کی اور امام ابن سعود کی پیش قدمی کرنے والی فوج کو نہ روکا، اور ان سے اس کی درخواست نہ کی، کہ جلد از جلد اپنے نمائندے شرائط صلح کے لئے بھیجیں اور ضرورت حال پر لحاظ کر کے مؤثر کارروائی ملک حجاز کی حفاظت کیلئے نہ کی تو تمام خرابیوں کی ذمہ داری عالم اسلام پر ہوگی۔

طاہر الدباغ سکریٹری حزب وطنی (از جدہ)

مندرجۂ بالا تار میں ایک اور خاص اور اہم معاملہ میں اظہار رائے کیا گیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے، کہ دنیائے اسلام کی حجاز مقدس میں رضامندی اور رائے مقدم اور اولی ہو گی، امیر علی کو بادشاہ اس شرط پر قبول کیا گیا تھا کہ وہ سارے دنیائے اسلام کے فیصلہ کا پابند ہونا قبول کر لے۔

ان تاروں کے آنے پر ۵۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو دہلی میں ممبران مجلس عاملہ کے مشورے ہوئے، جس میں مولانا شوکت علی صدر، حکیم اجمل خانصاحب مولانا ابوالکلام صاحب، مولانا محمد علی صاحب، ڈاکٹر کچلو صاحب، ڈاکٹر سید محمود صاحب، اور شعیب قریشی صاحب موجود تھے، ایک تار طاہر الدباغ صاحب کے نام بھیجا گیا، دوسرا سلطان ابن سعود کے پاس، ہم اس تاریخی برقی پیغام کو، جو سلطان نجد کو بھیجا گیا تھا، بجنسہ درج کرتے ہیں۔

سلطان نجد کو مولانا شوکت علی صاحب کا تار

۷۔ اکتوبر کا مشہور برقی پیغام

۷۔ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو مولانا شوکت علی صاحب صدر خلافت نے حسب ذیل تار عبدالرحمٰن القصیبی (بحرین) کی معرفت سلطان نجد کو روانہ کیا۔

" حزب وطنی حجاز نے بذریعہ تار شریف حسین کی معزولی، اور

امیر کے انتخاب کی خبر دی ہے، جو دستوری اختیارات کے ساتھ شاہِ حجاز ہوں گے، اور یہ بھی شرط ہے کہ حجاز میں مسلم مفاد و حقوق کے متعلق وہ دُنیائے اسلام کی موتمر کے فیصلہ کو تسلیم کریں گے، احجاز پارٹی نے ہم سے مداخلت کی درخواست کی ہے، ہم نے حسب ذیل جواب بذریعۂ تار ارسال کیا ہے:۔

"ہندوستانی مسلمان تمام دُنیائے اسلام کے ساتھ تلخ تجربات کی بنا پر یقین کے ساتھ جانتے اور محسوس کرتے ہیں، کہ گزشتہ آٹھ سال میں دنیائے اسلام پر جو مصیبتیں نازل ہوئی ہیں ان کی ذمہ داری بڑی حد تک شریف، اور اس کے خاندان پر ہے، جب تک کہ وہ خاندان برسر حکومت رہے گا، ہندوستانی مسلمان کبھی مطمئن نہ ہوں گے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حجاز پر جو کہ تمام دنیائے اسلام کا مرجع ہے، کوئی بادشا یا سلطان حکومت نہیں کر سکتا، بلکہ وہاں ایک ایسی جمہوریت قایم کرنا چاہئے جو غیر مسلم اغیار کے اثر سے بالکل محفوظ ہو، ہر مسلمان کو یہ اصول مدنظر رکھنا چاہئے، تاکہ جنگ و خونریزی کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی یہ رائے ہے کہ اس وقت ارا کین حجاز کی ایک عارضی جمہوری حکومت قایم ہو جائے، اور مستقل حکومت کا فیصلہ اسلامی کانفرنس پر چھوڑ دیا جائے، اس لئے کہ اسلامی دنیا کو امیر کا تقرر، ناقابل قبول ہے، خلافت کمیٹی نے حجاز، اور نجد کو وفود بھیجنے کا فیصلہ کر لیا ہے، چنانچہ پاسپورٹ کی درخواست دے دی ہے، اس تار کی ایک نقل امیر ابن سعود کو بھیجکر ان سے بھی درخواست کی جا رہی ہے، کہ وہ جنگ اور خونریزی بالکل بند کر دیں۔

اماکن مقدسہ کا پورا پورا لحاظ رکھیں، اور جو شرائط اس تار میں مذکور ہیں انہیں کی بنا پر صلح کی گفت وشنید کریں"

سپریم کونسل القدس کو بھی حسب ذیل تار بھیجا گیا ہے۔

مسلم کونسل القدس کو صدر جمعیت خلافت کا تار

۶ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو صدر جمعیت خلافت مولانا شوکت علی صاحب نے حسب ذیل تار القدس کی مسلم کونسل کو روانہ کیا ہے:۔

" ارض پاک میں خونریزی روکنے کیلئے ہم مضطرب ہیں، نجد و حجاز کے پاسپورٹ کی درخواست دے رہے ہیں، شریف حسین کے گزشتہ افعال اور دنیائے اسلام کی رائے عامہ سے اس کی موجودہ مخالفت نے اس کی طرف سے عالم اسلام میں ہمدردی کے جذبات باقی نہیں چھوڑے ہیں، امن وصلح اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کے، اور اس کے خاندان کے معاملات کا فیصلہ دنیائے اسلام کی موتمر پر منحصر کر دیا جائے۔

شوکت علی، صدر مرکزیہ خلافت

ہمارے ۱۵ ستمبر کے تار کے جواب میں سلطان نجد نے حسب ذیل تار بھیجا۔

سلطان نجد کا تار مولانا شوکت علی صاحب کے نام

یکم اکتوبر کو حسب ذیل تار سلطان نجد کا مولانا شوکت علی کے نام موصول ہوا

" مجھ اب آپ کے تار کے ہیں گرم جوشی سے آپ کا، آپ کی جد وجہد، اور عربوں، اور مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی پر شکریہ ادا کرتا ہوں، مجھے آپ سے یہی امید تھی، لیکن جن واقعات کا آپ نے ذکر کیا ہے، وہ محض اخباروں

کی مبالغہ آمیز خبریں ہیں، سارا مادی، اور اخلاقی الزام اس کے بانی (شریف حسین) اور اس کے بیٹوں پر ہے، میں نے یہ حکم دیدیا ہے کہ پوری احتیاط برتی جائے اور کسی قسم کی بے عنوانی نہ کی جائے۔

سلطان نجد عبدالعزیز

تھوڑے دنوں کے بعد ایک اور تار حافظ وہبہ سلطان نجد کے سکرٹری کا موصول ہوا، جس میں انہوں نے لکھا:۔

حافظ وہبہ کا تار مولانا شوکت علی صاحب کے نام

حکومت نجد کا مظالم سے انکار

۷۔ اکتوبر کو حافظ وہبہ صاحب کا حسب ذیل تار مولانا شوکت علی صاحب کے نام بحرین سے موصول ہوا:۔

" دشمنوں نے نجدی افواج کے مظالم کی جو داستانیں شائع کی ہیں، ان سے حکومت نجد کو قطعی انکار ہے، حجاز کے غیر جانبدار (نیوٹرل) باشندوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے، اور حکومت نجد نہایت خوشی کے ساتھ، ان حجازی، اور غیر ملکی باشندوں کو جو حجازی افواج کے ساتھ مل کر نہیں لڑے ہیں مگر ان کا کسی قسم کا نقصان ہوا ہے، تاوان دینے اور تلافی کر دینے کو تیار ہے۔

حافظ وہبہ

اس کے بعد سلطان کے پرائیوٹ سکرٹری نے ایک تار دیا جس میں مقامات مقدسہ کے احترام اور جملہ مآثر کی حفاظت اور جملہ مراسم کے جاری

رکھے جانے کا وعدہ ہے، اور نیز غیر مسلم مداخلت سے محفوظ رہ کر مذہبی
بہم پہنچانے کا عہد ہے۔

مقامات مقدسہ کے احترام کا وعدہ

سلطان نجد کا تار مرکزی خلافت کمیٹی کے جواب میں

بحرین ۱۰۔ اکتوبر کو حسب ذیل تار پرائیوٹ سکریٹری سلطان نجد بحرین
موصول ہوا۔

" اعلحضرت نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں آپ کے تار کے جواب میں آپ کو
یقین دلا دوں کہ مقامات مقدسہ کا پورا احترام کیا جائے گا اور جملہ مراسم جار
رکھے جائیں گے۔ اور اس میں کسی قسم کا فرق نہ آئے گا۔ ہم نے حجاز میں محض ایسا
دست اندازی کی ہے کہ اسلامی مقامات اور حرمین شریفین کو غیر مسلم مداخلت
محفوظ رکھ کر مذہبی عبادت میں سہولت بہم پہنچائیں، اور حجاج کو آرام دے
تمام دنیائے اسلام کے اطمینان کا باعث بنیں۔

پرائیوٹ سکریٹری سلطان نجد

حزب الوطنی جدہ کا ایک اور تار خلافت کے نام جس میں امداد طلب
کی گئی ہے۔

حزب وطنی جدہ کا تار خلافت کمیٹی کے نام

۱۱ر اکتوبر۔ حرم محترم کو خونریزی سے بچانے کے لئے اس کے
کو ملحوظ رکھتے ہوئے افواج حجاز یہ جدہ آ گئی ہیں۔ وہابی امن و امان کے

مکہ میں داخل ہو گئے، ہمیں دنیائے اسلام کے جوش، اور عزم پر پورا بھروسہ ہے، کہ جلد سے جلد وفود بھیجے جائیں گے، اور مداخلت کی جائے گی، حجازی قوم کی صرف یہی التجا ہے، کہ حرمین شریفین کی امداد کے لئے ہم پُر جوش مسلمانوں سے مکرر اپیل کرتے ہیں۔

حزب وطنی جدہ

ہمارے ۵۔ اکتوبر کے فیصلہ کا جواب سلطان نے صاف وصریح الفاظ میں دیا ہے، اور ہمارے خیالات کی پوری تائید کی ہے، اور آخری فیصلہ دنیائے اسلام پر چھوڑا ہے، تار حسب ذیل ہے۔

سلطان نجد کا تار

"آخری فیصلہ دنیائے اسلام کے ہاتھ میں ہے"

۲۴۔ اکتوبر کو مولانا شوکت علی صاحب کے نام سلطان نجد کا حسب ذیل برقی پیغام موصول ہوا:۔

آپ کا تار پہنچا، آپ کے اور مسلمانان ہند کے صحیح خیالات کا شکریہ جب تک کہ حسین یا اس کے خاندان کا کوئی فرد مکہ معظمہ میں حکومت کرتا رہے گا اس وقت تک پبلک کو امن وصلح میسر نہیں ہو سکتی، جو کچھ واقعہ ہوا، اس کا ذمہ دار صرف الحسین ہے جس کے افعال سے مکہ معظمہ کے باشندوں کو اب آزادی مل گئی، آخری فیصلہ تمام دنیائے اسلام کے ہاتھ میں ہے۔

سلطان عبدالعزیز، نجد

طائف کی خبر پا کر ذیل کا تار دیا گیا۔

مولانا شوکت علی صاحب کا تار سلطان نجد کے نام

" صحابہ کرام کے مزارات کی بے حرمتی کے متعلق پریشان کن افواہیں مشہور ہو رہی ہیں، مہربانی کر کے صحیح حالات کی اطلاع دیجیئے" شوکت علی

جس کا جواب سلطان نے دیا، اور ہم کو یقین دلایا کہ اسلامی مزارات ہمارے لئے قابل احترام ہیں۔ تار حسب ذیل ہیں۔

سلطان نجد کا جواب مولانا شوکت علی صاحب کے نام

"اسلامی مزارات ہمارے لئے قابل احترام ہیں"

" اسلامی مزارات، اور خصوصاً صحابہؓ کے مزارات ہمارے لئے بہت زیادہ قابل احترام ہیں، آپ اطمینان رکھئے، ہماری فوجیں، ہمارے مقدس قوانین کی خلاف ورزی نہیں کریں گی۔" عبدالعزیز سلطان نجد

اس عرصہ میں جمعیت خلافت کی مجلس عاملہ نے یہ تجویز پاس کی کہ حجاز مقدس میں غیر مسلم مداخلت نہ ہونے پائے، اور اس مضمون کا تار بھی وزارت برطانیہ کو دیا گیا۔ تجویز حسب ذیل ہے:۔

" کمیٹی نہایت سختی کے ساتھ اس رائے پر مصر ہے کہ جزیرۃ العرب میں برطانوی یا دوسری غیر مسلم مداخلت مسلمانان ہند اور مسلمانان عالم کو گوارا نہ ہوگی، حجاز میں ہندوستانی مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کا بہانہ یا حجاز کے راستہ کی ضرورت حجاز میں کسی غیر مسلم مداخلت کو کسی طریقہ پر جائز قرار نہیں دے سکتی۔ مجلس عاملہ اپنا فرض سمجھتی ہے کہ ہر متعلق ہستی کو یہ بتا دے

جائے کہ مسلمانانِ ہند بھی دوسرے ملک کے مسلمانوں کی طرح تا حدِ امکان ،
معاملات حجاز میں غیر مسلم مداخلت نہ ہونے دیں گے، مجلس اسے پوری طرح پر
ذہن نشین کرا دینا چاہتی ہے کہ کسی غیر مسلم طاقت کو اس میں مداخلت کا حق نہیں
اور اگر کوئی غیر مسلم طاقت اس طرح دخل دینے کی کوشش کرے گی، تو اسے
اسلام کی مخالفت سمجھا جائے گا۔ اس لئے مجلس ہذا برطانیہ کو آگاہ کئے دیتی
ہے کہ اس طرح کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔"

اس تجویز کی نقل وزیر اعظم انگلستان کو بھیجدی گئی۔

اس عرصہ میں پاسپورٹ کے واسطے حکومت ہند سے خط وکتابت
ہوئی، بالآخر پاسپورٹ ملنے پر ۲۴ نومبر ۱۹۲۴ء کو امیر علی، محمد طویل اور
طاہر الدباغ کو حسب ذیل تار کے ذریعہ وفد کی روانگی کی اطلاع دی گئی۔

جدہ کو مولانا شوکت علی صاحب کا تار

۲۴ نومبر کو حسب ذیل تار مولانا شوکت علی صاحب نے امیر علی، محمد طویل
اور طاہر الدباغ سکریٹری حزب وطنی حجاز کو بھیجا۔

" پاسپورٹ مل گئے ہیں، وفد خلافت جلد روانہ ہوگا، ہماری بڑی
تمنا ہے کہ مقامات مقدسہ میں امن قائم ہو۔"

جس کے جواب میں امیر علی کا حسب ذیل تار آیا:۔

امیر علی کا تار جمعیت خلافت کے نام

" تار ملا۔ آپ کے وفد کے مقاصد عالیہ کا علم ہوا، میں اپنی اور اپنے
ملک کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں ، ہم ہر دم اسی کوشش میں

مصروف ہیں کہ ملک میں امن وامان ہو، اور اسی غرض سے ہم مکہ معظمہ کو بغیر حکومت کے چھوڑ کر جدہ آگئے، ہمارا مقصد خونریزی سے احتراز، اور حرم کا احترام ہے، ہم چاہتے ہیں کہ کوئی درمیان میں پڑ کر غلط فہمی دور کرا دے اور جانبین میں صلح ہو جائے"۔ (امیر علی)

اخیر نومبر میں ایک اور اہم تار بحرین سے آیا، جو بجنسہ درج کیا جاتا ہے، اس کے بھیجنے والے عبد اللہ ابن بلیہد قاضی القضاۃ اور حکومت نجد کے سب سے با اثر، اور ذمہ دار افسر ہیں۔

"میں مکہ معظمہ پر قبضہ کرنے نہیں جا رہا ہوں"

"مکہ میں سلطان نہیں چاہئے، امیر شریعت چاہیے"

۲۳۔ نومبر ۱۹۲۴ء کو مولانا شوکت علی صاحب کو حسب ذیل تار نجد سے موصول ہوا:۔

سلطان نجد کی روانگی مکہ معظمہ کے وقت علماء، وعمائدین رخصت کرنے کے لئے جمع ہوئے، سلطان ممدوح نے حسب ذیل الوداعی تقریر فرمائی:۔

"میں مکہ معظمہ پر قبضہ کرنے نہیں جا رہا ہوں، بلکہ وہاں کے باشندوں کو مظالم اور ناقابل برداشت ٹیکسوں کی مصیبت سے نجات دلانے جا رہا ہوں، جن میں وہ مبتلا ہیں، اس مقدس مہبط وحی الٰہی کو اس لئے جا رہا ہوں، کہ شریعت خداوندی کا احیاء کروں، اور اپنے قوت بازو سے

احکام الٰہی کو نافذ کردوں، اب مکہ معظمہ میں بجز شریعت کوئی سلطان نہ ہوگا، سب کو شریعت کی پابندی کرنی ہوگی، چونکہ مکہ معظمہ سے جملہ مسلمانان عالم کو تعلق ہے، اس لئے وہاں کی پالیسی، دنیائے اسلام کی مرضی کے مطابق ہوگی، ہم جملہ نمائندگان عالم کی کانفرنس مکہ معظمہ میں منعقد کریں گے، اور ہر اس مسئلہ پر اُن کی رائے لی جائے گی، جس کی بدولت بیت اللہ شریف گناہوں اور ذاتی اغراض کی تحریکوں سے پاک رہے، اور حجاج کو حرمین شریفین کے سفر میں امن و عافیت نصیب ہو، حجاز، ہر شخص، اور ہر نیک بندے کے لئے کھلا رہے گا تاہم تاحدامکان کوشش کرکے اس کے لئے راستوں کی حفاظت کریں گے، اور ہر بدکار کو سزا دیں گے، جو مذہب سے روگردانی کریگا۔"

(عبداللہ)

۱۸ر دسمبر ۱۹۲۴ء کو وفد خلافت، جس کے صدر سید سلیمان ندوی، اور ارکان مولانا عبدالماجد صاحب قادری بدایونی، اور مولانا عبدالقادر صاحب قصوری تھے، جدہ کو روانہ ہوا، اس کے چند روز بعد ہی ۵۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء کا جو فیصلہ تھا، اور جس کی بنا پر امیر علی، اور ابن سعود کو تار دئے گئے تھے وہ فیصلہ بلگام کانفرنس میں پیش ہوا، اور بصدارت ڈاکٹر کچلو پورے جلسہ کے اتفاق رائے سے کانفرنس مذکور کے اجلاس میں پاس ہوا۔

۵۔ اکتوبر کے فیصلہ پر خلافت کانفرنس بلگام کی تصدیق

مسلمانان ہند کی یہ کانفرنس مکہ سے شریف حسین، اور اس کے خاندان کے اخراج پر جو گذشتہ آٹھ سال سے اسلام اور جزیرۃ العرب کے لئے مسلسل

مصائب کا باعث رہا ہے، پورے اطمینان کا اظہار کرتی ہے، اس طرح دنیائے اسلام کی جو عظیم الشان خدمت ہوئی ہے، اس کا اعتراف کرتے ہوئے یہ کانفرنس سلطان نجد کے اس اعلان کو بہ نظر استحسان دیکھتی ہے جس کی رو سے انہوں نے حجاز کے مستقبل کے نظام کے مسئلہ کو مجوزہ موتمر اسلامی پر چھوڑ دیا ہے، مجلس عاملہ خلافت نے ۵۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو جو برقی پیغام حجاز بھیجا تھا، یہ کانفرنس اس کی تصدیق کرتے ہوئے یہ حقیقت واضح کرنا ضروری سمجھتی ہے کہ حجاز تمام مسلمانانِ عالم کا مقدس مذہبی مرکز ہے، اور اس لئے شاہوں اور سلطانوں کا پایہ تخت نہیں ہو سکتا، اس کا نظام حکومت صرف مناسب جمہوری حکومت کے اصول پر قائم رہ سکتا ہے، جو غیر مسلم اثر سے بالکل پاک ہو اور داخلی امن و امان قایم رکھنے اور خارجی حملوں سے مقامات مقدسہ کی حفاظت کرنے کے قابل ہو۔

محرک۔ مولانا حسین احمد   مؤید۔ مولانا عبدالماجد

جو وفد امیر علی اور سلطان ابن سعود کے پاس جدہ گیا تھا، اس کی رپورٹ شائع ہو چکی ہے، روانگی کے وقت وفد کو حسب ذیل ہدایات دی گئی ہیں:۔

نقل ہدایت وفد حجاز بسرکردگی سید سلیمان صاحب ندوی

(۱) مسلمانانِ ہند چاہتے ہیں، کہ حجاز میں شرع اسلامی کے اصولوں پر جمہوری حکومت قائم کی جائے، جس میں حجاز کی اندرونی آزادی کو پورے طور پر قائم رکھتے ہوئے تمام وہ مسائل جو حجاز کی اسلامی مرکزی حیثیت سے

تعلق رکھتے ہیں، مسلمانان عالم کے مرضی ومشورہ سے طے ہونے چاہئیں۔

(۲) مندرجۂ بالا جمہوریت کی تشکیل کے لئے ایک ایسی اسلامی مؤتمر کا انعقاد کیا جائے، جس میں تمام اسلامی حکومتوں کے نمائندے شامل ہوں۔

(۳) حجاز کی جمہوریت کے ساتھ، اور حجاز کے مرکزی معاملات کے متعلق شریف حسین اور اس کے خاندان کا کوئی تعلق نہ ہونا چاہیے۔

(۴) تمام عرب ریاستوں میں شرع اسلامی کے مطابق کامل اتحاد ہونا چاہیے تاکہ ان میں باہمی فساد، اور خونریزی کا کوئی امکان باقی نہ رہے اور وصیت نبوی کے مطابق غیرمسلم اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔

(۵) اگر حالات مساعد ہوں تو مجوزہ موتمر اسلامی مکہ شریف میں ہونی چاہیے۔

(۶) جزیرۃ العرب کی تمام ریاستوں کے قابل ترین قائم مقاموں کے فراہم کرنے کا انتظام سلطان نجد اور امام یحییٰ اپنے ذمہ لیں۔

(۷) مجوزہ موتمر کے انعقاد کی تاریخیں جس قدر جلد ممکن ہو، مقرر کی جائیں، اور سلطان نجد کی طرف سے یا سلطان موصوف، اور امام یحییٰ، اور اہل حجاز کی طرف سے عالم اسلامی کو دعوت دیجائے۔

(۸) یہ تاریخیں آئندہ حج کے زمانہ سے پہلے ذیقعدہ کے مہینہ میں ہونی چاہئیں۔

(۹) جب تک موتمر اسلامی مندرجۂ بالا حکومت حجاز کے متعلق کوئی مستقل اور آخری فیصلہ نہ کرلے، اس وقت تک سلطان ابن سعود

کی سیادت اور نگرانی میں حجاز کے نائبین انتظام کریں۔

چنانچہ مذکورۂ بالا ہدایات کے مطابق ارکان وفد نے مختلف مواقع پر، امیر علی پر مسلک خلافت کو ان الفاظ میں ظاہر کیا، جو اس خط میں درج ہیں، جو وفد نے ۲۱ رجمادی الثانی ۱۳۴۳ھ کو رئیس الوزرا، امیر علی کے نام بھیجا تھا۔

وفد کا جواب، رئیس الوزرار کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صاحب دولت وعطوفت رئیس الوزرا، الافخم الاکرم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ ہم نے شکریہ کے ساتھ آپ کا خط مورخہ ۱۸ رجمادی الثانیہ ۱۳۴۳ھ لیا، جس میں ہمارے سلطان کے پاس اس غرض سے جانے کے متعلقہ مسائل پر بحث تھی، کہ ہم سلطان کے اصول وآرار کو آزمائیں، اور یہ جانیں کہ کیا ان کے کچھ ایسے معاہدات ہیں جو ان کی حکومت کے استقلال میں خلل انداز ہیں، اور ہم تحقیق کریں کہ ان میں اچھی بری باتیں ہیں، اور ہم نے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ ایک خط لکھ کر خاص معاہدہ، اور دونوں جنگ آزما فریقوں کے درمیان پڑنے کے، اور دیگر مسئلوں کی نسبت دریافت کیا تھا، اور اس کے جواب میں انہوں نے ہمیں اپنے پاس بلایا تاکہ وہ امور مسئولہ کی نسبت ہم کو اطلاعات دیں، اور اس کے لئے دوشنبہ کی دوپہر تک وقت مقرر کیا تھا، اور انہوں نے ہمارے سفر کے لئے تمام سامان مہیا کر دئے تھے، لیکن آپ نے

مجلس وزراء کے چند ارکان کو ہمارے پاس گفتگو کرنے بھیجا، اور اس لئے بھیجا تاکہ وہ ہم کو اس سفر میں کسی اور موقع تک کے لئے تاخیر کی درخواست کریں، اور ہم نے ان کے جواب میں ہر چیز واضح کر دی، اور اُن کے شبہات دُور کر دیئے، اور اُن کے سامنے وہ دلائل پیش کیے، جو نظر کے نقطوں کو درست کر رہے تھے، لیکن ہمارے دلائل سے ان کو تشفی نہ ہوئی، اور ہمارے معروضات سے اُن کو اطمینان نہ ہوا، اور مباحث کی رَو، اور دوسری وادیوں میں یہ نکلی، اور بحث میں اُن دروازوں کو کھٹکھٹایا جن کو کھٹکھٹانا ہم مناسب نہیں سمجھتے تھے، اس لئے ہم نے ان سے درخواست کی کہ وہ ایک مخصوص تحریر کے ذریعہ سے اپنا مدعا ظاہر کریں، تاکہ موضوع بحث متعین ہو تو یہ آپ کا خط آیا، اور وہ بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ اس سے پہلے کہ سلطان کے پاس جائیں ہم اُن سے یہ اُن کا وعدہ حاصل کریں کہ وہ ہماری وساطت کو قبول کرتے ہیں، اور ہم اُن کو، اور وہ ہم کو لکھ کر تصریح کریں، کہ اس توسط سے مقصود "صاحب الجلالۃ الملک علی معظم" اور "امیر ابن سعود مذکور رئیس قبائل نجد" کے درمیان صلح کرانا ہے کہ دونوں اپنی اپنی ذات کی طرف سے اصالۃً اور اپنی مملکتوں کی طرف سے نیابۃً صلح کریں گے، دوسری عبارت میں اس کا یہ مطلب ہے کہ وفد خلافت ہند، اور عظمۃ السلطان یہ اعتراف کریں کہ حجاز کی حکومت، جو آج لئے کھڑا ہے، وہ حجاز کا جائز بادشاہ ہے۔

پہلی دفعہ یعنی توسط کا اعتراف کوئی بڑا جوہری مسئلہ نہیں ہے کیونکہ توسط کے لئے دو مقابل حدیں یا فریقین ہونے چاہئیں، اور وہ

مقابل حدیں آپ کی تصریح کے مطابق "امیر ابن سعود رئیس قبائل نجد اور صاحب الجلالۃ الملک علی المعظم" ہیں، تو اس حالت میں آپ کی دونوں دفعیں ایک ہی دفعہ میں منحصر ہوگئیں، اور وہ مجلس خلافت اور سلطان نجد کی طرف سے یہ سرکاری اعتراف کہ صاحب السیادۃ علی، حجاز کے باقاعدہ جائز بادشاہ ہیں تو اس دفعہ پر حسب ذیل اعتراضات ہیں۔

(۱) ہم نے آپ کے سامنے مجلس خلافت کی جو تجویزیں پیش کی ہیں ان سے واضح ہے، کہ ہماری مجلس کسی کو بھی حجاز پر "ملک و بادشاہ" ماننے کے لئے تیار نہیں ہے، اور جیسا کہ ہم نے کہہ دیا ہے کہ ہم ذی اختیار نمائندے نہیں ہیں، اس لئے ہم طبعاً مجلس خلافت کے احکام کے تابع ہیں، اور اسکے آرار، اور امر کے مطیع ہیں، یہ ممکن ہے کہ اس کو یقین وحق اس صورت کے علاوہ، اور صورت و ہیئت میں جس کا اس کو اب تک علم نہیں، نظر آئے، تو وہ اپنے زاویۂ نظر کے بدلنے میں، اور حق ویقین کی نئی صورت قبول کرنے میں پس وپیش نہ کرے گی، آپ نے ہم کو جو ایسے اسرار، اور حقائق امانۃً دئے ہیں، جن کے ساتھ اعتنار و اہتمام ضروری ہے، ہم اپنی ممکن طاقت سے جمعیۃ کو ان کو سمجھانے کی کوشش کریں گے، اور سعی کریں گے، کہ حجاز کی حکومت، اور جمعیت کے درمیان مصالحت و مسالمت ہو جائے ہم اس وقت جمعیت کو تار دیتے ہیں تاکہ وہ صورت واقعہ سے آگاہ ہو، اور خدا جو کچھ اس کو فیصلہ کی قوت عطا کرے، اس کی بنا پر وہ کوئی فیصلہ

کرے تو ہم اُس کے فیصلہ کے مطابق کریں گے، یہ تو اس دفعہ کا ہماری طرف سے جواب ہے۔

(۲) لیکن سلطان نجد کا اس دفعہ کو مان لینا ہمارے قبضہ میں نہیں، اُن کے اعلانات کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے، کہ ان کو علی کی بادشاہی کا منوانا نہایت مشکل ہے، بلکہ نتیجہ تک پہنچنے کی راہ میں دیوار قائم کرنا ہے کیونکہ یہی چیز تو اس جنگ کا باعث ہے، تو اگر سلطان شروع ہی میں (یعنی ہمارے سفر کی شرط کے طور پر) یہ مان لیں کہ علی حجاز کے جائز بادشاہ ہیں تو گویا ہم سفر کی اخیر منزل میں پہنچ گئے، اور اختلاف کے تمام اصول حل ہو گئے، اور دشمنی کی تمام گرہیں کھل گئیں، (یعنی آئندہ کوئی جوہری چیز صلح کے لئے نہیں رہتی) اس لئے مصلحت اس کی مقتضی ہے، کہ اس واقعہ کو اُس تدریج کے ساتھ بار بار کی خط و کتابت و گفتگو سے طے کیا جائے جو عداوتوں اور دشمنیوں کے طبعی موقع و محل پر اختیار کی جاتی ہیں۔

(۳) آپ نے تمام روئے زمین، اور قوموں، اور حکومتوں کو یقین دلایا ہے اور سرکاری طور سے اعلان کیا ہے، کہ آپ کی حکومت دستوری، شرعی، نیابی ہو گئی ہے، جو ملک کے نمائندوں کے سامنے جواب دہ ہے، دستوری نیابی حکومتوں کی ابجد یہ ہے کہ پہلے نیابت کا نظامنامہ اور استحقاقیت ووٹ کے شرائط بنائے جائیں، پھر تمام ملک (حجاز) سے نمائندے منتخب کئے جائیں اور یہ انتخاب آزاد ہو، یعنی اس پر حکومت کا کوئی دباؤ نہ ہو، پھر یہ مجلس نمائندگان وزراء کو کثرت رائے سے منتخب کرے، اور مجلس وزراء ہر چیز کی

مجلس نمائندگان کے سامنے جواب دہ ہو، اور شرائط صلح اور اُن دفعات کا مقرر کرنا، یا اُس مجلس کی رضامندی یا اُس مجلس کی طرف سے اختیار دادہ اشخاص کا کام ہے، اور بادشاہ اُس کے ماننے پر مجبور ہے، تو اگر دوسرے فریق (یعنی سلطان نجد) اگر ہم سے یہ دریافت کرے کہ ہم ایسے لوگوں سے کیسے گفتگو کر سکتے ہیں جو حقیقۃً اور قانوناً ملک کے اصلی کارکن اور نمائندے نہیں ہیں اور جو قانوناً صلح کرنے، اور اس کے شرائط قبول کرنے یا رد کرنے کی کوئی قوت نہیں رکھتے، ایسی حالت میں ہم اُن کو کیا جواب دے سکتے ہیں، بنا بریں آپ کو اس سے چارہ نہیں کہ آپ پہلے مجلس نیابی بلانے سے مجلس وزراء ترتیب دیجیئے اور نیابی حکومتوں کے طریق پر چلیئے اور یا یہ کہ جو گرہ آپ نے باندھی ہے اس کو کھول ڈالئے اور جہاں سے چلے تھے اُلٹے پاؤں وہیں پھر جائیے، یعنی شخصی مطلق العنانی حکومت کا اعلان کر دیجیئے۔

(۴) پھر آپ نے ہمارے سامنے ایسی گھاٹیاں قائم کر دی ہیں جن کو طے نہیں کر سکتے ہیں، آپ کہتے ہیں کہ جب امیر نجد دو گزشتہ لفظوں کا جواب دیدے، جو پہلے خط میں آپ نے اس کو لکھے ہیں، اور حکومت حجاز اُن مراسلات پر مطلع ہو، اور حکومت حجاز کو اُن سے تسلی ہو جائے کہ امیر نجد اس دفعہ اپنی نیت و ارادہ میں سچا ہے تو ان چہار گانہ مشکلات کے حل کرنے کے بعد، ان چاروں منزلوں کے طے کرنے کے بعد ہمارے لئے" کافی فرصت" ہم کو ملے گی، کہ ہم ہر شئے سے واقف ہوں، اور ہر واقعہ کی تحقیق کریں، یا دونوں فریقوں کے ساتھ یا دو میں سے ایک کے ساتھ موافقت کریں، جس کی کہ

مصلحت مسلمانوں کے اور حرمین و اہل حرمین کے فائدہ کے لئے دیکھیں - گویا امیر نجد آپ کے شرائط کو تسلیم کر لے تب اس کے پاس جانے کی یا دونوں فریقوں یا دونوں میں سے ایک کے ساتھ مصالحت و موافقت کی اجازت حکومت حجاز دے گی، کیا یہ بات معقول ہے، علاوہ ازیں اگر امیر نجد ان تمام امور کو قبول بھی کر لے، لیکن حکومت حجاز کے ان جوابوں سے تسلی نہ ہو تو کیا ہماری یہ تمام کوشش دسعی نقش بر آب ثابت نہ ہوگی۔

(۵) آپ کا یہ کہنا کہ ہمارے معاملہ میں یہ احتیاط ہمارے معزز متوسلین سلطان کے ساتھ تہمت و بدگمانی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ ان مواقع و حالات مذکورہ کا کوئی علم نہیں آپ کو ان کے متعلق یقیناً واقفیت ہوگی۔

(۶) ہم نے بتصریح تمام آپ کو کہہ دیا ہے کہ ہمارے جانے کی غرض، اور سلطان سے ملاقات کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان کو دیکھ کر ان کو سمجھیں، اور اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جانچیں، اور مدعا علیہ کا جواب سنیں، اور جو دلائل ان کے پاس ہیں، اور جو ان کے دلی خیالات ہیں ان سے کما حقہ واقف ہوں جمعیت کی غرض و غایت اس بارے میں وفد بھیجنے سے یہی ہے، کہ وہ فریقین کے دلائل کو سنے، اور طرفین کے خیالات سے اس طرح واقف ہو، جو شک و شبہ سے بالکل محفوظ ہو، لیکن صرف ایک فریق کے بیانات کو سننا، اور دوسرے فریق کے بیانات کو نہ سننا اصلی غرض و غایت کو فوت کرتا ہے،

امیر موصوف سے ملکر ہم کو ان سوالات کا تحریری رسمی جواب بھی لینا ہے، جو ہم نے اُن سے پہلے دریافت کیئے تھے، اور اُن کو حجاز کے استقلال کو بھی بدلائل سمجھانا ہے، اور قوم حجاز کی آزادی منوانا ہے، اور مصالحت کی دعوت دینا ہے، اسلام کی رائے پر اترنے کی درخواست کرنا ہے، جیسا کہ خود حجاز کے حزب وطنی نے اپنے تار بنام جمعیت خلافت مورخہ ۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں عالم اسلامی کی رائے پر سر جھکانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

(۸) ہم آپ کو یہ یقین دلاتے ہیں، کہ اگر ہم نے بہ تحقیق وہاں جاکر یہ جان لیا کہ سلطان نے کوئی ایسا معاہدہ کیا ہے، جو اُن کے ملک کے استقلال وآزادی کے لیئے پیام موت ہو، اور یا یہ پایا کہ وہ اعدائے اسلام کی خواہشوں کی تقلید کر رہا ہے، اور وہ اُن کی خواہشوں کی پیروی کرنے والا پایا گیا تو اُن سے بھی کوئی تعلق نہ رکھیں گے۔

(۹) بنا بریں جیسا کہ حزب الوطنی حجاز نے، ہم سے اپنے تار بنام خلافت مورخہ ۵۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں خواہش کی ہے کہ ہم فریقین کے درمیان صلح کے لیئے وساطت کریں، اگر آپ نے بھی قبول کیا تو ہم فریقین کے درمیان صلح کی کوشش کریں اور دونوں کو متارکہ اور عارضی صلح کی دعوت دیں تاکہ بالفعل مشکلات کا حل ہو خونریزی موقوف ہو، اور شہر حرم کی تقدیس قائم ہو، اور اس عارضی صلح کی کوشش اس بنیاد پر ہو کہ سلطان قوم حجازی کی حکومت کے کامل استقلال کو تسلیم

کریں۔

یہ وہ خیالات ہیں، جو ملکِ حجاز، اور عام مسلمانوں کی بہتری و بہبودی کے جذبات نے دین و ملت، اور حق اور سچائی کی نصرت کے لئے ادا کئے ہیں، اور خدا سے پناہ مانگتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرنیوالا ہو، اور مسلمانوں کو جان بوجھ کر نقصان پہنچانے والی پالیسی اختیار کرنے والا ہو، یہ آخری الفاظ ہیں، جو ان دلوں سے نکلے ہیں، جو حجاز کی محبت کو اپنا دین سمجھتے ہیں، اور قوم حجاز کی آزادی اپنا فرض جانتے ہیں، اور یہاں کے باشندوں کی راحت و آسائش اپنی انتہائی تمنا رکھتے ہیں، اس کے بعد آپ کو فیصلہ کا اختیار ہے اور ذمہ داری تمام تر آپ پر ہے، آخر میں ہم پوری تصریح کے ساتھ کہنا چاہتے ہیں کہ حجاز الٰہی سلطنت ہے، اور ربّانی مملکت ہے، یہاں صرف خدا کی حکومت ہے، یہ سرزمین دشمنوں کی باہمی جنگ آزمائیوں، خونریزیوں، اور خواہشات نفسانی کی پیرویوں کے لائق نہیں، نجاستوں اور گندگیوں سے اُس کے پاک کرنے کے حقوق میں ہر کلمہ خواں برابر ہے، حرم کے حقوق میں جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے، حرم کے باشندے اور باہر کے رہنے والے سب برابر ہیں، یہ اسلام کا گہوارہ ہے، یہ ابراہیمؑ کی ہجرتگاہ ہے، یہ اسمٰعیلؑ کا نشو و نماگاہ ہے، محمدؐ کا مولد و مدفن ہے، صلوات اللّٰہ علیہم، اور مسلمانوں کا مرکز ہے، اُن کی نمازوں کا قبلہ ہے، اور اُن کی امیدوں کا کعبہ ہے اسی کی زندگی سے ہماری زندگی ہے، اور اُس کی موت سے ہماری موت ہے، یہ سرزمین

تخت و تاج کے بادشاہوں، اور لشکروں کے سپہ سالاروں، اور گولوں کے برسانے
کی جگہ، اور گھوڑوں کے روندنے کی جگہ نہیں، یہ تیغ و خنجر کی نمائش گاہ نہیں، یہ عبادت
گزاروں، اور سجدہ کرنے والوں کا مقام ہے، اور بس۔ الحمد للہ اولاً و آخراً۔

۱۲- جمادی الثانیہ سید سلیمان ندوی
۱۳۴۳ھ رئیس وفد خلافت ہند

اُس وقت کے حالات سے مسلمانوں کو آگاہی ہو گئی ہے پھر بھی یاد
تازہ کرنے کے واسطے سید سلیمان ندوی صاحب کا تار مرسلہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۵ء
کا دے دیا جاتا ہے۔

وفد خلافت کا تار، اور جمعیت عاملہ کا جواب

۱۴ جنوری کو سید سلیمان ندوی صاحب پریزیڈنٹ وفد حجاز نے جدہ
سے حسب ذیل تار ارسال فرمایا:-

"ہم نے ملک علی اور اس کے وزراء سے بہت سی صحبتوں میں تمام امور
پر مفصل گفتگو کی، اور ان کا آخری تحریری جواب حاصل کیا، ملک علی اور اُن کے
وزراء کا یہ خیال ہے کہ حجاز میں جمہوری حکومت ناممکن العمل اور عالمگیر موتمر
اسلامی کا انعقاد بے سود و ناقابل عمل ہے، یہ جماعت ایسی دستوری حکومت کے
قیام کی تجویز سے متفق ہے، جس کا موئد اعظم ملک ہو، جس کی شخصیت، ان کی رائے
میں ناگزیر ہے، ممکن ہے کہ مذہبی معاملات میں وہ اسلامی ممالک کے نمائندوں کو

بطور شیر تسلیم کرلیں، وہ خلافت کمیٹی سے سمجھوتہ کرنے پر آمادہ ہیں۔ جنگ کی وجہ سے مکہ کا راستہ بند ہے، مجھے سلطان ابن سعود کا جواب ملا ہے، جنہوں نے ہم کو گفت و شنید کے لئے دعوت دی ہے، لیکن ہمیں مکہ جانے کی اجازت نہیں تاوقتیکہ ابن سعود، اور ہم مقامی گورنمنٹ کے ذریعہ سے گفت و شنید کرنے کے بعد تحریری طور پر تسلیم نہ کرلیں کہ علی حجاز کا حقدار بادشاہ ہے، ہمیں بذریعہ تار ہدایات دیجئے۔"

ہندوستان کی خلافت کمیٹی نے وفد کو حسب ذیل جواب دیا:۔

"آپ کے تار کے جواب میں تاخیر ہوئی، اس لئے کہ اس معاملہ کے لئے ضروری تھا کہ تمام ملک کے نمائندے جو مجلس عاملہ کے ارکین ہیں، دہلی میں جمع ہوں، چنانچہ کمیٹی اس فیصلہ پر پہنچی ہے کہ وہ اس فیصلہ میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتی، کہ اسلامی ممالک کے آئندہ نظم و نسق کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کے متعلق دنیا کی موتمر اسلامی کا انعقاد ضروری ہے، تمام اسلامی قوموں کے نمائندوں کے ساتھ ان امور کے متعلق تبادلہ خیالات ضروری ہے کہ موجودہ ضروریات اور صورت حالات کی تحقیقات کی جائے، اور حال کی جنگ کے بعض واقعات کے متعلق جو باتیں مشہور کی جارہی ہیں، ان کی تحقیقات کی جائے، اماکن مقدسہ میں مزید خونریزی کو روکا جائے، اور مستقل طور پر امن کی صورت پیدا کی جائے، مگر یہ بات اس وقت تک ناممکن ہے، جب تک کہ وفد بغیر کسی تاخیر کے مکہ نہ جائے اور

ابن سعود سے بھی مشورہ نہ کرے، امیر علی کے اس فعل سے کہ اس نے وفد کو مکہ جانے سے روک دیا ہے، اور قبل از وقت متنازعہ فیہ مسائل کا ذکر چھیڑ دیا ہے ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے جس سے تصفیہ ناممکن ہے، کمیٹی امیر علی کے اس فعل پر افسوس کا اظہار کرتی ہے، جو شرائط پیش کی گئی ہیں وہ بالکل ناقابل عمل ہیں، ہم امید کرتے ہیں کہ امیر علی اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرے گا، اور ایک مناسب طرز عمل کے اختیار کرنے سے دنیائے اسلام کو مطمئن کر دے گا، اگر اس پر بھی وفد کو مکہ جانے سے روکا جائے تو مزید گفت و شنید کا سلسلہ بند کر دیجئے، اور نتیجہ سے بذریعہ تار اطلاع دیجئے۔

جس چیز کو حکومت حجاز اور اہل حجاز ناقابل عمل قرار دیتے تھے، یعنی "موتمر اسلام" اس کی ابتدا ہو گئی، جس ایک شخص کی ذات کو حجاز کی حکومت کے لئے لازمی قرار دیا جاتا تھا وہ آج حجاز سے دور غیر ممالک میں پناہ گزیں ہے اور اہل حجاز میں سے آج کوئی بھی اس شخص کی ذات کو حجاز کی حکومت کے لئے لازمی قرار نہیں دیتا۔

اِس انقلاب میں ہمارے لئے آج بھی کافی عبرت کا سامان ہے، اس لئے کہ آج بھی ایک جماعت موتمر اسلام کے انعقاد پر تلی ہوئی ہے، اور امیر علی کی طرح ایک اور شاہانہ ہستی کو حجاز کی حکومت کے لئے لازمی قرار دیتی ہے ہماری جمعیت ہمیشہ سے اس بات کی کوشاں رہی تھی کہ مسلمانان عالم میں

اتحاد باہمی سے قائم ہو، اور ہر ملک ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوسکے، عالم اسلام میں جو صاحب اہلیت اور کام کرنے والے نظر آئے ان کی ہم نے تائید اور امداد کی تاکہ وہ اسلام کو تقویت پہنچانے میں کامیاب ہوں جو امداد ہندوستان کے مسلمانوں نے مجاہدین اتراک کی کی وہ اسی بنا پر تھی، ترکی کے انقلاب کے بعد مصطفیٰ کمال پاشا اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ جنہوں نے نہایت قابلیت، جرأت، اور بہادری کے ساتھ ترکی اور اسلام کو یورپ کے خطرہ سے بچا یا تھا، ہم نے ہمدردی اور حتی الوسع مساعدت کی۔

ترکی کی الغائے خلافت کے بعد بھی ہم دل برداشتہ نہ ہوئے اور جزیرۃ العرب کے معاملات کو سلجھانے کے لئے ہماری نگاہیں ہر طرف دوڑتی تھیں کہ کوئی خادم اسلام ایسا نکلے جو ہماری آرزوں کو پورا کرے اور ہر خیال کے مسلمانوں کو اللہ کے ایک جھنڈے کے نیچے جمع کر دے۔

سلطان ابن سعود کے بارے میں مسلمانوں کے ابتدأ اچھے خیالات نہ تھے، اور یہ زیادہ اس وجہ سے تھے کہ نجدی قوم خلیفۃ المسلمین کے خلاف جنگ کرتی رہتی تھی، بخلاف ان کے ابن رشید والی حائل اور امام یمن کے ساتھ ہمدردی تھی کہ انہوں نے اسلام کی خاطر خلیفۃ المسلمین کا ساتھ دیا۔

جنگ عمومی میں جبکہ حجاز نے انگریزی وظیفہ قبول کر کے اتحادیوں کا ساتھ دیا، اور عربوں کو ان کے خلیفہ کے خلاف کھڑا کر کے ان کو بدنام کیا،

اور اپنے لئے خسر الدنیا و الآخرہ حاصل کیا تھا۔ اس وقت یہ بھی خبر ملی تھی کہ ابن سعود سلطان نجد کو بھی انگریزی خزانہ سے وظیفہ ملتا تھا، ایک کو برطانیہ کے دفتر خارجہ کی معرفت اور دوسرے کو حکومت ہند کے ذریعہ سے اگر اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ سلطان ابن سعود کو یہ وظیفہ اس وجہ سے دیا جاتا ہے، کہ ان کا منہ بند ہو، اور وہ اپنے قدیمی دشمن حجاز پر جنگ کے زمانہ میں حملہ نہ کریں، حکومت نجد نے ترکوں کے خلاف علانیہ کوئی حصہ نہ لیا اور بعد کی اطلاعات سے تو یہ معلوم کر کے کہ اس نے در پردہ خلیفۃ المسلمین کی امداد کی تھی، اور اپنی جنگ کو ان کے خلاف بند کر لیا تھا اس سے ایک گونہ ہمدردی مسلمانان ہندوستان کو ہو گئی تھی۔

وہ لوگ کہ جو شریف حسین اور اس کی اولاد کی حرکات سے نالاں و پریشان تھے، اور حجاز مقدس کو پُر امن و پُر سکون دیکھنا چاہتے تھے تاکہ ادائیگی فرائض حج کو مسلمانوں کے واسطے آسانی ہو، اور اصلاح کا سامان مہیا کر سکے، وہ یہ سنکر مسرور ہوئے تھے کہ نجد کا سلطان اپنی حفاظت، اور آزادی کے لئے ان سے جنگ کا سامان کر رہا تھا، اور دست بدعا تھے کہ کسی طرح حجاز سے یہ ننگ عرب خاندان دور ہو اس لئے جو واقعات اور انقلابات کہ حجاز میں رونما ہوئے، اس سے ان کو اطمینان ہوا، اور خاص کر ان وقیع، اور موثق وعدوں کی بنا پر جو سلطان ابن سعود نے جمعیۃ خلافت سے خاکر

اور عالم اسلام سے عموماً نہایت صاف اور مؤثق الفاظ میں کئے تھے۔

بدقسمتی سے ہندوستان میں ایک جماعت ایسی موجود تھی جن کو ان وعدوں پر بھروسہ نہ تھا، اور جو شدید مذہبی اعتقادات کی بنا پر اس کے خلاف تھی، اور یہ ان کا خیال تھا کہ ایک وہابی اور نجدی سے کسی قسم کی توقع رکھنا بالکل بیکار تھا، اس جماعت نے ہندوستان میں حزب الاحناف کے نام سے ایک تحریک شروع کی جس سے آپس میں اختلاف پڑھا، اور بعد کو وہ علانیہ امیر علی کے طرفدار بنکر گزشتہ آٹھ سال کے دردناک واقعات اور اشراف کے مظالم، اور بداعمالیوں کو مذہبی غلو کی وجہ سے بھول گئی۔

اس عرصہ میں جدہ اور مدینہ طیبہ کا محاصرہ شروع ہوگیا، اور دونوں جگہوں سے وہاں کے باشندوں کی تکالیف کے حال معلوم کرکے مسلمانوں کو رنج وصدمہ ہوا۔ اور سب کی دعا تھی کہ خدا جلد شریفوں کے خاندان کو حجاز مقدس سے دور کرے تاکہ جنگ کا خاتمہ ہو، اور اصلاح کا دور آئے، اور تمام دنیائے اسلام اپنی متفقہ کوششوں سے اس سرچشمہ کو خس وخاشاک اور برائی سے پاک کرے۔

مارچ ۱۹۲۵ء میں جبکہ مسلمان حج کے لئے پریشان تھے، یہ خبر ہندوستان میں پہنچی کہ سلطان ابن سعود اعلان کرتے ہیں کہ تین بندرگاہیں قنفذہ، لیث، اور رابغ ان کے قبضہ میں آگئیں اور یہ کہ وہ اس بات کی

ذمہ داری لیتے ہیں کہ ساحل پر اُترنے کے بعد حجاج کی جان و مال کی ہر طرح حفاظت کریں گے، اور ہر ضرورت کو مہیا کریں گے، اس خبر کو پاتے ہی جمعیت خلافت نے حج کے بارے میں کوشش شروع کردی، گورنمنٹ برطانیہ اور اس کے حکام نے لوگوں کو حج کو نہ جانے کا مشورہ دیا، ایک بڑی کش مکش کے بعد جس میں اسلامی اخبارات نے جمعیۃ خلافت کی پوری تائید کی، اور گورنمنٹ بھی مجبور ہو کر بظاہر مزاحم نہ رہی مگر درپردہ دشواریاں پیدا کرنے میں کوشاں تھی، تاکہ مسلمانوں اور ملک کے سامنے جمعیت خلافت بدنام ہو۔

ہم نے سلطان ابن سعود کے وعدوں پر اعتبار کرکے پوری کوشش کے ساتھ حجاج کو روانہ ہونے کا مشورہ دیا، جہازی کمپنیوں کو حاجی لیجانے کے لئے آمادہ کیا، اور سمندر پر حفاظت کی ذمہ داری گورنمنٹ برطانیہ، اور جہازی کمپنیوں کے ذمہ قرار دے کر خشکی کی حفاظت اور ذمہ داری جمعیت خلافت نے اپنے کندھوں پر لینی قبول کرلی، اور خدا کا شکر ہے کہ چونکہ جمعیت خلافت حق پر تھی، وہ باوجود حکومت اور اس کے عمال کی کوشش کے نیک نامی، اور مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرسکی۔

ہماری جماعت کی اس کوشش کی کامیابی کے باعث حجاز مقدس کے باشندوں کے لئے اناج لے جانے کا سامان ہوگیا، اور وہاں کے مستقل باشندوں نے بھوک کی تکالیف سے نجات پائی۔

حجاج کے ساتھ ہی ساتھ جمعیت خلافت نے اکثر صوبوں سے ایک ایک آدمی حجاج کی خدمت اور حجاز کے صحیح حالات معلوم کرنے کے واسطے اور منہدمہ مزارات اور مآثر کو دوبارہ بنوانے کے واسطے، اور آئندہ مدینہ منورہ کے مقامات مقدسہ کی حفاظت کے بارہ میں سلطان ابن سعود سے گفت وشنید کرنے کے بعد مضبوط وعدہ لینے کی نیت سے روانہ کیا، اور اس وفد کے صدر مولوی محمد شفیع داؤدی مقرر کئے گئے، ارکان مولوی قمر احمد صاحب، مولانا عرفان صاحب، شیخ عبدالمجید صاحب (سندھ) شیخ امین الدین صاحب (سندھ) اور حافظ عثمان صاحب تھے، جمعیت العلما کی طرف سے بھی مولانا عبدالحلیم صاحب صدیقی بھیجے گئے تھے، ان میں کچھ حضرات پہلے جہاز جہانگیر سے گئے، اور کچھ گرجستان سے، اور مولوی محمد شفیع صاحب اور باقی اکبر جہاز سے، جو واقعات پورٹ سوڈان اور رابغ میں ان حجاج کو پیش آئے، اُن کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

ہمارے ارکان وفد، اور تمام حجاج نے نہایت ہمت اور اسلامی شجاعت کا ثبوت دیا، اور دشمنان اسلام کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔

اس وفد نے یہی نہیں کہ حجاج کی امداد کی، حجاز مقدس کے رہنے والوں کے ساتھ ہمدردی کا ثبوت دیا اور ان کی ہمت بڑھائی، تمام گزشتہ واقعات کی تحقیقات کی، منہدمہ مآثر اور مزارات کو دیکھا، اور ان کی بابت صحیح رپورٹ

پیش کی بلکہ سب سے بڑا کام یہ کیا کہ سلطان ابن سعود کو مسلمانان ہند کے جذبات سے آگاہ کیا، اور ان سے زبانی اور تحریری نہایت پختہ وعدہ لیا کہ جو آثر و مساجد شہید کی گئی ہیں انہیں دوبارہ بنوا دیں گے، اور مکہ معظمہ کے مسمار شدہ آثر اور مبانی کو محفوظ رکھیں گے، اور ان کا احترام کریں گے، اور موتمر میں ان کے متعلق فیصلہ کیا جائے گا مگر مدینہ طیبہ کے آثر و مزارات کے متعلق یہ وعدہ کیا کہ موتمر کے فیصلہ کے قبل تمام چیزیں اصلی شکل پر قائم رکھی جائیں گی۔

ہماری حج کی کوشش کے متعلق طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا کرائی گئیں، مگر خدا کے فضل و کرم سے اس کوشش سے جمعیت خلافت کا اقتدار ہندوستان اور تمام دنیائے اسلام میں بہت زیادہ بڑھ گیا۔

اس عرصہ میں امیر علی کی حالت خراب و خستہ ہونے لگی تھی، کہیں سے امداد کی صورت نظر نہیں آتی تھی، برطانیہ نے حسب معمول شریفی خاندان کی امداد سے ہاتھ اب روک لیا، اور ان کو کمزور اور ناکارہ سمجھ کر ان کی طرف سے رخ پھیر کر حجاز کی دوسری بڑھتی ہوئی طاقت کی طرف رخ کیا۔ اس صورت میں ڈوبتا ہوا کیا نہیں کرتا اپنے ایک رکن حکومت طاہر الدباغ صاحب کو ہندوستان میں شورش پھیلانے کے لئے بھیجنا منظور کیا، ہندوستان میں ایک جماعت موجود تھی جو وہابی عقائد سے اس درجہ متنفر تھی کہ کسی حالت میں بھی ان کا قیام حجاز میں نہیں چاہتی تھی اس لئے طاہر الدباغ صاحب کو اپنے کام میں کچھ کامیابی ہوئی، ان کے ساتھ وہ لوگ

بھی شامل ہو سکتے جو ہمیشہ اپنی خود غرضانہ ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہر فتنہ وفساد کی تحریک میں حصہ لیتے ہیں، ان سب کے لئے حکومت ہند کی طرف سے بہت سی آسانیاں تھیں، وہ جانتے تھے کہ جمعیت خلافت جو حکومت سے ترک موالات پر مضبوطی سے قائم تھی، اس کی مخالفت میں حکومت اور حاشیہ نشینان حکومت ہر طرح سے امداد کریں گے، جمعیت خلافت کے خلاف حکومت ہند، اور ان حضرات نے بہت دن سے کوششیں جاری کر رکھی تھیں، اب طاہر الدباغ صاحب کے آنے سے اُن کو اور تقویت پہنچی۔

تیسرا وفد

صورت حالات یہ تھی، اور ابن سعود کی لڑائی آخری منزل قطع کر رہی تھی۔ کہ یکایک رلوٹر نے بیت المقدس کے حوالے سے ۲۲ اگست ۱۹۲۵ء کو لندن سے ایک تار بھیجا جس نے قدرتاً ہر ایک مسلمان کے قلب کو سخت صدمہ پہنچایا، اور دوسرے ممالک کے مسلمانوں کی طرح ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی ایک ہیجان پیدا کر دیا۔ تار کے الفاظ یہ تھے۔

" لندن ۲۲۔ اگست۔ بیت المقدس۔

موثق اطلاع ملی ہے کہ وہابیوں نے مدینہ پر حملہ شروع کر دیا ہے، دو دن ہوئے کہ گولہ باری بھی ہوئی جس سے بہت نقصان ہوا ہے، مسجد نبوی کے قبہ کو جس میں رسول اللہؐ کی قبر ہے، صدمہ پہنچا ہے، اور سیدنا حمزہؓ (رسول اللہؐ کے چچا) کی

مسجد شہید کر دی گئی ہے"۔

اس تکلیف دہ خبر کے شائع ہوتے ہی جمعیت خلافت نے صحیح واقعات دریافت کرنے کی غرض سے مختلف جگہ کئی تار بھیجے، ہمارے تاروں کے جو جواب آئے، اور خود ریوٹر کے بعد کے تاروں سے صاف ثابت تھا کہ پہلے تاریں مبالغہ اور غلط بیانی دونوں سے کام لیا گیا تھا، ان جوابی تاروں میں مسجد سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے انہدام اور روضۂ اطہر کے قبۂ مبارک پر گولہ باری کی خبروں کی تصدیق نہیں کی گئی، "تازہ ترین اطلاع یہ موصول ہوئی کہ قبۂ مبارک پر بندوق کی گولیوں کے نشان ہیں، ملک کے بعض اصحاب نے ریوٹر کے ابتدائی تار کو سچ مان کر بعد کی خبروں کو نا قابل اعتبار قرار دیا، نجدیوں کے گزشتہ صدی کے حرکات اور ان عقائد کی بنا پر جو عام طور پر اہل نجد سے منسوب کئے جاتے تھے، ان کو اہل نجد کے خلاف اس درجہ غلو تھا کہ وہ واقعہ دریافت کرنے کے لئے تحقیقات کو بھی قطعاً غیر ضروری سمجھتے تھے، برعکس اس کے خلافت کمیٹی ان اطلاعات کی بنا پر جو بعد میں موصول ہوئیں، مزید تحقیقات کو ضروری سمجھتی تھی نیز مدینہ منورہ کے مقابر و مآثر کو ہر قسم کے صدمہ سے محفوظ رکھنے کے لئے کسی احتیاط کو نظر انداز نہیں کرنا چاہتی تھی، دوسری طرف جوں جوں جنگ ختم کے قریب پہنچتی جاتی تھی، حجاز میں جمہوریت کے قیام اور موتمر کے انعقاد سے مسائل زیادہ اہمیت اختیار کرتے جاتے تھے، ان تمام پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے کمیٹی نے فیصلہ

کیا کہ حسب ذیل اصحاب کا ایک وفد بسرکردگی مولانا سید سلیمان ندوی حجاز بھیجا جائے

ممبران وفد

(۱) سید سلیمان ندوی (رئیس وفد)

(۲) مولانا محمد عرفان

(۳) مولانا ظفر علی خاں

(۴) سید خورشید حسین

(۵) مولانا عبد الماجد صاحب بدایونی

(۶) شعیب قریشی (رکن و سکریٹری)

رزولیوشن کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

حجاز کے مستقبل اور مجوزہ بین الاسلامی کانفرنس کے مسئلہ پر غور و فکر کی گئی طے پایا کہ جہاں تک ممکن ہو، مرکزی خلافت کمیٹی کی جانب سے ایک وفد حجاز بھیجا جائے جس کے ممبران کی تعداد زیادہ سے زیادہ (چھ) ہو، اور جو سلطان ابن سعود سے مل کر مجوزہ کانفرنس کے طلب اور انعقاد کے مہمات پر گفتگو کرے اور مستقبل حجاز کے متعلق خلافت کمیٹی ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو جس مسلک کا اعلان کر چکی ہے اس کے واسطے مقبولیت عام حاصل کرنے کے لئے سعی و کوشش کرے، نیز مظاہر و مشاہد کے باب میں بھی حسب مسلک مجلس مزید سعی و اہتمام جاری رکھے۔ اس وفد کو اختیار رہے گا کہ اگر ضرورت محسوس کرے تو مجوزہ کانفرنس کے انعقاد تک

یا کسی خاص وقت تک وہاں اپنے قیام کو طول دے، صدر صاحب کو اختیار دیا گیا کہ وہ خلافت کمیٹی کی تجاویز دسلک کے مطابق ایک مفصل یادداشت عربی میں مرتب کرکے رئیس وفد کے حوالہ کردیں۔"

بدقسمتی سے سید سلیمان ندوی صاحب (رئیس وفد، مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی، اور سید خورشید حسین صاحب ہمراہ نہ جاسکے، اور چونکہ ان امور کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے، جن کے واسطے وفد بھیجا جا رہا تھا، تاخیر نہایت مضر، اور خلاف مصلحت تھی، لہذا طے پایا کہ بقیہ تین ممبران ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو جہاز جہانگیر پر سوار ہوکر حجاز روانہ ہوجائیں اور کوشش کی کہ باقی ماندہ حضرات کسی دوسرے جہاز سے روانہ ہوکر شامل وفد ہوجائیں جو ہو نہ سکا۔

وفد نے کیا کیا؟

وفد ۱۸ نومبر کو بندرگاہ رابغ پہنچا۔ سلطان ابن سعود اور حجاز اور نجد کے مختلف طبقے کے اشخاص اور صاحب الرائے لوگوں سے ملا، اور مکہ، مدینہ، جدہ اور ان بلاد کے درمیان کے علاقہ کے حالات بچشم خود دیکھنے کے بعد ان وجوہات کی بنا پر جن کا ذکر وفد کی رپورٹ میں ہے، ۲۶ جنوری ۱۹۲۶ء کو جدہ سے روانہ ہوکر ۹ فروری کو واپس بمبئی آگیا۔ وفد کے ذمہ تین کام تھے:۔

(۱) مقابر و مشاہد کے باب میں حسب مسلک مجلس سعی و اہتمام۔

(۲) مستقبل حجاز کے متعلق خلافت کمیٹی ۵ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو جس مسلک کا

اعلان کر چکی ہے، اس کے واسطے مقبولیت عام حاصل کرنے کی سعی، اور کوشش۔

(۳) موتمر اسلامی کے طلب اور انعقاد کے مہمات پر گفتگو کرنا۔

اس کے ساتھ ساتھ مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر کے گنبد مبارک، اور مسجد سیدنا حمزہؓ وغیرہ کے متعلق جو اطلاعات آئی تھیں، ان کے متعلق تحقیقات۔

نمبر اول کے متعلق سلطان ابن سعود کی طرف سے نہ صرف یہ اطمینان دلایا گیا کہ مدینۂ منورہ کے مشاہد و مقابر ان صدمات سے محفوظ رہیں گے جو مکہ معظمہ کے مشاہد و مقابر کو پہنچے تھے بلکہ حافظ وہبہ نے ۲۶ر نومبر ۱۹۲۵ء کو سرکاری طور پر آکر وفد کو اطلاع دی، کہ مسجد پر قبلیس کی تعمیر ہو گئی ہے، مولد نبوی کی تعمیر کا کام دوسرے دن صبح سے شروع ہو جائے گا، اور دیگر مقامات کے تحفظ کے متعلق احکامات صادر ہو گئے ہیں جن پر وفد نے تمام ارکان کے دستخط سے ۴ر دسمبر ۱۹۲۵ء کو حسب ذیل تار بھیجا:۔

" ہم ۲۱ر نومبر کو مکہ پہنچے، اور سلطان سے ملاقات کی، ۲۶ کو مدینہ جا رہے ہیں، جہاں سے واپسی پر تمام معاملات پر گفتگو ہو گی، مسجد قبلیس کی تعمیر ہو گئی، مولد نبی کی تعمیر ہو رہی ہے، دوسرے مشاہد، مقابر، و آثر کے تحفظ کے لیے وسائل اختیار کئے جا رہے ہیں، مدینہ کے متبرک مقامات کے بارہ میں سلطان نے اپنے لڑکے کو جو وہاں کمانڈر ہیں، یہ حکم بھیجا ہے کہ ہماری ہدایت کے مطابق عمل کریں۔"

سلطان نے ایک خط اپنے لڑکے امیر محمد کے نام بھی لکھ کر بھیجا کہ مدینہ میں فوجوں کے داخلہ کے وقت مقابر ومشاہد کا پورا احترام کیا جائے، ان کو کسی قسم کا صدمہ نہ پہنچے، اور ان مقامات کے متعلق وفد خلافت کے مشورہ پر عمل کیا جائے، امیر محمد نے ان ہدایات کی پوری پابندی کی، اور مدینہ منورہ کی مساجد، آثار، مقابر، اور قبوں وغیرہ کو ہر قسم کے صدمہ سے محفوظ رکھا، اور مسلمانوں کے اطمینان کے لئے حسب ذیل تار کے ذریعہ دنیائے اسلام کو اس کی اطلاع بھی خود اپنے نام سے دی :-

"آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ مدینہ انتہائی امن وامان سے تسلیم ہوگیا، تمام مقامات مقدسہ محفوظ ہیں، اور ان کا احترام کیا جاتا ہے۔"

وفد خلافت نے جو اس وقت مدینہ میں مقیم تھا مسلمانان عالم کے ان جذبات کا احترام کرنے کے لئے جو مدینہ منورہ کے مقابر ومشاہد سے وابستہ تھے، سلطان کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا، اور درخواست کی کہ جب تک دنیائے اسلام حجاز کے مستقبل کا آخری فیصلہ نہ کرے، اور حجاز سلطان کے ہاتھ میں بطور امانت رہے، سلطان اسی قابل تعریف اصول پر کاربند رہیں گے، اس خط کا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے :-

"ہم کو، جو آپ کے دینی بھائی ہیں، آپ کو اس امر پر تہ دل سے مبارکباد دینے کی اجازت دیجئے کہ آپ نے مدینۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس طرح گویا حجاز کے بڑے حصہ کو دنیائے اسلام کے لئے ان لوگوں کے ہاتھ سے آزاد کرالیا جنہوں نے گزشتہ آٹھ سال میں اپنے مسلسل طرز

سے اپنے آپ کو اسلام کا دشمن ثابت کر دیا تھا، اور ارض مقدس کو تباہی کے دروازہ پر لا ڈالا تھا، ہم حضور والا کا اس امر کے لئے بھی شکریہ ادا کرتے ہیں، کہ آپ کے لائق فرزند اور ان کی ماتحت افواج نے حضور والا کی ان تمام ہدایات پر قابل تعریف طریقہ پر عمل کیا جو حضور والا نے مختلف مذاہب اسلامیہ کے ان جذبات کا احترام کرنے کے متعلق دی تھیں جو مدینہ منورہ کے بکثرت مذہبی اور تاریخی مقامات سے وابستہ ہیں، اور ہم کو یقین ہے کہ جب تک موتمر اسلامی جس کے انعقاد کے متعلق جناب والا نے کارروائی شروع کر دی ہے مستقبل حجاز کا جو دنیائے اسلام کا مرکز ہے، آخری فیصلہ نہ کر دے، وہ اسی قابل تعریف طریقہ پر عمل کرتے رہیں گے۔"

مدینہ جاتے ہوئے راتغ میں وفد کو دولت ایران کے قونصل متعینہ شام عین الملک سے، جو سرکاری حیثیت سے گنبد خضرا وغیرہ کے متعلق افواہوں کی تحقیق کے لئے آئے تھے، معلوم ہوا کہ سلطان ابن سعود نے سفیر ایران کے ذریعہ دولت ایران کو تحریری وعدہ دیا ہے کہ اگر مکہ معظمہ کے منہدم شدہ مقابر و مآثر کو کوئی تعمیر کرنا چاہے تو سلطان کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوگی، امسال موسم حج میں اس بیان کی نہایت معتبر ذرائع سے مزید تصدیق ہوئی، اس خط کی عکسی نقل حاصل کرنے کا انتظام کیا گیا ہے، اور امید ہے کہ بہت جلد ہم تک پہنچ جائے گی۔

خلافت کمیٹی کے اس مسلک کے متعلق جس کا اعلان کمیٹی نے ۵۔اکتوبر ۱۹۲۴ء کو حجاز کے مستقبل و طرز حکومت کے سلسلہ میں کیا تھا، اور جس کو

بلگام خلافت کانفرنس نے اسی سال دسمبر میں بالاتفاق قبول کیا تھا، وفد کچھ نہ کرسکا، اس مسلک کو قبول کرانے کی کوشش کرنا تو درکنار، وفد اس کو سلطان ابن سعود کے سامنے پیش بھی نہ کرسکا، اس واسطے کہ مولنا ظفر علیخاں صاحب نے جو بطور ممبر وفد کے اس مسلک کو قبولیت عام حاصل کرانے کی کوشش وسعی کرنے کا عہد کرکے گئے تھے، اس کو سلطان کے سامنے پیش کرنے سے بھی صاف انکار کردیا، اور نہ صرف یہ بلکہ ہندوستان کے ساحل کو چھوڑنے کے بعد سے ہی بذات خود اس مسلک کی مخالفت کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔

مولانا ظفر علیخاں صاحب نے کس کس طرح بلگام خلافت کانفرنس کی منظور کردہ پالیسی کی مخالفت کی اور اس کے پیش نہ کرنے کے لئے کیا کیا حیلہ جوئی کی، اس کی تفصیل وفد کی رپورٹ سے معلوم ہوسکتی ہے لیکن اس سلسلہ میں اس خط وکتابت کا تھوڑا سا اقتباس پیش کیا جاتا ہے، جو مولانا ظفر علیخاں صاحب اور شعیب قریشی صاحب کے درمیان قبل اعلان ملوکیت سلطان ابن سعود جدہ میں ہوئی تھی۔

اقتباس از خط مولنا ظفر علیخاں مورخہ یکم جنوری ۱۹۲۶ء جدہ

"جمعیت مرکزیہ خلافت کی ہدایات اور کاغذات سے جو ہمارے کام کا اساس ہیں، اور جنہیں میں نے بہ نظر غائر دیکھا ہے، یہی واضح ہوتا ہے کہ ہم اس خصوص میں یعنی مسئلہ مابہ البحث میں عظمت السلطان سے گفتگو کرنے کے مجاز نہیں ہیں، پٹنہ کی قرارداد متعلقہ وفد کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

"حجاز کے مستقبل اور مجوزہ موتمر اسلامی کے مسئلوں پر غور کیا گیا، اور فیصلہ کیا گیا کہ جمعیت مرکزیہ خلافت کی طرف سے جلد از جلد ایک وفد حجاز بھیجا جائے جو زیادہ سے زیادہ چھ ارکان پر مشتمل ہو، تاکہ سلطان ابن سعود کے ساتھ موتمر اسلامی کے انعقاد، اور اس انعقاد کے ابتدائی ضروری انتظامات کے متعلق استشارہ کرے، وفد کو اس بات کی بھی کوشش کرنی چاہئے کہ جمعیت مرکزیہ خلافت نے مستقبل حجاز کے متعلق ۵۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو جو حکمت عملی وضع کی تھی، اسے عالمگیر طور پر تسلیم کرالیا جائے، نیز حسب ضرورت جمعیت خلافت کے عام مسلک کی متابعت میں قبّوں، اور مقبروں کے تحفظ کی سعی کرنی چاہئے۔"

اس کے بعد قرارداد میں یہ مضمون درج ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو وفد تا قیام موتمر حجاز میں ٹھہر سکتا ہے، نیز بتایا گیا ہے، کہ جمعیت خلافت کے منصرم صدر (مولانا ابوالکلام آزاد) جمعیت کی قراردادوں، اور مسلک کے مطابق ایک مفصل یادداشت مرتب کریں، جو رئیس وفد کے حوالہ کی جائے، اسی قرارداد کے خط کشیدہ الفاظ جمہوریت کے باب میں گفتگو کی اساس بن سکتے ہیں، لیکن عظمت السلطان کے ساتھ نہیں بلکہ دنیائے اسلام کے وفود اور نمائندوں کے ساتھ۔"

"جمہوریت کے فوری قیام کی نسبت بھی میرے دل میں بعض شبہات بدستور باقی ہیں، اور میرے نزدیک مجلس خلافت اور مسلمانان ہند کے عزت وحرمت کا اقتضا یہ ہے کہ اس مسئلہ کو مزید غور وفکر کے لئے مجلس

خلافت کے روبرو پیش کیا جائے۔"
"گفتگو دربارۂ جمہوریت کو مزید استصواب اور مزید استشارہ کے لئے ملتوی کردیا جائے۔"

اقتباس از جواب شعیب قریشی صاحب

مورخہ ۲ر جنوری ۱۹۲۶ء جدہ

" رزولیوشن کے الفاظ نہ صرف ہم کو خلافت کمیٹی کے رزولیوشن (متعلق جمہوریت) کو پیش کرنے کی اجازت دیتے ہیں بلکہ حکم دیتے ہیں، رزولیوشن محکمانہ ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں۔" وفد کو چاہئے کہ قبولیت عام حاصل کرنے کی کوشش کرے۔۔۔ الخ" وہ دفعہ جس میں مفصل عربی یادداشت مرتب کرنے کا ذکر ہے، رزولیوشن کے منافی ہوسکتی ہے اور نہ ہے، خلافت کمیٹی کی پالیسی (حجاز میں جمہوری حکومت کے متعلق) کامل غور مسلمانوں کے مختلف الخیال طبقوں سے مشورہ اور مسئلہ کے ہر پہلو کو سوچنے کے بعد طے کی گئی تھی، بدیں وجہ اس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے، مرکزی خلافت کمیٹی کی پالیسی فرقہ وارانہ پالیسی نہیں، اور چونکہ اس کی بنیاد اصول پر ہے، لہذا سقوط مدینہ، ینبوع یا جدہ جیسے واقعات کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوسکتا، اس میں کوئی تغیر نہیں ہوسکتا، خلافت کمیٹی مٹ جائے گی، لیکن اس پالیسی کو نہ چھوڑیگی۔"

سلطان ابن سعود کی ملوکیت کے اعلان کے دیگر اسباب جو کچھ بھی ہوں، مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مولانا ظفر علی خاں صاحب کا یہ قابل افسوس رویہ بھی اس کا بہت بڑا باعث ہوا۔

غرض کہ ۸ رجنوری ۱۹۲۶ء کو جب کہ وفد خلافت جدہ ہی میں موجود تھا، سلطان ابن سعود نے یہ غلط عذر پیش کرکے، کہ دنیائے اسلام نے دو مہینہ تک ان کے دعوت موتمر کا کوئی جواب نہیں دیا اور اہل حجاز نے ان کو بادشاہِ حجاز ہونے پر مجبور کیا، اپنی بادشاہت حجاز کا اعلان کر دیا، اور اُن تمام عہدوں کی مسئولیت کا اعلان کر دیا، جو انہوں نے ریاض سے نکلتے وقت، اور مدینہ منورہ اور جدہ کے سقوط سے پیشتر مکہ میں بالتکرار وبالتصریح خلافت کمیٹی کو بالخصوص، اور دنیائے اسلام کو بالعموم دکے تھے۔

ان عذرات اور اس کے ساتھ اہل نجد کے فتنہ کے ڈر کی بے حقیقتی جس کا اضافہ سلطان نے ایک ہفتہ بعد کیا تیسرے وفد کی مجارٹی رپورٹ سے صاف ثابت ہے، جس کا اقتباس ہم ذیل میں درج کرتے ہیں، اور اپنے ذاتی تحقیقات اور مشاہدات کے بعد ہم اس کی پوری تصدیق کرتے ہیں:-

"اب رہا اعلان ملوکیت، اور اہل حجاز کا سلطان کو اس پر مجبور کرنے کا مسئلہ، تو ہم بکثرت اہل حجاز سے ملے، مکہ والوں سے ملے، اہل جدہ سے ملے، بدوؤں سے ملے، غرض کہ ہر طبقہ کے لوگوں سے ملے، اور اُن کے خیالات دریافت کئے، اور پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ نہ وہ خاندان شریف کی حکومت چاہتے ہیں، نہ سلطان ابن سعود کی، نہ صرف یہ کہنا ان پر اتہام ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بیرون حجاز کے مسلمانوں کو (جن کو سلطان نے اُن کی زبان سے اغیار واجانب کہا ہے) ہمارے سیاسی انتظام سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ اُن کی دلی خواہش ہے کہ دُنیائے اسلام ان کے

ملک کے نظم ونسق میں حصہ لے ، لیکن ہم نے محض اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اُن اشخاص سے جاکر ملے ، جن کی نسبت بیان کیا جاتا تھا کہ وہ اس تحریک میں پیش پیش تھے ، اور اُن سب نے بیان کیا کہ ان کو اس واقعہ کا زیادہ سے زیادہ ایک شب پہلے علم ہوا ، اور یہ کہ وہ اس فعل پر خوف سے مجبور ہوئے ، کہا جاتا ہے کہ ینبوع ، علاؔ ، تبوک ، اور جدہ میں بھی سب لوگوں نے برضا و رغبت اور بلا جبر و اکراہ ایسا کیا ، بلکہ اوروں کے ساتھ مل کر سلطان کو مجبور کرنے میں حصہ لیا ، اور واقعہ یہ ہے کہ جمعرات کے دن ان سب جگہ لاسلکی کے ذریعہ ہدایات بھیجی گئیں کہ وہ جمعہ کے دن بعد نماز بیعت کریں ، اور خود مسٹر فلبی کو اس امر کا جمعرات ہی کے دن علم تھا ، حقیقت یہ ہے کہ سلطان کے دل میں یہ بات پہلے ہی سے موجود تھی ، اور اگر اس کو مزید تقویت کی ضرورت تھی ، تو اُن کے شامی وزراء وغیرہ نے اس کو قوی کر دیا اور اگر اس کی ابتدا انہوں نے اس اعلان سے کی جو بیعت سے قبل "ام القریٰ" میں انہوں نے شائع کیا جس میں انہوں نے سوائے خلافت کمیٹی کے تمام دنیائے اسلام پر دو مہینہ تک ان کی دعوت موتمر کا جواب نہ دینے کا الزام لگایا ہے حالانکہ جیسا ہم لوگ اوپر لکھ چکے ہیں ، اول تو دعوت نامہ نامکمل تھا ، دوسرے دو مہینہ جواب آنے کے واسطے ہرگز کافی نہ تھے ، علاوہ بریں یہ وہ زمانہ تھا کہ جدال وقتال جاری تھی ، خود جنگ کا نتیجہ اگر غیر یقینی نہ تھا تو کم از کم اتنی جلد جنگ کے ختم ہو جانے کی کسی کو توقع نہ تھی تو پھر ایسی مدت تک جواب نہ آنے پر جو صرف مکتوب جانے اور آنے کے لیئے ہی کافی نہیں

عالم اسلام کو ملزم قرار دینا کہاں تک قرین انصاف ہے۔

"پھر بیعت کے بعد کے اعلانات کو لیجئے پہلے اعلان میں صرف یہ درج ہے کہ ہم کو حجازیوں نے ملوکیت پر مجبور کیا لیکن جب اس پر دنیائے اسلام کو اطمینان نہ ہوا، اور مختلف جگہ سے استفساری تار آئے تو دوسرا بیان نکلا کہ ایک طرف تو حجازیوں نے مجبور کیا دوسری طرف سلطان کے بیٹے فیصل نے اپنی فوج کے ساتھ فتنہ کی دھمکی دی اور کہا کہ اگر تم نے بادشاہت قبول نہ کی تو ہم تم کو خود غرض سمجھیں گے، اس دلیل کے انوکھے پن سے ہمیں سروکار نہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ نجدیوں میں سے خود شیخ عبداللہ بن بلیہد صاحب کو جو قاضی القضاۃ اور شیخ الاسلام ہیں اور مکہ میں موجود تھے، اس امر کا عین وقت بیعت تک کوئی علم نہ تھا، انہوں نے خود اس امر کو ہمارے سامنے تسلیم کیا، اور دوسری طرف امیر فیصل سے ہماری گفتگو ہوئی تو انہوں نے اپنے والد کے اعلان ملوکیت کی وجہ صرف اہل حجاز کا جبر بتایا۔ "ام القریٰ" کے اڈیٹر یوسف لیسین نے بھی جو سلطان کے کاتب سری ہیں، اور سلطان کی طرف سے تمام اعلانات لکھتے ہیں اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے اس غلطی کا اعتراف کیا جو سلطان نے اعلان ملوکیت کی وجہ سے کی ہے، اس کے بعد سلطان کا یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے کمیٹی خود اندازہ کر سکتی ہے"۔

لیکن جیسی کہ ان کے رویہ ماقبل کو پیش نظر رکھتے ہوئے توقع کی جا سکتی تھی، مولانا ظفر علی خاں صاحب نے اعلان ملوکیت کے بعد سلطان

کے فعل کے لئے عذرات تاویل و توجیہ پیش کرنے اور ملوکیت کی کھلم کھلا حمایت کرنی شروع کر دی چنانچہ اپنی رپورٹ میں سفارش کی۔

"میری رائے میں کم از کم بحالات موجودہ حجاز کے اندر اچھے انتظام کی یہ واحد صورت تھی" جس حد تک بیعت کا تعلق ہے میں بوثوق کہہ سکتا ہوں کہ اس میں کوئی جبر کا استعمال نہیں ہوا، اس لئے کہ جو لوگ ذی رائے کہلانے کے مستحق ہیں وہ پہلے ہی اس طرف مائل تھے" مجھے یقین ہے کہ اس کی (سلطان کی) ذات عرب کے لئے علی العموم، اور حجاز کے لئے علی الخصوص نہایت عظیم الشان اور نادیدہ برکات کا سرچشمہ بنے گی، انشاء اللہ العزیز" میری رائے میں اصلاح احوال عرب و حجاز کا اقتضا یہ ہے کہ موجودہ صورت انتظام کو قبول کر لیا جائے۔

برعکس اس کے مجارٹی رپورٹ میں یہ سفارش کی گئی۔

"ہماری رائے میں اصولاً، اخلاقاً، قانوناً، اعلیٰ اسلامی مفاد کے حق میں عرب قومیت کے مستقبل اور آزادی عرب کے لحاظ سے ہم کو اس فعل پر اظہار ناراضی کرنا ہے، اگر ہم عرب میں امن و امان چاہتے ہیں تو حجاز کو شخصی آرزوؤں کے دائرہ سے باہر رکھنا چاہئے، حکومت جمہوری کے علاوہ مسئلہ حجاز کا اگر کوئی اور حل کیا گیا تو وہ عرب میں فتنہ و فساد کے دروازے کھولدیگا اور اس طرح اغیار کو وہاں اثر قائم کرنے کا موقع دے گا، حجاز میں جمہوریت نہ صرف عین قرین مصلحت اور اعلیٰ مقاصد اسلامی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ضروری بلکہ عملاً ممکن بھی ہے اور انتظام حجاز کے لئے روشن خیال، ایماندار

ذی اثر، وطن اور اسلام سے محبت کرنے والے، لالچ اور ذاتی اغراض سے بالاتر حجازی یقیناً کم از کم اس تعداد میں ضرور مل سکتے ہیں جتنے سلطان ابن سعود کو نجد اور حجاز دونوں کے انتظام کے لئے نجد سے مل سکے، حجاز کی آمدنی کثیر نہیں لیکن صرف محصول درآمد و برآمد ہی سے چھ لاکھ پونڈ سالانہ وصول ہوتا ہے، حجاج سے مختلف ٹیکس کے ذریعہ جو روپیہ وصول ہوتا ہے وہ اس کے علاوہ ہے اور یہ کثرت حجاج کے ساتھ برابر بڑھ سکتا ہے، اس کے علاوہ زکوٰۃ کی مد بھی ہے جو آج سلطان ابن سعود بھی حاصل کر رہے ہیں، نجد کے اس فوج کا خرچ جو سلطان نے حجاز میں مستقلاً لا کر رکھی ہے، اور انتظام حجاز کا خرچ آج بھی حجاز ہی پر پڑ رہا ہے صرف یہی نہیں بلکہ بعض مصارف جو خاص نجد سے تعلق رکھتے ہیں وہ بھی حجاز ہی نے ادا کئے، اس کے علاوہ ان کثیر اوقاف کی کثیر آمدنی ہے، جو دنیائے اسلام کے مختلف حصوں میں حجاز کے لئے ہیں، یہ سب مل کر ہماری رائے میں حجاز کے اخراجات کے لئے کافی ہونے چاہئیں اس پر بھی اگر مزید تجربہ کے بعد تھوڑی سی بہت امداد کی ضرورت پڑے تو دنیائے اسلام بخوشی دینے کے لئے تیار رہوگی۔

"ہم ہرگز نہیں کہتے کہ سلطان ابن سعود انگریزوں کے ہاتھ بک گئے ہیں لیکن ان پر انگریزی اثر ضرور ہے۔ لہٰذا سیاسی مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے احتیاط شرط ہے ورنہ حجاز اور نجد میں اجاروں کے حصول کی کوشش اب بھی جاری ہے، اور اگر ذمہ داری کا پورا احساس اور بروقت کام نہ کیا گیا تو اس کے نتائج کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا، سب سے اہم چیز

یہ ہے کہ سلطان عبدالعزیز کی ساری جماعت میں ان کے بعد کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اپنے ملک نجد کی حفاظت اور تنظیم کر سکے، چہ جائیکہ وہ حجاز میں قیام حکومت کا ذمہ دار ہو، اگر خدانخواستہ سلطان عبدالعزیز دنیا سے رخصت ہو جائیں تو ان کے نیرہ لڑکوں اور بھائیوں میں حجاز تقسیم ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، اور دوسرے امرا کی طرح ان میں سے بھی ہر ایک انگریزوں کا غلام ہوگا، اس لئے ضرورت ہے کہ حجاز کی موجودہ حکومت کی طرف پوری طور پر توجہ کر کے آئندہ کے تمام خطرات کا انسداد کر دیا جائے۔

"اگر مذہبی رواداری کوئی چیز ہے تو اس لحاظ سے بھی یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حجاز پر کسی ایک فرقہ کو مسلط نہ کیا جائے اور خاصکر ایسے فرقہ کو جو اپنے عقائد میں انتہا درجہ کا غلو رکھتا ہو، غرضکہ ہر پہلو سے ہم یہی مشورہ دیں گے، کہ خلافت کمیٹی مستقبل حکومت حجاز کے متعلق اپنے فیصلہ پر بدستور قائم رہے کہ وہی بہترین چیز ہے۔"

دونوں رپورٹوں پر غور کرنے کے بعد مرکزی خلافت کمیٹی نے اپنے اجلاس منعقدہ مارچ ۱۹۲۶ء میں حسب ذیل رزولیوشن پاس کیا۔

"مرکزی خلافت کمیٹی افسوس کے ساتھ اس طرز عمل سے اپنا اختلاف ظاہر کرتی ہے، جو حکومت حجاز کی تعین و اعلان کے لئے اختیار کیا گیا ہے، کمیٹی کے نزدیک اس کا صحیح طریقہ وہی تھا جو خود سلطان موصوف نے اپنے بار بار کے اعلانات میں ظاہر کیا تھا، یعنی مجوزہ اسلامی موتمر منعقد ہوا، اور وہ اہالی حجاز کے مشورہ کے بعد حکومت حجاز کا فیصلہ کرے، مرکزی کمیٹی ان عظیم الشان

اسلامی مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے جن کا حصول سرزمین حجاز اور عالم اسلامی کی وابستگی پر موقوف ہے، سلطان موصوف کو ان کے اعلانات پر از سر نو توجہ دلاتی ہے، اور امید کرتی ہے کہ وہ مجوزہ و موعودہ موتمر کو جلد از جلد طلب فرمائیں گے، اور عالم اسلامی کی ان امیدوں کی کامیابی کا ذریعہ ہونگے جو آج اُن کی ذات سے وابستہ ہیں۔

(۳) اسی سلسلہ میں مرکزی کمیٹی یہ بات بھی ظاہر کر دینا چاہتی ہے کہ وہ اپنے اس مسلک پر بدستور قائم ہے، جس کا اظہار مجلس عاملہ کی تجویز ۵۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء مصدقہ خلافت کانفرنس بلگام میں کر چکی ہے، کمیٹی کے نزدیک سرزمین حجاز کے امن و نظام اور عالم اسلامی مفاد و مصالح کے لئے ضروری ہے کہ آئندہ حجاز میں جو حکومت بھی قایم ہو، وہ عالم اسلامی کی رائے عامہ کے مطابق ہو، اور ملوک و سلاطین کی شخصی مستبدانہ حکومت کی جگہ خلافت راشدہ اسلامیہ کے نمونہ پر ہو، جس میں کسی خاص خاندان یا نسل کی جگہ اہل حل و عقد کے انتخاب پر امیر کے نصب و عزل کا دارو مدار ہوتا ہے، خلافت کمیٹی نے اپنی تجویز مذکورہ صدر میں اسی لئے جمہوریت کا لفظ استعمال کیا تھا کیونکہ اس مقصد کے اظہار کے لئے موجودہ زمانہ کی بول چال میں یہی لفظ اقرب ہے۔

انعقاد موتمر کی تاریخ کا تعین

بین الاسلامی کانفرنس کے مسئلہ کی عملی طور پر ابتدا اس تار سے ہوتی ہے، جو مرکزی خلافت کمیٹی نے ۷۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو سلطان ابن سعود اور امیر علی کی جنگ کے سلسلہ میں متحاربین کے نام روانہ کیا تھا، اس میں

لکھا تھا کہ

"ہندوستانی مسلمانوں کی یہ رائے ہے کہ مذکورہ بالا اصول پر اس وقت ارکین حجاز کی ایک عارضی جمہوری حکومت قائم کی جائے (یعنی حجاز پر جو تمام دنیائے اسلام کا مرجع ہے، کوئی بادشاہ یا سلطان حکمرانی نہیں کرسکتا، بلکہ وہاں ایک دستوراطی ریپبلکن حکومت ہونی چاہیئے، جو غیر مسلموں کے اثر سے بالکل پاک ہو، اور مستقبل حکومت کا مسئلہ موتمر اسلامی کے فیصلہ پر چھوڑ دیا جائے۔

اس میں موتمر کے انعقاد اور اس کے غایت و غرض دونوں کا بالتصریح تذکرہ کر دیا گیا ہے، اس کے جواب میں جو تار سلطان نے ۲۴ر اکتوبر کو براہِ بحرین بھیجا، اس میں خلافت کمیٹی کے اصول متعلق طرز حکومت حجاز کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے تجویز انعقاد موتمر، اور اس کی غرض و غایت سے ان الفاظ میں اتفاق کیا کہ "آخری فیصلہ دنیائے اسلام کے اختیار میں ہے"۔

اگلے مہینہ سلطان نے اپنی اس تقریر میں جو انہوں نے ریاض سے مکہ چلتے وقت کی تھی، اور جس کا خلاصہ عبداللہ بن بلیہد صاحب نے بذریعہ تار ۲۲۔ نومبر ۱۹۲۴ء کو کمیٹی کے نام بغرض اطلاع عام بھیجا تھا، اس امر کو اور واضح کر دیا تھا۔ تار کے الفاظ حسب ذیل تھے:۔

"آج کے بعد سے مکہ میں بجز شریعت کے اور کوئی سلطان نہ ہوگا، سب کی گردنیں اس کے سامنے جھکیں گی، چونکہ اس مسئلہ سے جملہ مسلمانان عالم کا تعلق ہے، اس لئے وہاں کی پالیسی دنیائے اسلام کی مرضی کے مطابق

ہو گی، ہم جملہ عالم اسلام کے نمائندگان کی ایک کانفرنس مکہ میں منعقد کریں گے اور ہر اس مسئلہ پر رائے دی جائے گی جس سے بیت اللہ شریف گناہوں اور ذاتی اغراض سے پاک رہے اور حجاج کو حرمین شریفین کے سفر میں امن و عافیت نصیب ہو۔

چنانچہ اسی غرض سے سلطان نے خلافت کمیٹی کے نمائندوں کو بذریعہ تار مرسلہ ۱۳ر نومبر ۱۹۲۴ء مکہ آنے کی دعوت دی اور کمیٹی سے درخواست کی کہ وہ ان کی طرف سے دوسرے ملحقہ اسلامی ممالک کو بھی دعوت پہنچائے۔

مکہ پہنچنے کے بعد سلطان نے موتمر اسلامی کی دعوت دی جو دسمبر میں ہندوستان پہنچی، اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

دعوة ابن سعود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلطنة النجدية وملحقاتها عدد ۲۲۶

مكه المكرمة ۸ ربيع الآخر سنه ۱۳۴۴ من عبد العزيز بن عبد الرحمٰن آل فيصل آل السعود الى حضرة صاحب الدولة۔

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته وبعد فانى ارجو لكم دوام الصحة والعافية وانى لسعيد ان امد يدى ليدكم ولكل يد عاملة لخير الاسلام والمسلمين وانى مملوء ثقة انه تبعاوننا على الخير سيكون المستقبل السعيد لجميع الشعوب الاسلامية۔

يا صاحب الدولة! انى لست من المحبين للحروب و

شرورها وليس لدى احب من السلم والسكون والصفاء والهنا والتفرغ للاصلاح ولكن جيراننا الاشراف اجبروني على امتشاق الحسام وخوض غمرات الحروب خمس عشر سنة لا في سبيل شئ سوى الطمع على ما بايدينا لقد صدوا عن سبيل الله والمسجد الحرام الذى جعله الله للناس سواء العاكف فيه والباد وسواء البيت الطاهر بكل الموبقات مما لا يتحمله مسلم -

لقد رفعنا علم الجهاد لتطهير بلاد الله الحرام وسائر بلاد الله المقدسة من هذه العائلة التى لم تترك سبيلا لحسن التفاهم وحسن النية بما اقترفت من الشرور والآثام وانى والذى نفسى بيده لم اسر د التسلط على الحجاز ولا تملكه وانما الحجاز وديعة فى يدى الى الوقت الذى يختار الحجازيون فيه لبلادهم واليا منهم يكون خاضعا للعالم الاسلامى وتحت اشراف الامم الاسلامية والشعوب التى ابدت غيرة نذكرها كالهنود -

ان الخطة التى عاهدنا عليها العالم الاسلامى والتى لم نزل نحارب من اجلها مجملة فيما يلى -

(١) الحجاز للحجازيين من جهة الحكم وللعالم الاسلامى من جهة الحقوق المقدسة التى له فى هذه البلاد -

(٢) سنجرى الاستفتاء التام باختيار حاكم الحجاز تحت اشراف مندوبى العالم الاسلامى وبعد الوقت اللازم لذلك

في ما بعد وسنسلم الوديعة التي بايدينا لهذا الحاكم على الاسس الاتيه -

١- يجب ان يكون السلطان الاول والمرجع للناس كافة هو الشريعة الاسلامية المطهرة -

٢- حكومة الحجاز يجب ان تكون مستقله في داخليتها ولكن لا يصح ان تعلن الحرب على احد و يجب ان يوضع لها النظام الذى يمكنها من ذلك اذا ارادت -

٣- لا تعقد حكومة الحجاز اتفاقات سياسيه اى دولة كانت

٤- لا تعقد حكومة الحجاز اتفاقات اقتصاديه مع دولة غير اسلامية -

٥- تحديد الحدود الحجازية ووضع النظم المالية والقضائية والادارية للحجاز موكول للهند وبين المختارين من الامم الاسلامية وسيحدد عددهم باعتبارهم المركز الذى تشغله كل دولة في العالم الاسلامى والعربي وسينضم هؤلاء ثلاثه منه وبين من جمعية الخلافة وجماعة اهل حديث وجمعية العلماء في الهند -

هذا ما نويناه لهذه البلاد المقدسة وما سنسير عليه في المستقبل انشاء الله ولنا الامل العظيم في ان تسرعوا في ارسال مندوبكم واخبارنا عن الوقت المناسب لعقد المؤتمر - هذا ما لزم بيانه وفى الختام تقبلوا ما يليق بمقامكم من الاحترام الختم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلطنۃ النجدیہ و ملحقاتہا عدد ۴۲۲

منجانب عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل فیصل آل السعود

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں آپ حضرات کی دوامی صحت و عافیت کی امید کرتا ہوں، میں اس میں سعادت سمجھتا ہوں کہ آپ کے اور اسلام اور مسلمانوں کے ہر خیرخواہ اور خیر طلب کے ہاتھ کی طرف ہاتھ بڑھاؤں۔

مجھے پورا یقین ہے کہ ہمارے باہمی (اتفاق) و تعاون سے تمام اقوام اسلامیہ کا مستقبل شاندار ہو جائے گا۔

اے عزت مند و باحمیت بھائی! میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو لڑائی اور فتنہ وفساد کو دوست رکھتے ہیں، میرے نزدیک صلح اور امن اور باہمی محبت اور اقتصادی ترقی اور فارغ البالی سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں کہ اس میں اندرونی اصلاح کا پورا پورا موقع میسر ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے پڑوسیوں یعنی شرفاء (مکہ) نے ہمیں پندرہ سال تک نیام سے تلوار نکالے رہنے، اور جنگ کے مصائب میں مبتلا رہنے پر مجبور رکھا، شریفوں کا اصل جنگ سے سوائے اس کے کوئی مقصد نہ تھا کہ ہمارے ملک و مال پر قبضہ کرلیں اور ہم کو خدا کی عبادت اور مسجد حرام سے جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانان عالم کو برابر درجہ کا حقدار قرار دیا ہے، روک دیں، انہوں نے مقدس بیت الحرام کو اس قسم کی بداعمالیوں کی گندگی سے ملوث کیا کہ ایک مسلمان اسکی

برداشت نہیں کرسکتا۔

آخر ہم نے خدا کے پاک شہر مکہ معظمہ اور باقی بلاد مقدسہ کی تطہیر اور اس خاندان کے افراد سے نجات دلانے کے لئے علم جہاد بلند کیا کیونکہ شریفی خاندان کے افراد کے گزشتہ کارناموں اور سیاہ کاریوں کو دیکھتے ہوئے ان سے مفاہمت اور نیک نیتی کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔

اور میں اس خدائے برتر کی قسم کھا کر جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، کہتا ہوں کہ میرا مقصد حجاز پر تسلط یا حکومت کرنا نہیں ہے، حجاز میرے ہاتھ میں اس وقت تک امانت ہے، جب تک کہ اہل حجاز خود اپنے میں سے ایسے حاکم کا انتخاب نہ کرلیں جو عالم اسلامی کی بات ماننے والا اور ان اقوام اسلامیہ اور طبقات ملیہ کے زیر نگرانی رہے، جنہوں نے اپنی غیرت ملیہ اور حمیت دینیہ کا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے مثلاً ہندوستانی مسلمان نہ ہمارا وہ مطمح نظر جس کا عالم اسلامی سے ہم نے وعدہ کیا ہے اور جس کے لئے ہم شمشیر بکف رہیں گے، مجملاً حسب ذیل ہے:-

(۱) حجاز کی حکومت تو حجازیوں کا حق ہے، لیکن عالم اسلامی کے جو حقوق کہ حجاز سے متعلق ہیں، ان کے لحاظ سے حجاز تمام عالم اسلامی کا ہے۔

(۲) ہم ایک استفتاء عام عنقریب جاری کریں گے جس میں حاکم حجاز کے انتخاب اور عالم اسلامی کی نگرانی کے متعلق استفسار ہوگا، اس کے لئے وقت کی تعیین بعد میں کی جائے گی، اور پھر ہم اس امانت (حجاز) کو ان اصول کے ماتحت اس حاکم کے سپرد کردیں گے۔

دفعہ ۱۔ ضروری ہوگا کہ اساس حکومت شریعتِ نبویہ مطہرہ پر قائم کیا جائے۔

دفعہ ۲۔ حکومت حجاز داخلی امور میں مستقل ہوگی، لیکن اسے یہ اختیار نہ ہوگا کہ کسی کے ساتھ جنگ کا اعلان کرے، اور ضروری ہے کہ ایک ایسا نظام مقرر کر دیا جائے کہ اگر حکومت حجاز اعلان جنگ کرنا بھی چاہے تو یہ نظام اس کو روک سکے۔

دفعہ ۳۔ حکومت حجاز کسی حکومت کے ساتھ سیاسی معاہدہ نہ کر سکے گی۔

دفعہ ۴۔ حکومت حجاز غیر مسلم حکومت کے ساتھ اقتصادی معاہدہ نہیں کر سکتی۔

دفعہ ۵۔ حجاز کی حدود کا تعیین اور مالی عدالتی نظام کا بنانا، ان نمائندوں کے سپرد ہوگا، جو عالم اسلامی سے اسی کام کے لئے منتخب ہو کر آئیں گے، ہر ملک کے نمائندوں کی تعداد حکومت کے احاطۂ اقتدار کے لحاظ سے معین کی جائے گی، جو اس کو عالم اسلامی اور عربستان میں حاصل ہے، ان نمائندوں کے ساتھ تین نمائندے جمعیتہ مرکزیہ خلافت ہند اور جماعت اہل حدیث اور جمعیتہ علماء ہند کے بھی شامل ہوں گے۔

بلاد مقدسہ حجاز کے متعلق ہمارا ارادہ یہ ہے، اور اسی پر انشاء اللہ تعالیٰ ہم مستقبل میں عمل کریں گے۔

ہم کو قوی امید ہے کہ آپ اپنے مندوب بھیجنے میں جلدی کریں گے اور نیز یہ بھی بتائیں گے کہ اس موتمر عالم اسلامی کے انعقاد کے لئے مناسب وقت کونسا

ہوگا، قابل بیان یہ باتیں تھیں اور آخر میں آپ ہماری جانب سے تحیۃ اور احترام قبول فرمائیں ۔

(مہر سلطان) عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن

اس میں دو نقص تھے، ایک تو تمام ممالک اسلامی کو مدعو نہیں کیا گیا، مثلاً ترکی جیسی اہم حکومت کو دعوت نہیں دی گئی، دوسرے یہ کہ ان شرائط کے ذریعہ جن کی تصریح دعوت نامہ میں ہے بعض نہایت اہم امور میں موتمر کے اختیارات کو محدود کرنے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن اعلان ملوکیت کے بعد سلطان کی باتوں سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے انعقاد موتمر کے خیال کو ترک کر دیا ہے،

چنانچہ جس وقت وفد نے ان سے جدہ میں ملاقات کے دوران میں انعقاد موتمر کے مسئلہ کا ذکر کیا تو صاحب ممدوح نے اس کو یہ کہکر ٹالنا چاہا کہ جب عالم اسلامی جمع ہوجائے گی، اور مولانا عرفان صاحب اور شعیب قریشی صاحب کے اصرار کے بعد خلافت کمیٹی کی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ حج کے موقعہ پر موتمر منعقد ہو لیکن اس کے ساتھ صاف فرما دیا کہ جہاں تک حجاز کے سیاسی انتظامات کا تعلق ہے حجازیوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ عالم اسلام ہمارے سیاسی معاملات میں مداخلت کرے، اور اسی سلسلہ میں حجازیوں کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے، "مایصیر ابداً امایصیر الی آخر درجہ مایصیر"

لیکن چونکہ کوئی جزو چاہے وہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو۔ اس کا مجاز نہیں ہے کہ کل کے اختیارات محدود کرسکے، وفد نے مجوزہ موتمر اسلامی کے اختیارات پر مصلحتاً بحث نہیں کی، اور اس مسئلہ کو ممبران مجوزہ موتمر پر چھوڑ دیا

موتمر اسلامی

مارچ سنہ ۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود نے موتمر اسلامی کے لئے نیا دعوت نامہ بھیجا، اور یہ خلافت کمیٹی کے وفد کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اس مرتبہ حکومت ترکی کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔

دعوت نامہ میں تبدیلی

لیکن تازہ دعوت نامہ کی عبارت پچھلے دعوت نامہ سے بھی زیادہ ناقص تھی، الفاظ سے ظاہر تھا کہ سلطان نہیں چاہتے تھے کہ تشکیل حکومت حجاز کا مسئلہ موتمر کے سامنے آئے، موتمر کے اغراض ومقاصد میں صرف حرمین شریفین، اور ان کے ساکنین کی خدمت اور حرمین کی مستقبل کے خطرات سے حفاظت، اور حجاج وزائرین کے لئے وسائل راحت وآسائش کی کثرت اور ہر ایک ذریعہ سے بلاد مقدسہ کے ان حالات کی اصلاح تھی، جو سب مسلمانوں کیلئے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہوں، دعوت نامہ کے الفاظ حسب ذیل تھے:-

صاحب السیادہ رئیس جمعیۃ الخلافۃ بمبئی

خدمۃ للحرمین الشریفین واہلہما وتامینا لمستقبلہما و توفیراً لوسائل الراحۃ للحجاج والزوار واصلاحًا لحال البلاد المقدسہ من سائر الوجوہ التی تھم المسلمین جمیعا ووفاءً بوعدنا وعہودنا التی قطعنا ہا علی انفسنا ومیلا منا الی تکاتف المسلمین وتوادہم فی خدمۃ ہذہ الدیار الطاہرۃ وانّا الوقت المناسب لانعقاد الموتمر العام یمثل البلاد الاسلامیہ والشعوب الاسلامیۃ یکون

فی عشرین ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۴ وقد ارسلنا الدعوۃ لکل من
یھمۃ امر الحرمین من المسلمین وملوکھم واملی ان مندوبی
جلالتکم یکونون حاضرین فی التاریخ المحدود واللہ یتولانا جمیعًا
بعنایتہ -

ملک الحجاز وسلطان نجد   عبد العزیز

صاحب السیادۃ رئیس جمعیت الخلافت بمبئی

حرمین شریفین اور ان کے ساکنین کی خدمت اور حرمین کی مستقبل کے خطرات سے حفاظت اور حجاج وزائرین کے لئے وسائل راحت و آسائش کی کثرت اور ہر ایک ذریعے سے بلاد مقدسہ کے ان حالات کی اصلاح جو سب مسلمانوں کے لئے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں اور اپنے وعدوں اور ان عہود کو جو ہم نے اپنے اوپر لازم کر لئے تھے، پورا کرنے، اور ان دیار طاہرہ کی خدمت گزاری میں تمام مسلمانوں کی شرکت اور باہمی معاونت ومحبت کی خواہش رکھنے کی بنا پر ہم نے خیال کیا کہ موتمر عالم اسلامی کے انعقاد کیلئے جو تمام بلاد اسلامیہ اور شعوب اسلامیہ کی نمائندہ ہو، یہ وقت مناسب ہے چنانچہ ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ کو یہ موتمر منعقد ہوگی، ہم نے تمام ان مسلمانوں کو جن کو حرمین کے امور کے ساتھ تعلق ہے، اور ملوک اسلام کو دعوت بھیجدی ہے، ہمیں امید ہے کہ آپ کے نمائندے تاریخ مقررہ پر موتمر میں موجود ہوں گے، خدا ہم سب کا اپنی مہربانی سے کارساز رہے۔

ملک الحجاز وسلطان نجد   عبد العزیز

موتمر کے اغراض ومقاصد اور اس کے اختیارات کو صاف کرنے کیلئے
جمعیت العلماء ہند نے سلطان کو تار بھیجکر دریافت کیا کہ موتمر تشکیل حکومت
حجاز کے مسئلہ پر بھی غور کرے گی یا نہیں، جمعیت علماء کے تار کے الفاظ
حسب ذیل ہیں:-

عظمت السلطان ابن سعود کے دعوت نامہ کا جواب

عظمۃ السلطان عبدالعزیز مکہ معظمہ

" آپ کا تار پہنچا، دعوت کا شکریہ، جمعیت العلماء اپنے مندوب بھیجنے کو
تیار رہے، مگر جمعیت ادب کے ساتھ عرض کردینا چاہتی ہے کہ اسلام کے
مرکز کو ہمیشہ کے لئے وساوس اجانب سے مامون کرنے، اور تمام عالم اسلامی
کو اس کی حفاظت کا ذمہ دار بنانے کے لئے تشکیل حکومت حجاز کا اہم مسئلہ
زیر بحث آنا ضروری ہے۔" محمد کفایت اللہ

اس کا جواب سلطان کی طرف سے حسب ذیل آیا۔

جمعیۃ علماء دھلی،

اخذت برقیتکم وانی اشکرکم علی بیانکم الذی
یدل علی کمال عقلکم ووافر غیرتکم الدینیہ ان البلاد المقدسۃ
محمیۃ بمہج وقلوب المسلمین وھی مصونۃ عن الدسائس
بعنایۃ اللہ ورعایتہ ومادمنا قائمین فیھا بالحق سائرین فیھا
وفق الشریعۃ المحمدیۃ متجنبین فیھا سبیل الاھواء فان شانہا
سیکون عظیما ولا یصلح الاخر ھذہ الامۃ الا ما اصلح اولھا

وفق الله الجميع الیٰ ما فیہ الخیر۔

ملک الحجاز وسلطان نجد عبد العزیز

(ترجمہ) مجھے آپ کا تار ملا، میں آپ کے مضمون کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس سے آپ کی انتہائی فہم اور دینی غیرت ظاہر ہوتی ہے۔

بلاد مقدسہ مسلمانوں کی جانوں اور دلوں کی حفاظت میں ہیں، اور خدا کی عنایت ونگہبانی سے وہ وسائس اجانب سے بھی محفوظ ومصئون ہیں، اور جب تک ہم ان میں حق کے ساتھ قائم ہیں، اور ہماری رفتار شریعت محمدیہ کے موافق رہے، اور ہم خواہشات نفسانیہ کے راستے سے بچے رہیں، تو ان بلاد مقدسہ کی حالت عظیم الشان ہو جائے گی، پر اس امت کے آخری دور کی اصلاح اس چیز کے بغیر نہیں ہو سکتی جس سے پہلے دور کی اصلاح ہوئی تھی، خدائے تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں کی توفیق دے، جن میں خیر اور بھلائی ہو۔

اس سے سلطان کا منشا اور بھی واضح ہوگیا، لیکن چونکہ مسلمانوں کے جملہ اجتماعی، اور مذہبی مسائل اور بالخصوص ان مسائل کے بصورت احسن حل کرنے کا بہترین بلکہ واحد ذریعہ جو ان کے مشترکہ مرکز عرب سے متعلق ہیں، بین الاسلامی موتمر ہو سکتی ہے، لہذا باوجود اس کے کہ دعوت نامہ میں نقص موجود تھے، اور یہ معلوم نہ تھا کہ نیابت کس اصول اور کس حساب سے ہوگی، جمعیت خلافت کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۸۔ اپریل سنہ ۱۹۲۶ء بمقام دہلی میں موتمر کے دعوت نامہ کو قبول کیا، اور ۲۰۔ اپریل کو مرکزی خلافت کمیٹی نے حسب ذیل حضرات کو منتخب کیا کہ وہ مسلمانان ہندوستان کے نمائندوں کی حیثیت سے

موتمر میں شریک ہوں۔

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، رئیس

مولانا شوکت علی صاحب

مولانا محمد علی صاحب

شعیب قریشی صاحب (رکن و سکریٹری)

چونکہ ابھی یہ طے نہیں ہوا تھا کہ موتمر میں مختلف ممالک اسلامی کی نمائندگی کس اصول اور کس حساب سے ہوگی، نہ یہ ہی یقین کے ساتھ کہا جاسکتا تھا کہ کتنے ممالک موتمر میں شرکت کریں گے اور خلافت کمیٹی کے پیش نظر یہ تھا کہ تشکیل حکومت حجاز جیسا اہم مسئلہ جس پر تمام دنیائے اسلام کی مستقبل، اخلاقی اقتصادی، سیاسی، اور اجتماعی تاریخ کا دارومدار ہے، ناقص اور غیر نمائندہ موتمر کے سامنے فیصلہ کی غرض سے پیش نہ ہو، تاکہ اس تاریخی غلطی کا دوبارہ اعادہ نہ ہو، جس کا خمیازہ مسلمان آج تک بھگت رہے ہیں، لہذا جمعیت عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۸۔ اپریل ۱۹۲۶ء بمقام دہلی میں ریزولیوشن کے دو حصے کردئے تھے۔

(۱) کہ وفد ان تمام امور پر بحث و مباحثہ کرے جن کا ذکر دعوت نامہ میں ہے

(۲) لیکن تشکیل حکومت حجاز کا مسئلہ اگر موتمر میں پیش کیا جائے تو اس میں شرکت سے انکار کرے، لیکن اس کو ہدایت کی گئی تھی کہ سلطان ابن سعود سے نجی کے طور پر گفتگو کرلی جائے اور ہمارا نقطۂ نگاہ ان کے روبرو پیش کرکے ان کو ہم خیال بنانے کی کوشش کی جائے۔

رزولیوشن کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

" موتمر حجاز کے متعلق طے پایا کہ دعوت نامہ منظور کیا جائے، اور جن اغراض و مقاصد کا ذکر اس میں کیا گیا ہے، اس پر بحث و مباحثہ و تبادلۂ خیالات کیا جائے اور آئندہ تشکیل حکومت حجاز کے لئے انعقاد موتمر کی بابت سلطان ابن سعود سے گفتگو کی جائے، اور اگر تشکیل حکومت حجاز کا مسئلہ اس موتمر میں پیش ہوا تو اس میں شرکت سے انکار کیا جائے، مگر سلطان ابن سعود سے نجی کے طور پر گفتگو کر لی جائے اور ہمارا نقطۂ نگاہ اُن کے روبرو پیش کر کے اُن کو ہم خیال بنانے کی کوشش کی جائے"

حجاز جا کر جب موتمر کے ایجنڈا کو دیکھا جس میں " البلاد و حکومتہا" کی مد سب سے اول تھی اور ان مندوبین کی تعداد کو دیکھا جن کو سلطان نے خود مقرر کیا تھا تو معلوم ہوا کہ خلافت کمیٹی اگر یہ پیش بندی نہ کرتی تو بڑی سخت غلطی کی مرتکب ہوتی۔

ریزولیوشن کے حصۂ دوم کے سلسلہ میں وفد نے سلطان سے تین مرتبہ گفتگو کی جس کی تفصیل دوسری جگہ درج ہے، ان ملاقاتوں کے دوران میں سلطان نے جن خیالات کا اظہار کیا، ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے وفد نے اس کو قبل از وقت اور نامناسب خیال کیا کہ محض مسئلہ تشکیلِ حکومتِ حجاز پر مزید تفصیلی گفتگو کرنے کے لئے سلطان سے انٹرویو (ملاقات) کے لئے درخواست کرے۔

مؤتمر کے انعقاد کی تاریخ کا التواء

مونتمر کے انعقاد کی تاریخ ابتدا، ۲۰ رذی قعدہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۲ رجون ۱۹۲۶ء تھی، لیکن چونکہ مستقل ممالک اسلامی کے نمائندے نہیں آئے تھے، اس لئے تاریخ انعقاد دو مرتبہ بدلنی پڑی، تاکہ ان ممالک کو شرکت کا موقع مل سکے۔

آخری التوار ۷ رجون ۱۹۲۶ء کو کیا گیا تھا، لیکن جب ۷ رجون تک بھی ان ممالک کے نمائندے نہ آئے تو اس دن موتمر کا افتتاح ہوا۔

ممالک اسلامی جو موتمر میں شریک ہوئے

ان کے دو حصے ہیں، ایک تو وہ جو قبل از حج شریک ہوئے جن کے نام معہ ان کے نمائندوں کے اسمار کے حسب ذیل ہیں:۔

ہندوستان ۔(۱) خلافت کمیٹی:۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی۔ رئیس
مولانا شوکت علی صاحب
مولانا محمد علی صاحب
شعیب قریشی صاحب رکن وسکرٹری

(۲) جمعیۃ العلماءِ ھند:۔ مولانا کفایت اللہ صاحب رئیس
مولانا شبیر احمد صاحب
مولانا احمد سعید صاحب
مولانا عبد الحلیم صاحب
مولانا ابو المعارف محمد عرفان صاحب

(۳) جماعت اھلحدیث:۔ مولانا ثنار اللہ صاحب رئیس

مولانا عبدالواحد غزنوی صاحب
مولانا اسمٰعیل غزنوی صاحب
مولوی حمید اللہ صاحب

۲۔ روس:۔ کشاف الدین بن قوام الدین رئیس
رضاء الدین
مصلح الدین بن خلیل
عبدالواحد بن عبدالرؤف مہدی
طاہر الیاس
موسیٰ جاء اللہ
عبدالرحمٰن بن اسمٰعیل (سکرٹری)

۳۔ جاوا:۔ عمر سعید چوکروامی نوتو
حاج منصور
شیخ محمد باقر
شیخ جان طبیب

۴۔ فلسطین:۔ سید امین الحسینی رئیس
اسمٰعیل آفندی الحافظ
عجاج آفندی نویہض

۵۔ بیروت وشام:۔ الشیخ حسن المکی
شیخ بہجت البیطار } شام

محمود منح ہارون } شام
(نامزد کردہ سلطان)

عبدالغنی عوقی بک العکی } بیروت
حسن آفندی المکی

۶ - مصر - جمعیت خلافت بوادی النیل :- ابوالعزائمؒ ماضی رئیس
سید کامل عثمان آفندی
سید محمد ابوالعزائمؒ

۷ - سوڈان :- مدثر بن ابراہیم } نامزد کردہ سلطان
شیخ ابوالقاسم احمد ہاشم

۸ - عسیر :- توفیق شریف (شامی)
عبدالعزیز العتیقی (نجدی)
ابو زید (مصری)

۹ - نجد :- عبداللہ بن بلیہد رئیس
حافظ وہبہ
عبداللہ دملوجی
شیخ محمد الخطیب
یوسف یٰسین (شامی)

۱۰ - حجاز :- شریف شرف عدنان
عبداللہ شیبی

شیخ اسمٰعیل مبیریک

شریف ہزایم ابوالبطین

سلیمان قابل یحنت بن بنیان

سعود دشیشبہ ابراہیم عارف

محمد نصیب

محمد مغیر بی

شریف علی بن الحسین الحارثی

عبداللہ الفضل النجدی

عارف الاحمدی

جن حضرات کو سلطان نے ان کی ذاتی حیثیت سے بطور خاص مدعو کیا تھا۔

۱۱- سید رشید رضا (مصری)

عبدالظاہر

منصور محمود

عبدالسلام ہیکل

حصہ دوئم میں وہ ممالک ہیں جو بعد حج موتمر میں شریک ہوئے، ان ممالک کے اور ان کے مندوبین کے نام حسب ذیل ہیں، ان میں سے اکثر کو ابتداً شرکت میں تامل تھا، لیکن ہندوستانی نمائندوں کے خلوص اور کارگزاری سے

متاثر ہو کر شرکت پر آمادہ ہو گئے۔

ترکی :- ادیب ثروت بک

افغانستان :- جنرل غلام جیلانی خاں

یمن :- حسین بن عبدالقادر

عسیر :- (ادریسی) علامہ شنقیتی

مصر :- علامہ ز ذ اہری

مصری بک

ابن توفیق

(نوٹ) مصری وفد کی آمد پر سوڈانی حضرات اور وادی نیل کی جمعیت خلافت کے نمائندے واپس چلے گئے) لیکن ایران آخر تک شریک نہ ہوا۔

ہم کو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حکومت نجد کی جانب سے یہ کوشش کی گئی کہ انتخاب نمائندگی وتناسب کے اصول کو پس پشت ڈال کر موتمر کو اپنے ہم خیال وہم نوا اشخاص سے بھر دیا جائے، چنانچہ نجد کو ۵، حجاز کو ۱۳، عسیر کو جس کے تین حصوں میں سے صرف ایک حصہ سلطان ابن سعود کے ہاتھ میں ہے، تین اور سب کو خود سلطان نے نامزد کیا، صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ بعض حضرات کو جو سلطان کی ملوکیت کے حامی تھے انفرادی حیثیت سے ممبر مقرر کیا گیا، اور ان کو رائے وغیرہ کے معاملہ

میں وہی حقوق تھے، جو باقاعدہ منتخب شدہ ممبروں کو تھے، اس کے علاوہ بعض صورتوں میں تو سلطان نے ممالک غیر کی طرف سے جو ان کے تابع بھی نہ تھے، نمائندے مقرر کر دئے، اس طرح ۵۹ نمائندوں میں سے جو ج سے پہلے موتمر میں شریک تھے، ۲۶ سلطان کے نامزد کردہ تھے، اس میں اگر ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کے چار نمائندوں کو شامل کر لیا جائے تو ۵۹ شرکاء موتمر میں سے ۳۰ سلطان ابن سعود کی تقریباً ہر بات میں تائید کرنے والے تھے، یہ تناسب تو اس وقت ہوا جبکہ بیرونی ممالک نے ایک ایک سے زیادہ نمائندے بھیجے، اگر وہ صرف ایک ہی ایک نمائندہ بھیجتے تو موتمر میں قلت و کثرت کے مسئلہ کی جو صورت ہوتی، ظاہر ہے۔

علاوہ اس کے شرکاء کی رائے پر اثر ڈالنے کے لئے ان نازیبا طریقوں کے استعمال سے بھی اجتناب نہیں کیا گیا، جن کو کوئی صحیح الاصول و صحیح المسلک پبلک کام کرنے والا روا نہیں رکھے گا۔

موتمر کو حامیوں سے بھرنے کے بعد خود سلطان نے اسی تشکیل حکومت کو داخل ایجنڈا کر دیا جس کو وہ موتمر کے سامنے پیش کرنے کے روادار نہ تھے، اور جس کو انہوں نے نہایت احتیاط اور اہتمام سے دعوت نامہ سے خارج کر دیا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر ہم نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ مسلمانان ہند ہرگز گوارا نہیں کر سکتے کہ تشکیل حکومت حجاز جیسا اہم مسئلہ اس وقت تک موتمر کے سامنے

جب تک کہ مؤتمر میں نیابت کے اصول اور فیصلہ کے قواعد و ضوابط کے ماتحت
مؤتمر کا اجلاس نہ ہو، اور سلطان کی افتتاحی تقریر کے بعد ہی ہم نے انتخاب
عہدہ داران کے مسئلہ کے پیش ہوتے ہی نیابت اور قلت و کثرت کے طے کرنے
کے سوال اور اس کے ساتھ ساتھ مؤتمر کے قانون اساسی کے پورے مسئلہ کو
اٹھایا، اس پر ایک سب کمیٹی صیانۃ و ثائق اور دوسری سب کمیٹی قانون اساسی
بنانے کے لئے منتخب کی گئی، اور ہمارے اعتراض و مخالفت کے باعث حکومت
حجاز کا مسئلہ ایجنڈا، اور نیز سلطان کی افتتاحی تقریر سے خارج کر دیا گیا۔

پہلی کمیٹی کے ممبروں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) مولانا محمد عرفان صاحب

(۲) یوسف یٰسین صاحب

(۳) منصور صاحب

دوسری کمیٹی کے لئے حسب ذیل حضرات منتخب ہوئے۔

(۱) مولانا شوکت علی (ہندوستان)

(۲) رضاء الدین (روس)

(۳) محمد امین الحسینی (فلسطین)

(۴) حافظ وہبہ (نجد)

(۵) مولانا کفایت اللہ (جمعیۃ العلماء۔ ہندوستان)

(٦) عبداللہ بن بلیہد (نجد)

(٧) عمر سعید چوکروامی تو لو (جاوا)

(٨) شریف شرف عدنان (حجاز) رئیس موتمر

(٩) شعیب قریشی } بطور معاون و مشیر

(١٠) حاجی نوبہض }

(١١) منصور

انتخاب عہدہ داران موتمر

لیکن انتخاب عہدہ داران قلت اور کثرت کے تعین کے مسئلہ کے طے ہوئے بغیر عمل میں آیا۔

صدر:-

ہم نے اس مصلحت سے کہ ترکی سب سے ممتاز اور بڑی اسلامی حکومت ہے، اور اس سے بھی زیادہ اس مصلحت سے کہ ترکوں اور عربوں کے قلوب سے گزشتہ واقعات کی ناگوار تلخی دور ہو جائے اور باہم دگر مل کر کام کر سکیں اور نیز اس بنا پر بھی کہ وہ مجالس کے نظام و کارروائی کے طریقے سے بخوبی واقف ہیں، یہ تجویز پیش کی کہ ترکی وفد کے رئیس کو موتمر کا صدر بنا دیا جائے، مولانا ثناء اللہ صاحب نے نمائندگان نجد کی تائید کے ساتھ اس کے خلاف شریف شرف عدنان پاشا کا نام پیش کیا اور عبدالواحد غزنوی صاحب نے تحریک کی کہ سلطان

ابن سعود صدر موتمر ہوں، رائے لئے جانے پر بکثرت رائے سے شریف شرف عدنان رئیس منتخب ہوئے، نائب صدر کی جگہ کے لئے حسب ذیل اصحاب کے لئے رائے دی گئی، اور مولوی سید سلیمان ندوی رئیس وفد الخلافہ، اور رضا الدین رئیس وفد روسیہ نائب صدر منتخب ہوئے، ناموس عام توفیق شریف صاحب مقرر ہوئے۔

موتمر کا قانون اساسی

لجنہ قانون اساسی نے جو قانون بنایا، اور جس کو موتمر نے بالاتفاق منظور کیا، وہ بطور ضمیمہ شامل رپورٹ ہے، اس میں موتمر کے اغراض و مقاصد اور اس کے نظام وغیرہ کے متعلق جملہ امور بالتفصیل درج ہیں۔

جس وقت یہ قانون بنا اور منظور ہوا، اس وقت ترکی، افغانستان یمن، اور مصر کے نمائندے موجود نہ تھے، لہذا وہ اس کے متعلق بحث و مباحثہ میں شرکت نہ کر سکے، لیکن ان کی شرکت کے بعد ان کو "قانون اساسی" پر رائے دینے کا حق دیا گیا ہے، اور ان کی رائے کو موتمر یقیناً نہایت وقعت اور اہمیت دیگی۔

لجنہ اقتراحیہ

مختلف اقتراحات پر غور کرنے اور ان کو ترتیب دینے کے لئے جو اعضا موتمر میں پیش کرنا چاہتے تھے، موتمر نے طے کیا کہ ایک لجنہ "لجنہ اقتراحات" کے نام سے منتخب کی جائے جس میں ہر ملک کے نمائندے ان اصولات کے حساب سے

ہوں جو قانون اساسی کے ماتحت اس کو حاصل ہیں، اس لجنہ اقتراحیہ کے لئے ممبر حسب ذیل تھے:۔

ہندوستان:۔ مولانا محمد علی، مولانا کفایت اللہ، مولانا ثناء اللہ، مولانا شبیر احمد

نجد:۔ عبداللہ بن بلیہد، حافظ وہبہ، یوسف یٰسین۔

حجاز:۔ رئیس موتمر شریف شرف عدنان، حجاز کی بھی نیابت کرتے تھے۔

جاوا:۔ عمر سعید چوکروامی نوتو، حاج منصور۔

روس:۔ کشاف الدین، مصلح الدین۔

شام:۔ عبدالغنی عونی بک الکعکی

فلسطین:۔ سید امین الحسینی

عسیر:۔ عبدالعزیز۔

مصر:۔ ابوالعزائم ماضی (حکومت مصر کے وفد آنے کے بعد علامہ ز واہری ممبر ہوئے)

سوڈان:۔ مدثر بن ابراہیم (حکومت مصر کے وفد کے آنے کے بعد ان کی جگہ علامہ زواہری ممبر ہوئے)

اس کے علاوہ عہدہ داران موتمر بحیثیت عہدہ داران اس کے ممبر تھے، بعد جو حسب ذیل اصحاب کا اس میں اضافہ ہوا۔

ترکی:۔ ادیب ثروت بک۔

افغانستان :- جنرل غلام جیلانی خاں

یمن :- حسین بن عبدالقادر

مصر :- علامہ زواہری

ان کی شرکت کے بعد سوڈان اور مصر کے دوسرے نمائندے لجنہ سے خارج ہو گئے۔

لجنہ کے انتخاب کے بعد موتمر کا باقاعدہ کام شروع ہو گیا، سب سے اہم اقتراحات کا تیار کرنا تھا، جو اقتراحات ہماری طرف سے پیش ہوئے، ان کی تفصیل آگے پیش کی جائے گی، اس سلسلہ میں ہم کو دوسرے اسلامی ممالک کے نمائندوں سے بکثرت ملنے کا، اور ان سے تبادلہ خیالات کا موقع ملا، اور باوجود ان کوششوں کے جو مختلف ممالک کے نمائندوں میں اتفاق رائے اور اتحاد عمل کو روکنے کی جاری تھیں آپس میں نہایت مخلصانہ تعلقات اور مفید خوشگوار موثر اور آئندہ کے لئے امید افزا اتفاق رائے اور اتحاد عمل قائم کرنے میں کامیابی ہوئی اس میں ہم کو ہمارے بھائیوں کے خلوص، جوش، حب مذہب ملت و دانشمندی سے بہت مدد ملی۔

لیکن کمیٹی کو خوشی ہونی چاہئے کہ اس کے نمائندے اپنے صحیح اصول کی پابندی، اعتدال، صلح جو رویہ اور بے غرضی سے ممالک اسلامی کے ان مختلف عناصر کو ایک نکتہ پر لانے میں کامیاب ہوئے۔

ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ شرکاء موتمر کی گرانمایہ خدمات کی کم قدری کریں، نہ ہم ناگوار امتیاز کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ محض اظہار واقعہ ہے کہ موتمر کے تمام اہم اور دقیع قراردادوں میں سے بیشتر نمائندگان جمعیت العلماء اور جمعیۃ الخلافۃ کی تھیں، موتمر کی کارروائی میں ہندوستان نے نہایت نمایاں اور ممتاز حصہ لیا اور یہی وجہ تھی کہ مختلف الخیال نمائندگان موتمر نے بھی موتمر کی کارروائی کے اختتام پر اجلاس عام میں اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے نمائندگان ہند کی تعریف کی۔

اس جگہ ہم کو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کمیٹۃ اقتراحیہ اور موتمر کی کارروائی دونوں میں نمائندگان نجد کا رویہ جو حکومت نجد کے اعلیٰ حکام اور نامزد شدہ ممبر تھے، نہایت افسوسناک تھا جب کبھی کوئی ایسا اقتراح پیش کیا گیا جس کو ان کی حکومت نہیں چاہتی تھی تو انہوں نے اس کو خارج رکھنے میں کسی ذریعہ کے استعمال کرنے میں چاہے وہ جائز ہو یا ناجائز عذر نہ کیا چنانچہ آثر و مقابر کے متعلق ریزولیوشن لجنۃ اقتراحیہ میں بھی پیش ہو گئے، اور موتمر میں بھی لیکن موتمر کے آخری دن اور کوئی اقتراح باقی نہ رہا کہ پیش ہو لیکن وہ اقتراح پیش نہ کیا گیا، نمائندگان نجد کی برابر کوشش جاری رہی کہ اس ریزولیوشن کو ٹالدیا جائے حتیٰ کہ جب ہماری طرف سے سختی سے احتجاج کیا گیا تو ان حضرات نے صاف کہدیا کہ اس سے فتنہ و فساد پیدا ہوگا، اس کو پیش نہیں ہونا چاہئے لیکن جب

صورت نازک ہوگئی اور دوسرے ممالک کے نمائندوں نے بھی سختی سے اعتراض کیا، اور ہماری تائید کی تو بالآخر طوعاً و کرہاً پیش کیا گیا، اور یہ ہرگز تنہا اس ریزولیوشن کے ساتھ نہیں کیا گیا۔

اب ہم ان تجاویز کو دیتے ہیں جن کو ہماری طرف سے موتمر میں پیش کیا گیا، ان تجاویز کی عبارت طے کرنے میں ہم کو مختلف الخیال متر کا، موتمر کا لحاظ رکھنا پڑا، لہذا یہ الفاظ وہ ہیں جن پر ہم مختلف ممالک کے نمائندوں کو جمع کر سکے، ان تجاویز کے مرتب کرنے میں ہم نے الفاظ اور زبان پر اصرار کو چھوڑ کر صرف مطلب کا لحاظ رکھا اور اصول کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

وہ تجاویز جو ہماری طرف سے پیش ہوئیں، اور موتمر نے قبول کیں۔

نوٹ:۔ ریزولیوشن کی اصلی عبارت جو بعد ترمیم وغیرہ موتمر نے قبول کی، منگانے کے متعلق متعدد مرتبہ رئیس موتمر صاحب سے درخواست کی گئی لیکن اب تک دستیاب نہ ہو سکی۔ لہذا صرف ان ریزولیوشن کی عبارت دیجاتی ہے جو موجود ہے۔

(۱) مآثر و مقابر

اوجوان یقرر المؤتمر مایلی

(۱) ان یعاد بناء (المآثر) فی اقرب وقت ممکن

(۲) ان القبور التی ھدمت یترک امر اعادة بناءھا وشکل

ذلك الی لجنة من علماء المذاهب السنية والشيعية فهذ اللجنه تنظر فی ذلك دا ھون رائها نہائیا۔

محرك:۔ مولانا شوکت علی

موئید:۔ شعیب قریشی

(ترجمہ) ہے امید ہے کہ مؤتمر حسب ذیل تجاویز منظور کرے گی:۔

(۱) حق المقد ور بہت جلد آثار منہدمہ کو بنا دیا جائے۔

(۲) جو قبریں گرائی نہیں گئی ہیں اُن کی حفاظت و صیانت ضروری ہے اور مناسب ہے۔

(۳) جو قبریں منہدم ہو چکی ہیں ان کی تعمیر اور اُس کی ہیئت ایک کمیٹی پر جو سُنّی شیعہ علماء سے مرکب ہو چھوڑ دی جائے، یہی کمیٹی اس مسئلہ پر انتہائی غور سے کام کرے گی، اور اس کا فیصلہ آخری ہو گا۔

محرک:۔ مولانا شوکت علی

موئید:۔ شعیب قریشی

(۲) حرم میں امامت چاروں مذاہب کے امام باری باری سے کریں۔

محرک:۔ شعیب قریشی

موئید:۔ مولانا محمد علی

(۳) جزیرة العرب میں غیر مسلموں کو اقتصادی امتیازات نہ دیئے جائیں۔

محرک :- شعیب قریشی

مؤید :- مولانا محمد علی

اِن بلادِ مقدسہ میں غیر اسلامی مداخلت کا سد باب کرنے کے لئے یہ موتمر ضروری سمجھتی ہے کہ حجاز میں غیر مسلموں کو کسی قسم کے اقتصادی امتیازات عطا نہ کئے جائیں، اور ہر اسلامی کمپنی سے بھی معاہدہ کرتے وقت ان دو دفعات کا اضافہ کیا جائے۔

(الف) جب فریقین معاہدہ میں اختلاف ہو تو فریقین کو عدالت حجاز کی طرف رجوع کرنا ہوگا، اور وہ اس کے فیصلہ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے۔

(ب) کمپنی کے حصہ داران کو اجازت نہ ہوگی کہ وہ اپنے حصے غیر مسلموں کے ہاتھ فروخت کریں۔

محرک :- شعیب قریشی

مؤید :- مولانا محمد علی

(۴) انسدادِ غلامی۔

محرک :- مولانا کفایت اللہ و شعیب قریشی

مؤید :- موسیٰ جار اللہ

(۵) جدہ، مکہ، عرفات کے درمیان سڑک بننا چاہیئے۔

حجاز میں ریلوے لائن کی تعمیر کا جو فیصلہ ہم نے کیا ہے، اس کی تکمیل کے واسطے برسوں کی کوشش اور کثیر مال درکار ہے، اس لئے ہمیں چاہیئے کہ بتدریج اس کام کو شروع کردیں، اس سلسلہ میں حکومت حجاز کا اولین

فرض ہے کہ وہ جدہ سے مکہ اور مکہ سے مدینہ، اور مکہ سے عرفات تک سڑکیں ہموار کرانے کا کام شروع کر دے، تاکہ ان پر موٹریں، اور گاڑیاں چل سکیں نیز جن مقامات پر قافلے اترتے ہیں وہاں سرائیں بنوائے، اور ضروری آرام و آسائش کے سامان مہیا کرے، یہ چھوٹا سا کام اس بڑے کام کی تمہید ہوگا جو حج کے راستوں میں ریلوے لائن تعمیر کرانے کے لئے ہمارے پیش نظر ہے، اس کے لئے مدت تک انتظار کرنا ناگزیر ہے۔

محرک:۔ مولانا شوکت علی

موید:۔ مولانا سلیمان ندوی

(۶) تبلیغ اسلام — محرک:۔ شعیب قریشی

موید:۔ مولانا محمد علی

(۷) ہر ممبر اپنی زبان میں رزولیوشن پیش کر سکتا ہے۔

محرک:۔ شعیب قریشی

موید:۔ مولانا محمد عرفان

(۸) آزادی مذہب۔ — محرک:۔ مولانا کفایت اللہ

موید:۔ مولانا محمد علی

وہ تجاویز جو پیش کی گئیں، اور براہ راست لجنہ اقتراحیہ کی طرف سے سلطان کو بغرض اطلاع بھیجدی گئیں۔

(۱) مطاف ومسعیٰ[1] محرک :- شعیب قریشی

مؤید :- مولانا عرفان

وہ تجاویز جو موتمر میں پیش کی گئیں لیکن منظور نہ ہوئیں۔

(۱) قتل مومن کے خلاف۔

بما ان اللہ تعالیٰ قال فی کتابہ ومن یقتل مومنا متعمداً فجزاءہ جہنم خالداً فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہ عذابا عظیما۔ وقال صلعم لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض وقال صلعم من اشار الی اخیہ بحدیدۃ لعنتہا الملائکۃ وقال صلعم سباب المسلم فسق وقتال کفر وقال صلعم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ وقال صلعم ان دماءکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شہرکم ھذا وبلدکم ھذا۔ یطلب المؤتمر من کل مسلم یومن باللہ ورسولہ والیوم الآخر ان یحرم علی نفسہ دماء المسلمین واموالہم واعراضہم وان یجعل قولہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل المومنین فی تراحمہم وتوادہم وتعاطفہم کمثل جسد اذا اشتکی بعضہ کلہ نصب عینیہ کل حین و

---

[1] طواف وسعی کرنے سے کوئی کسی ۔ کو کسی وقت روک نہیں سکتا ۔ ۱۲

آن۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی (مقدس) کتاب میں ارشاد فرمایا ہے کہ "جو شخص قصداً کسی مسلمان کو قتل کرے اس کی جزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر خدا کا غضب اور پھٹکار رہوگی، اور اس کے لئے بڑا عذاب مقرر کر رکھا ہے۔"

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد تم لوگ کافر مت بن جانا، (اس طرح) ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل کرے، اور فرمایا آپؐ نے جو شخص لوہے سے اپنے بھائی کی طرف اشارہ کرتا ہے ملائکہ اس پر لعنت کرتے ہیں، اور فرمایا آپ نے مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس کا قتل کرنا کفر ہے، اور فرمایا آپ نے ہر مسلمان کا خون مال اور آبرو، دوسرے پر حرام ہے، اور فرمایا آپؐ نے کہ تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبرو تم لوگوں پر حرام ہیں جس طرح آج کے دن، اس مہینے، اور اس شہر میں حرام ہے، لہذا موتمر ہر مسلمان سے جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، درخواست کرتی ہے، کہ دیگر مسلمانوں کا خون، مال و متاع، اور آبرو اپنے لئے حرام سمجھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو کہ مومن کی مثال (باہمی محبت و مودت میں) ایک جسم کی طرح ہے۔ ہر آن اور ہر وقت اپنا نصب العین بنائے۔

محرک:۔ شعیب قریشی

موید:۔ مولانا محمد علی

چونکہ اس مسئلہ کا ذکر دعوت نامہ میں نہ تھا اور ان کی حکومتوں کی طرف سے ان کو اس بارہ میں کوئی ہدایت نہ دی گئی تھی اس لئے ترک، افغان، یمنی، اور مصری نمائندوں نے اس مسئلہ میں رائے دینے سے احتراز کیا۔

(۲) معاہدات مابین حجاز و دول غیر لغرض الملاع پیش کئے جائیں۔

اقترح ان یرجو المؤتمر من الحکومۃ الحجازیۃ ان تضع بین یدیہ نسخۃ من کل الاوراق الرسمیۃ التی تتعلق بای علاقۃ وانشاھا الحکومت الحالیۃ او السابقۃ مع الحکومات الاخری اذا کانت قد انشاء شیٔ من ذلک فلتشیع۔

محرک:۔ مولانا محمد علی

مؤید:۔ مولانا شوکت علی

(ترجمہ) میں تجویز پیش کرتا ہوں کہ موتمر حکومت حجاز سے درخواست کرے کہ معاہدات کا غذات رسمی جن کا کسی علاقہ سے تعلق ہو اور جسے حکومت موجودہ یا سابقہ نے دیگر حکومتوں کے ساتھ قائم کیا ہو اگر ایسے دستیاب ہوں تو اسے شائع کر دے۔

محرک:۔ مولانا محمد علی

مؤید:۔ مولانا شوکت علی

(نمائندگان حکومت نجد نے اس کو سیاسی مداخلت قرار دیکر ان دستاویزات کے پیش کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ یہ معاملہ موتمر میں پیش نہیں ہو سکتا)

وہ تجاویز جو کمیٹی اقتراحیہ نے نامنظور کردیں:۔

(۱) حجاز میں قناصل مسلمان ہونے چاہئیں ۔

ازالرعایۃ لوصیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم التی اوصیٰ بھا وھو علی فراش الموت۔ یعلن ھذا المؤتمر ان المسلمین لا یرضون بان تقسیم غیر المسلمین فی الارض المقدسۃ الحجازیہ ولھذا یرجو المؤتمر من الحکومات الاجنبیۃ التی ترید ان یکون لھا قناصل فی الحجاز ان تختار ھؤلاء القناصل من المسلمین ۔

ترجمہ:۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق جس کی آپ نے ایسے وقت میں وصیت کی تھی جبکہ بسترِ مرگ پر آرام فرما رہے تھے، یہ موتمر اعلان کرتی ہے کہ حجاز کے مقدس مقامات میں غیر مسلم لوگوں کی سکونت کو مسلمان پسند نہیں کرتے اور اس لئے موتمر اُن حکومات اجنبیہ سے جو حجاز میں قناصل رکھنا چاہتی ہیں امید کرتی ہے کہ قناصل مسلمان منتخب کئے جائیں ۔

محرک:۔ مولانا محمد علی
موید:۔ مولانا شوکت علی

(۲) آزادیٔ جزیرۃ العربیہ۔ محرک:۔ نمائندگان جمعیۃ العلماء ہند
موید:۔ جمعیۃ الخلافۃ ہند فلسطین و شام

اس کے علاوہ ذیل کی دو تجاویز میں برادروں کی طرف سے پیش ہوئی

لیکن ہم نے ان کی تائید یا ترمیم کی:۔

(۱) اصلاح احوال صحیہ

(۲) حجاز ریلوے کی واپسی

(۳) قربانی کے ذبیحہ کے متعلق

(۴) جدہ و مکہ اور مکہ و مدینہ کے درمیان ریلوے لائن بنانے کے متعلق۔

(۵) عقبہ و معادن کی واپسی کے متعلق۔

وہ تجاویز جو دوسروں نے پیش کیں اور جن کی ہم نے مخالفت کی:۔

(۱) حکومت نجد کے نمائندوں نے حجاز میں ہتھیار لگانے کے خلاف تجویز پیش کی لیکن چونکہ اس کا نفاذ صرف غیر نجدیوں کے خلاف ہی ہوتا، اور چونکہ ایسی صورت میں مسلمان ادائگی فریضۂ جہاد کے لئے آمادہ و مستعد نہ رہ سکتے تھے لہذا ہم نے مخالفت کی، بالآخر تجویز نامنظور ہوئی۔

(۲) یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ریلوے لائن کی تعمیر اور تدابیر صحت کی تکمیل کے لئے حجاج سے (۱) بندرگاہ جدہ پر اترتے ہی ۲۰ قروش اور لئے جائیں (۲) اونٹ، موٹر اور خچر پر مزید ٹیکس کے نام سے روپیہ لیا جائے (۳) منیٰ میں ہر قربانی پر دس قروش وصول کئے جائیں، ہم نے کہا کہ ان تمام کاموں کے لئے جو کچھ لیا جائے برضامندی بطور چندہ صاحب استطاعت سے لیا جائے، جبریہ ٹیکس کی صورت میں جو ادائگی فریضہ میں دشواری پیدا کرے نہ لیا جائے، ہماری مخالفت پر تجویز نامنظور ہوئی۔

نئے قوانین کی رو سے چونکہ ناموس عام (جنرل سکریٹری) اور لجنۃ تنفیذیہ کے انتخاب مؤتمر کے آخری دن ہونا چاہئیں لہذا ۵ رجولائی کو ان عہدہ داران کے انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا، مگر چونکہ بروقت بلا مزید مشورہ اور تلاش کے ایسے اہم عہدوں کے واسطے نام پیش نہیں کئے جا سکتے تھے، لہذا اس کارروائی کو تین مہینے کے لئے ملتوی کیا گیا، اور صرف یہ طے کیا گیا کہ لجنۃ تنفیذیہ کے ممبروں میں ایک ترک ایک، ایک مصری، ایک ہندوستانی، ایک حجازی، ایک نجدی، اور ایک شام اور فلسطین سے ہوگا، اور ہر ملک والے اپنے اپنے نمائندے کو نامزد کرکے بھیجدیں گے، ناموس عام کے لئے دو نام پیش کئے گئے تھے ایک امیر شکیب ارسلان کا اور دوسرا شیخ عبدالعزیز شاویش کا، لیکن ان کے استمزاج کے بغیر اس کا فیصلہ ناممکن تھا، لہذا اس مسئلہ کو بھی ملتوی رکھا گیا، اس طرح مؤتمر کی کارروائی ختم ہوگئی۔

مؤتمر ہر سال ہونی چاہئے

یہ وہ باتیں ہیں جو قدیم اور بڑی سے بڑی جماعتوں میں موجود ہیں، مؤتمر کا یہ پہلا ہی سال تھا، اور انشاء اللہ رفتہ رفتہ ان تمام نقائص کا ازالہ ہو جائے گا، انکی وجہ سے مؤتمر کی اہمیت کم نہیں ہو سکتی، اور نہ اس کی دلچسپی میں کمی ہونی چاہئے۔

مؤتمر کا ہر سال ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ جیسا ہم شروع میں کہہ چکے ہیں مسلمانوں کے تمام اجتماعی و مذہبی مشکلات اور خاصکر حجاز کے مسائل کے حل اور اتحاد عرب کے حصول کا واحد ذریعہ مؤتمر ہے۔

ہم کو چاہیئے کہ لجنۃ تنفیذیہ کو جلد سے جلد قائم کر کے اس کو حتی الامکان
قوی اور مستحکم بنانے کی کوشش کریں، تاکہ وہ مسلمانوں کی خواہشات کے پورا
کرنے اور مفاد اسلامی کی حفاظت ونگرانی کا مؤثر وکارگر آلہ ہو جائے۔

یہ رپورٹ ناقص رہے گی اگر ہم اپنے ان بھائیوں کی محبت وخلوص اور
مفید مشورہ اور مدد کا شکریہ ادا نہ کریں جو ترکی، افغانستان، مصر، یمن، جاوہ،
روس، شام، فلسطین اور سوڈان وغیرہ سے اپنے اپنے ممالک کے نمائندے
ہو کر آئے تھے، ان سب میں امتیاز کرنا دشوار ہے، لیکن سید امین الحسینی رئیس الوفد
فلسطین اور الشیخ عجاج نویہض نائب الوفد فلسطین کا خاص طور پر شکریہ ادا
کرنا چاہتے ہیں، اول الذکر نے اپنی تدبیر اور اثر سے متعدد مرتبہ پیچیدہ سے پیچیدہ
گتھیوں کو سلجھایا اور بہت سے نازک مسائل کو بحسن وخوبی طے کرانے میں مدد دی
مؤخر الذکر اگر نہ ہوتے اور اپنی برادرانہ محبت اور خلوص سے اپنی غیر معمولی لغت عربی
و انگریزی کی واقفیت کو ہمارے لئے وقف کر کے ہماری ترجمانی کی زحمت گوارا
نہ کرتے تو ہم اس مؤثر طریقہ سے مسلمانان ہندوستان کے جذبات اور مطالبات
کی ترجمانی کرنے سے قاصر رہتے کیونکہ اردو سے عربی میں ترجمہ کرنے کے لئے
کسی اہل زبان کا ملنا دشوار تھا، اور ارکان مؤتمر میں سے دونوں زبان کے
جاننے والے خود بحث ومباحثہ میں حصہ لے رہے تھے، جس کی وجہ سے ان پر
یہ بار نہ ڈالا جا سکتا تھا۔

ہم کو افسوس ہے کہ ہم کمیٹی اور پبلک کو وفد کی کوششوں اور موتمر کی کارروائی سے وقتاً فوقتاً جیسا چاہئے تھا آگاہ نہ کرسکے، لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت نجد نے یہ عذر کر کے کہ تار لسان رمزی (کوڈ) میں ہیں ان کے بھیجنے سے انکار کر دیا، حالانکہ کوڈ کی کتاب اور تار کے معمولی زبان میں معنی تار کے ہمراہ بھیجے جاتے تھے، اور اس سے پہلے اسی کوڈ میں وہی دفتر ہمارا تار ایک بھیج چکا تھا۔

اس حکم کی اصلی وجہ یہ تھی کہ حکومت نجد نہیں چاہتی تھی کہ موتمر کی وہ کارروائی جو اُسے ناپسند ہو، یا کوئی اطلاع جو اس کے خلاف ہو بیرونی دنیا کو بھیجی جائے اور حتی المقدور اس کو روکنے کی آخر تک کوشش کرتی رہی، اسی غرض سے ہماری خط وکتابت پر بھی سنسر مقرر کیا گیا تھا جس کی ہم کو نہایت معتبر ذریعہ سے خبر ملی تھی۔

سلطان ابن سعود سے ملاقات

عین اس وقت خبر جو ہم کو ملی وہ یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں جنت البقیع کے مزارات کے قبے گرا دیے گئے، اس خبر نے ہم لوگوں پر ایک بجلی سی گرا دی، ساحل پر اتر کر جدہ میں اس خبر کی پوری توثیق ہوگئی، جہاز پر حکومت کی طرف سے جدہ کے حکام اور اعیان نے ہمارا استقبال کیا، اور شیخ محمد نصیف کے گھر ہم کو مہمان اتارا گیا، تھوڑی دیر کے بعد ٹیلیفون پر مکہ سے سلطان نے ہم کو خوش آمدید کہا، ہم نے رسماً ان کی عنایت و مہربانی کا شکریہ ادا کیا، اور دوسرے دن

مکہ معظمہ میں سلطان سے ہماری پہلی سرکاری ملاقات ۷۔۳۔ مئی ۱۹۲۶ئہ کو ہوئی خلافت اور جمعیت العلما کے ارکان سب ساتھ مل کر گئے، اس ملاقات میں زیادہ تر رسمی طور سے باہمی سلام و تہنیت اور مزاج پرسی ہوتی رہی، اور رئیس وفد نے ہماری طرف سے ان کی عنایتوں اور مہربانیوں کا شکریہ ادا کیا، اور حجاز کے معاملات کے لئے موتمر کے انعقاد کی تحسین کی اور اس کی اہمیت جتائی، مولانا شوکت علی صاحب نے موقع سے یہ کہا کہ حجاز کے معاملہ میں سب سے اہم یہ ہے کہ غیروں کو اس میں مداخلت کا موقع نہ دیا جائے، اور اس ملک کو دوسروں کے نفوذ اور اقتدار سے ہر حیثیت سے محفوظ رکھا جائے، یہ تمام دنیائے اسلام کی دولت ہے اور یہ تنہا کسی کی ملک نہیں، اسی سلسلہ میں کہا کہ ممکن ہے کہ آپ ہر چیز پر ہم سے بہتر علم رکھتے ہوں، لیکن ایک چیز ہم آپ سے بہتر جانتے ہیں، یعنی غیر قوموں کو ہم آپ سے بہتر جانتے ہیں، کیونکہ ڈیڑھ سو برس سے ہم کو ان کا تجربہ ہے، سلطان نے کہا کہ ہم نے اپنی حکومت کے لئے دو اصول ایسے مقرر کئے ہیں جو ہمیشہ کے لئے ناقابل تبدیل ہیں، ایک یہ کہ ہمارا مرجع کتاب وسنت کا فیصلہ ہوگا، دوسرا یہ کہ ہماری حکومت میں اجنبی کی مداخلت کسی حالت میں گوارا نہ ہوگی، مولانا محمد علی صاحب نے کہا کہ دو امور آپ کے ذہن نشین ہو جانے چاہئیں، ایک یہ کہ ہم مشرک نہیں، اور کتاب و سنت پر ہمارا بھی ایمان ہے، دوسرا یہ کہ حجاز تمام مسلمانوں کا ہے، اس لئے

ہم یہاں اجنبی نہیں، اور حجاز کی خدمت کرنا ہمارا شعار رہوگا، مولانا سید سلیمان صاحب نے سلطان کو مخاطب کر کے کہا کہ دنیا میں کون ایسا مسلمان ہے جس کو کتاب وسنت سے اعراض ہو، جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے تمام مختلف اسلامی فرقے ان کو یکساں تسلیم کرتے ہیں اور ان کو قبول کرتے ہیں، بحث جو کچھ ہے وہ ان کے معنی میں ہے، ہر فرقہ اس کا مدعی ہے کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق ہے، کوئی ایسا فرقہ بھی ہے، جو یہ کہتا ہو کہ ہم کتاب وسنت سے روگرداں ہیں اور کسی حکم کو کتاب وسنت کے مطابق سمجھتے ہوئے بھی ہم اس کی مخالفت کرتے ہیں بلکہ اختلاف خود تاویل اور تفسیر میں ہے، یا احادیث کی تضعیف وتوثیق میں ہے یا دلائل کی قوت وضعف میں ہے، اور یہ اختلاف نیا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کا ہے، اس لئے یہ مناسب نہیں کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو دلائل کے بجائے قوت کے زور سے اپنے مسائل تسلیم کرائے، خود اہل سنت میں مختلف فرقے ہیں اور ان میں آراء ومسائل کا بھی اختلاف ہے، اس لئے یہ موقع نہیں کہ ہم اس موجودہ کش مکش کے زمانہ میں ان مسائل کو چھیڑیں، اس وقت ہم کو ضرورت ہے کہ کفر کے مقابلہ میں تمام اسلامی فرقوں کو یکجا کریں، نہ یہ کہ ان باہمی اختلافات کو زیادہ بڑھائیں، اسی سلسلہ میں مولانا شبیر احمد صاحب، رکن جمعیت العلماء نے فرمایا کہ تاویل وتفسیر کے اختلافات موجود ہیں، اور اس کی مثالیں دیں، اور فقہی حیثیت سے یہ تفصیل بھی پیش کی کہ کن امور میں شرک، اور کفر کا فتویٰ دینا چاہئے اور کن میں نہیں

پھر مولانا کفایت اللہ صاحب صدر وفد جمعیت العلما نے آخر میں سلطان کا شکریہ ادا کیا، اور اتحاد و محبت کا پیام دیا، آخر میں سلطان نے کہا کہ بہتر ہو کہ ان امور میں آپ ہمارے یہاں کے علما سے گفتگو کر لیجئے، میں منفذ ہوں، مفتی نہیں، ہمارے علما قرآن و حدیث کے مطابق جو فیصلہ کرتے ہیں میں ان کو نافذ کر دیتا ہوں، اسی گفتگو پر ہماری پہلی ملاقات ختم ہوئی۔

دوسری ملاقات

ہم نے اپنی پہلی ملاقات کو اس بنا پر کہ اس میں شرکا کی کثرت تھی، اور دیگر حجازی اور نجدی حضرات و مشیران کار موجود تھے، اظہار مطلب کے لئے کافی نہیں سمجھا، اس لئے دوسرے دن ان سے تنہائی کی ملاقات کی خواہش کی، اور سلطان نے اس کا موقع دیا بنابریں سید سلیمان ندوی صاحب، مولانا شوکت علی صاحب، مولانا محمد علی صاحب، اور مولانا کفایت اللہ صاحب ۲۸ مئی ۱۹۲۶ء کی صبح کو سلطان سے ملنے گئے، آج وفد کے ارکان نے نہایت صفائی سے اپنے خیالات پیش کئے، اور مجلس خلافت کی تجاویز کا ذکر کیا، سلطان کے وعدے یاد دلائے، خصوصیت کے ساتھ شوکت علی صاحب نے "اتحاد اسلامی" اور حجاز کے مشترک حرم کے ساتھ دنیائے اسلام کے تعلقات کا ذکر کیا، اور کہا کہ اس وقت ضرورت ہے کہ تمام مسلمان متحد و متفق ہوں، نہ یہ کہ ان میں مذہبی اختلاف پیدا کیا جائے، آپ نے قبوں، آثار، اور مزارات کے انہدام کا جو طرز

عمل اختیار کیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام مسلمانوں میں نئے سرے سے عقائد کی خانہ جنگی شروع ہو جائے گی، ہم نے بڑی مشکلوں سے اپنے ملک میں ان خانہ جنگیوں کا خاتمہ کیا ہے اور تمام اسلامی فرقوں کو ملا کر ایک متحدہ صف قایم کی ہے لیکن اس طرز عمل سے جو آپ اختیار کر رہے ہیں، ہماری قوتیں دوبارہ منتشر اور پراگندہ ہو جائیں گی، اور تمام دنیائے اسلام خانہ جنگیوں کی دوسری مصیبت میں گرفتار ہو جائے گی، علاوہ ازیں یہ ملک تمام مسلمانوں کا مشترکہ حرم ہے یہاں کوئی اسلامی فرقہ اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ وہ صرف اپنے خیال کے مطابق اس حرم اور آثار متبرکہ اور مقابر و مشاہد میں ایسا تصرف کرے جو دوسرے فرقوں کے نزدیک صحیح نہیں، ہم کسی صورت میں یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ مذہب اسلام کے اہم مسائل کا فیصلہ صرف نجد کے چند علماء کے ہاتھوں میں دیدیں ۔ اہم سے نے شکایتاً کہا کہ مدینہ منورہ کے مقابر و آثار کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا، اور کہا گیا تھا کہ موتمر اسلامی کے فیصلہ کے بغیر اس کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی، لیکن یہ کس قدر تعجب انگیز ہے کہ اس کی خلاف ورزی کی گئی، اور دنیائے اسلام کی خواہش کے برخلاف اس کے استصواب کے بغیر ان کو منہدم کر دیا گیا، سلطان نے کہا کہ آپ نے جو کچھ کہا وہ صحیح ہے، اور میں بھی دل سے یہی چاہتا تھا لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ لوگ ہماری قوم سے واقف نہیں ہیں، ہماری قوم کے متعصب قبائل نے ہم کو دھمکی دے کر لکھا کہ ہم نے حجاز میں جہاد اس لئے کیا تھا، اور جان و مال

اس لئے قربان کیا تھا کہ کتاب وسنت کو قائم کیا جائے اور مراسم شرک کا استیصال
ہو، اس لئے جلد از جلد ان قبوں اور عمارتوں کو منہدم کردیا جائے، ورنہ ہم
آکر ان کو اپنے ہاتھوں سے گرادیں گے، اب ہمارے لئے دو ہی چارۂ کار تھے،
ایک یہ کہ ہم ان کو بزور روکیں، اور دوسرے یہ کہ ہم ان کو خود اس کی اجازت
دے دیں، پہلی صورت میں ایک خانہ جنگی پیدا تھی، دوسری صورت میں فتنہ و
فساد پیدا ہوتا، اہل مدینہ کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا اور شاید دیگر عمارتوں کو
صدمہ پہنچتا، پھر ہم نے یہ دیکھا کہ ان کا مطالبہ غیر شرعی نہیں ہے بلکہ جو کچھ وہ چاہتے
ہیں وہ خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ہے، اور کتاب وسنت کے عین موافق
ہے اس بنا پر میں نے قاضی القضاۃ سے خواہش کی کہ وہ خود مدینہ جاکر اس کام
کو انجام دیں، اور جو چیز خدا ورسول کے حکم کے مطابق ہے، اس میں کسی مسلمان
کو اختلاف نہ ہونا چاہئے، محمد علی صاحب نے سلطان کی توجہ دنیا کی موجودہ
حالت کی طرف مبذول کرائی، اور کفار کی طاقت اور مسلمانوں کی کمزوری کا دردناک
مرقع کھینچا، اور پھر عالم اسلام کے اس حصہ کی آرزوؤں اور امیدوں کو ظاہر کیا
جو بحمد اللہ بیدار ہوچکا تھا، ان مسلمانوں کی بار بار امیدیں بندھیں لیکن ایکبار
بھی پوری نہ ہوئیں، شب میں ان کی آنکھیں نہایت بے تابی اور بے صبری سے
ایک شعاع امید کی متلاشی تھیں، باربار صبح کاذب نے انہیں دھوکا دیا مگر صبح
صادق نمودار نہ ہوئی، آخری بار ان کی نظر خود سلطان پر پڑی، اور ان کی امیدیں

سلطان کی ذات سے وابستہ ہوگئیں، وہ سلطان سے بڑی بڑی توقعات رکھتے تھے، اور سلطان کے متعلق ان کے دل میں بڑی بڑی تمنائیں، اور آرزوئیں تھیں، اور وہ سلطان کو ملک الحجاز کے منصب سے کہیں زیادہ جلیل القدر منصب اسلامی پر دیکھنے کے متوقع تھے، انہوں نے سلطان سے کہا کہ آپ کیوں اس چھوٹے سے منصب پر راضی ہوگئے، اور اس کے حصول کو اپنا مطمح نظر بنا لیا انہوں نے غالب کا شعر ؎

توفیق باندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

پڑھ کر کہا کہ وہ قطرہ جو صدف میں جاکر موتی ہی بننے پر قانع ہے، پیرس کی رقاصہ کے گلے کی زینت بھی بن سکتا ہے، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ سلطان وہ قطرۂ آب ہوں جو ایک مسلمان کی آنکھ کا آنسو بن کر روضۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر گرایا جائے۔

سید سلیمان صاحب نے مقابر و آثر کے متعلق سلطان سے علمی گفتگو کی، اور کہا کہ مذہبی حیثیت سے مقابر و آثر دونوں کی الگ الگ حیثیتیں ہیں، مقابر کی تعمیر اور بنا کے متعلق احادیث اور فقہ میں تصریحی الفاظ ممانعت کے ملتے ہیں، گو ایک فریق ان کی تاویل کرتا ہے، اور وہ ایسا نہیں سمجھتا، تاہم اس کی ایک شرعی حیثیت ہے، اور اس لئے ضرورت ہے کہ علمائے اسلام کے سامنے کھلے طریقے

سے اس مسئلہ کو پیش کر کے ان کے متعلق فتوی طلب کیا جائے جو یقیناً کثرت تعداد کے لحاظ سے حق کے خلاف نہ ہوگا، لیکن مآثر یعنی وہ مقامات مقدسہ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کرام سے کوئی خاص نسبت ہے، ان کی حفاظت یا ان کی تعمیر و بنا کی ممانعت سے احادیث نبوی کا دفتر تمام تر خالی ہے، اس پر اگر بحث ہو سکتی ہے، تو صرف ان کی صحت اسناد یا عدم صحت سے۔ البتہ ان مآثر میں اگر جاہل مسلمان ایسے اعمال کریں جو شرع کے خلاف ہوں تو مثل دوسری چیزوں کے یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہاں ایسے نگراں یا پولیس کے سپاہی مقرر کرے جو زائرین کو ان اعمال سے باز رکھیں، سلطان نے اس کے جواب میں کہا کہ میں مذہبی عالم نہیں ہوں، اس لئے اس کا جواب نہیں دے سکتا، آپ اس بارے میں ہمارے علماء سے گفتگو کیجئے، اور اس لئے علما کی ایک مجلس ترتیب دینے کا خیال ہے۔

تیسری ملاقات

تیسری بار ہم میں سے دو ارکان شوکت علی، محمد علی، جناب شیخ ابو العزائم ماضی کے ہمراہ سلطان سے جاکر ملے، اس ملاقات کو شیخ ابو العزائم نے سلطان سے خط و کتابت کے ذریعہ سے طے کیا تھا، اور طے کرنے کے بعد ہم میں سے اپنے ہمراہ چلنے کی درخواست کی، شیخ ابو العزائم مصر میں وادی نیل کی خلافت کمیٹی کے بانی اور صدر ہیں، اور ہم سے اور ہماری جمعیت سے محبت کرتے تھے، ان کا منشا یہ تھا کہ بیچ میں پڑ کر ہماری جمعیت اور سلطان کے درمیان کوئی سمجھوتہ کرا دیں،

ان کے پاس سلطان کے مقربین میں سے ایک صاحب تشریف لائے تھے، اور ان سے کہا تھا کہ جمعیت خلافت اور سلطان کے درمیان کچھ غلط فہمی تھی جسے سلطان دور کرنا چاہتے ہیں، ہم نے کہا کہ اگر سلطان ہم سے پھر ملنا چاہتے ہیں تاکہ گفتگو کرنے سے کسی نتیجہ پر پہنچیں تو ہم خوشی سے جانے کو تیار ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ سلطان ملنا چاہتے ہیں، ہم کو شروع کی دو ملاقاتیں کرنے کے بعد اس کی بہت کم امید تھی کہ سلطان ابن سعود ہمارے دونوں اہم مسئلوں یعنی تشکیل حکومت حجاز، اور آثار اور مقابر کی دوبارہ تعمیر میں کوئی تشفی آمیز جواب دے سکیں گے، تاہم اگر کوئی معقول صورت نکل سکے جس سے جمعیت خلافت کے ان احکام کی ہم تعمیل کرا سکتے تو اس کے لئے ہم ہر طرح تیار تھے، شیخ ابوالعزایم صاحب سلطان کے پاس بیٹھے تھے، ہمارے ارکان دوسری طرف کچھ فاصلے سے بیٹھے تھے، اول گفتگو سلطان اور شیخ ابوالعزایم کے درمیان ہوتی رہی، اور ہم خاموش بیٹھے سن رہے تھے، شیخ ابوالعزایم کی خواہش تھی کہ اگر ہم سلطان کی امداد کر سکے یا ان سے تشفی پا سکے تو اس میں ان کی خوشی اور نیک نامی دونوں تھی اسلئے ان کی گفتگو سلطان کی مدح و توصیف سے شروع ہوئی تھی، اور اس کے درمیان میں ہمارے اخلاص اور جوش اسلامی کی بھی تعریف تھی، اس ملاقات میں سلطان ابن سعود زیادہ جوش اور کچھ غیظ میں بھی معلوم ہوتے تھے، کیونکہ انہوں نے اپنی گفتگو میں ذرا زور کی آواز سے کہا کہ میں تیار ہوں کہ

حجاز کو چھوڑ کر چلا جاؤں، بشرطیکہ شوکت علی محمد علی اپنی فوجیں لائیں، اور امن حجاز کی ذمہ داری لے لیں، جس پر ہم میں سے شوکت علی صاحب نے مجبور ہو کر گفتگو میں شرکت کی اور شیخ ابوالعزائم کے ہمراہیوں میں سے محمد کامل صاحب کے ذریعہ سے سلطان سے عرض کیا کہ وہ امیر ہیں اور ہم فقیر، وہ صاحب سیف ہیں جس کا وہ بار بار ذکر کر چکے ہیں، اور ہماری گردن میں غلامی کا طوق ہے لیکن ان کی طرح ہمارے دلوں میں بھی اسلام کی خدمت کا شوق اور اس کی محبت موجود ہے، اور ہم بھی جان و مال قربان کرنے کو ہر وقت تیار ہیں، آج ہم کوئی انتظام یہاں کے امن کا نہیں کر سکتے، لیکن خدا کے فضل پر بھروسہ کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ انشاء اللہ آئندہ اس کا انتظام ہو سکے گا، اس وقت ہم سلطان کے سوال کا صحیح جواب دے سکیں گے۔

ہم نے عرض کیا کہ مزارات کے متعلق آپ اپنی قوم سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ کہ ان کی خواہش کے مطابق آپ نے مزارات کو منہدم کرا دیا، اور ان کی خوشی پوری کر دی لیکن حجاز مسلمانوں کا مشترک اور مقدس مرکز ہے اور اس کے بارہ میں عالم اسلام کو فیصلہ کرنے کا حق ہے، اس لئے مزارات کے مسئلہ کو عالم اسلامی کے علما پر چھوڑ دینا چاہئے، اور ان کا فیصلہ اس بارہ میں قطعی ہو گا، عالم اسلام اس کو کبھی قبول نہیں کر سکتا کہ اس کے علما کی رائے کی کوئی وقعت نہ ہو، اور صرف نجد کے علما جو چاہیں اس مشترکہ حرم میں کر گزریں، گفتگو تیز تھی، سلطان نے

ہماری معقول تجویز کا یہ جواب دیا کہ میں علماء عالم سے مشورہ کروں گا، مگر اخیر میں یہ دیکھوں گا کہ ان کا فیصلہ اتباع ہوئی پر تو نہیں، اس پر محمد علی صاحب نے پوچھا کہ اس کو کس طرح جانچئے گا جواب سلطان نے یہ دیا کہ اس کی جانچ کتاب اور سنت کا سے کروں گا لیکن جب یہ کہا گیا کہ کتاب اور سنت ایک ہے، مگر اس کی تفسیر و تاویل میں اختلاف ہوتا ہے، اور بہرحال تمام عالم کے علما کی تفسیر و تاویل یقینی طور پر علما، نجد کی تفسیر و تاویل کے مقابلہ میں زیادہ معتبر ہونی چاہئے تو پھر مبہم الفاظ میں سلطان نے وہی کتاب وسنت کا ذکر کیا، اور آخری فیصلہ اپنے ہی ہاتھ میں رکھنا چاہا۔

باہر نکلنے کے بعد ہم سے شیخ ابوالعزائم ماضی نے ایک اور بات کہی جس کا تذکرہ کرنا یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے، اور جس سے ایک عجیب وغریب ذہنیت کا پتہ چلتا ہے، شیخ ابوالعزائم نے مجھ سے یہ کہا کہ جمعیت خلافت اور شوکت علی و محمد علی اور ان کی جماعت جو جمہوریت کی موافقت میں زور دیتے ہیں تو اس میں ان کی ذاتی غرض پوشیدہ ہے، وہ یہ چاہتے ہیں کہ جمہوریت حجاز کا پہلا صدر خود شوکت علی ہو۔

اس خبر کو سننے کے بعد سلطان سے گفتگو کا موقعہ نہیں آیا، مگر ان کے مقربین سے ہم نے کہدیا کہ اگر ہم کو ذاتی منفعت منظور ہوتی تو اس کو پورا کرنے کے لئے حجاز آنے کی ضرورت نہ تھی، جہاں دولت و ثروت کی جگہ ریت اور اونٹ کی

مینگنیاں ہوتی ہیں، عیش و آرام کے سامان تو ہندوستان میں بدرجۂ اولیٰ موجود تھے، اگر ہم کو دنیاوی ہوس ہوتی تو ہم حجاز نہ آتے، اور اس جدوجہد میں نہ پڑتے، وہاں انگریزوں سے دوستی کرتے، عیش و آرام کا سامان مہیا کرتے، ہم کو اور ہماری جماعت کو حجاز سے کچھ لینا منظور نہیں، ہم حجاز کو کچھ نہ کچھ دینے آئے ہیں، یہاں سے سوائے جنت کے کچھ لینا نہیں چاہتے، ہم کو حجاز مقدس میں حکومت کا شوق نہیں ہے، اگر جاروب کشی اور گندگی اور میلا اٹھانے والوں کی ضرورت ہو تو ہم فخر کے ساتھ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی یہ خدمت قبول کر کے نجات دارین حاصل کریں گے جہاں تک ہم نے تحقیقات کی ہے، کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ شیخ ابوالعزائم کی اس گفتگو کو ہم جھوٹ سمجھیں، اور سلطان کے مقربین میں سے جن سے اس کا ذکر کیا گیا ایک نے بھی اس کی تردید نہیں کی۔

آخری ملاقات

گو سلطان سے اس کے بعد بھی کئی دفعہ مختلف موقعوں پر ملاقاتیں ہوئیں مگر اُن میں معاملات سے متعلق کوئی باضابطہ گفتگو نہیں ہوئی، اس لئے ان کا ذکر ضروری نہیں، آخری ملاقات موتمر کے ختم ہونے کے بعد مکہ سے روانگی کے دن ۶ر جولائی ۱۹۲۶ء کو ہوئی۔

اس ملاقات کا انتظام شیخ عبدالعزیز عتیقی نے کیا تھا اور وہی لے کر

ہم سب لوگوں کو جن میں ارکان جمعیت العلما بھی تھے، سلطان کے پاس گئے، سلطان نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ہم میں سے ہرایک کے ساتھ مصافحہ کیا، اور رخصت اور وداع کی تقریب سے پُر محبت کلمات ادا فرمائے، ہم نے ان کی مہمانی اور عنایت کا شکریہ ادا کیا، سلطان نے کہا ہم مسلمانان ہندوستان کے نہایت ممنون ہیں، اور یقین جانئے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں صرف ہندوستان ہی کے مسلمانوں پر بھروسہ کرتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اُن کی تمام کوششیں بغرضانہ ہیں، اور اُن کا دل، اور زبان ایک ہے، میرا خیال تھا کہ حکومت حجاز کیلئے جن اہل فن کی ضرورت ہے ان کے متعلق میں آپ لوگوں سے درخواست کروں، اس موقع پر ہم لوگوں نے اس خدمت کی بجا آوری کے لئے مستعدی ظاہر کی، اور سید عمر صاحب ٹونکی کا نام پیش کیا جو اتفاق سے اس سال حج میں جرمنی سے برقیات کی تکمیل کرکے آئے تھے، سلطان نے نہایت خوش ہو کر اُن سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی، اور شیخ علیتی کو حکم دیا کہ وہ سید عمر صاحب کو بلا کر لائیں۔

اسی سلسلہ میں ہم نے مسعیٰ میں اونٹوں کے بٹھانے سے جو تنگی ہو جاتی ہے، اور حاجیوں کو تکلیف ہوتی ہے اُس کی طرف توجہ دلائی، سلطان نے کہا کہ یہ امر خود ہمارے ذہن میں تھا، مسعیٰ کا میدان اس سے پہلے بہت زیادہ تھا، مگر لوگوں نے قبضہ کرکے اپنے مکانات بنالئے، اور موجودہ میدان بہت

تنگ ہو گیا، ضرورت ہے کہ اس کو وسیع کیا جائے، پھر ہم نے رمی میں اونٹوں کے بے تحاشا دوڑانے کے متعلق عرض کیا کہ اس سے حاجیوں کو بہت تکلیف ہوئی، سلطان نے کہا بیشک، اس سے حاجیوں کو تکلیف ہوئی، اسی لئے ہم نے یہ ارادہ کیا ہے کہ آئندہ علما سے اس بارہ میں فتوی طلب کریں، اور آئندہ اونٹوں پر سوار ہو کر رمی کرنے سے لوگوں کو روک دیں، تاکہ عام حاجیوں کو تکلیف نہ ہو، اسی طرح دوسرے انتظامات کا تذکرہ آیا۔

آخر میں رخصت ہوتے ہوئے سلطان نے کہا کہ سفر کا تمام سامان مہیا ہو گیا ہے یا نہیں، اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیان کیجئے، ہم نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ تمام سامان بحمد اللہ مکمل ہو گیا ہے، اور انہوں نے پھر کہا کہ ایک چھوٹے سے خیمہ کا ساتھ ہونا بھی ضروری ہے، اگر نہ ہو، تو وہ ساتھ کر دیا جائے، ہم نے دوبارہ شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس کا سامان بھی ہو چکا ہے، اس کے بعد سلطان نہایت گرمجوشی سے ہم لوگوں سے ملے، اور ہم اُن سے رخصت ہوئے۔

لجنۃ تحضیریہ میں شرکت

مؤتمر کے انعقاد کے پہلے غالباً سید رشید رضا صاحب نے مجلس استقبالیہ کی طرف سے مؤتمر کا ایک نظام اور دستور العمل تیار کیا تھا، ہمارے پہنچنے کے تیسرے دن ۱۶ر ذی قعدہ سنہ ۱۳۴۴ھ کو حافظ وہبہ صاحب کا خط وفد کے نام آیا کہ مؤتمر سے پہلے مؤتمر کے نظام و قواعد پر غور کرنے کے لئے ایک

مجلس بنام لجنۃ تحضیریہ مقرر کی گئی ہے جس میں ہر وفد کی طرف سے ایک ایک ممبر شریک ہوگا، اس وقت تک صرف جاوہ اور ہندوستان کے وفود پہنچے تھے، اس بنا پر مولانا کفایت اللہ صاحب (جمعیت العلما ہند) مولوی ثنا اللہ صاحب (اہلحدیث کانفرنس) سید سلیمان صاحب (مجلس خلافت) حاجی منصور (شرکت الاسلام جاوا) سید رشید رضا (رکن خاص) حافظ وہبہ (ناظم مجلس استقبالیہ نمائندہ حکومت) دار باناجہ میں تین دن تک بعد نماز عصر جمع ہو کر پیش کردہ نظام نامہ پر مباحثہ اور تبادلۂ خیالات کرتے رہے، اور خلافت وجمعیت کے نمائندوں نے نظامنامہ کے ان واقعات کے متعلق ترمیمیں پیش کیں جو موتمر یا اسلامی جمہور کے اقتدار اور قوت کو منحصر یا بہت محدود کرتے تھے، خصوصًا اسلامی ممالک والوں کی نیابت اور نمائندگی کو آبادی اور تعداد کے اصول پر پیش کیا، مگر افسوس کہ کثرت رائے نے ہمارا ساتھ نہ دیا، اگر اس وقت یہ چیز طے ہو جاتی تو موتمر کے دن اس میں برباد نہ جاتے، بہرحال اس لجنۃ تحضیریہ کا کام تین دن جاری رہا، اور اس میں نظامنامہ کے آدھے حصے پر نظر ثانی کی جا سکی۔

مجلس العلما

۳۱ رمئی ۱۹۲۶ء کو ہمارے وفد کو سرکاری اطلاع دی گئی کہ کل بعد ظہر علما کا ایک جلسہ دار باناجہ میں اس غرض سے منعقد ہوگا کہ بعض مذہبی مسائل میں باہم گفتگو کی جائے، اس مجلس میں مصر، شام، فلسطین، سوڈان، جاوا، اور

ہندوستان کے وفود کے علاوہ جو اس وقت تک پہنچ چکے تھے، ہندوستان اور دیگر ملکوں کے عام علمار کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی، جن میں اہل حدیث کی تعداد خاصی تھی، ہمارے وفد کے تمام ارکان نے بھی اس میں شرکت کی، سلطان کی تقریر سے جلسہ کا آغاز ہوا، اس تقریر میں یہ کہا گیا تھا کہ ہم تمام مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ ہم کتاب وسنت کو مضبوط پکڑیں، اور اپنے فرقہ دارانہ خیالات کو چھوڑ کر کتاب وسنت پر متحد ہو جائیں، ان کے بعد رشید رضا صاحب نے تقریر کی، جس میں سرتاپا اہل نجد کی مداحی تھی، اور ان کو روئے زمین کا بہترین مسلمان قرار دیا گیا تھا، بعد ازیں مصر و شام اور سوڈان کے علمانے یکے بعد دیگرے اُٹھ اُٹھ کر سلطان کی تعریفیں کیں، اور ان کی دعوت پر لبیک کہا، محمد علی صاحب نے اُٹھ کر کہا کہ ہم اسی کتاب وسنت کے نام پر آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ ملوکیت چھوڑ کر جمہوریت اختیار کیجئے، اور قیصر وکسریٰ کے بجائے صدیقؓ و فاروقؓ کی سنت اختیار کیجئے، مولوی عبدالحلیم صاحب (جمعیۃ العلما) نے اسلام کے دوسرے فرقوں کے ساتھ رواداری کی ضرورت ظاہر کی، اور اس کی شکایت کی کہ بعض اہل نجد دوسرے مسلمانوں کو ذرا ذرا سی بات پر کافر و مشرک کہہ بیٹھتے ہیں، مولانا کفایت اللہ صاحب (جمعیۃ العلما) نے اس کی تائید میں تقریر کی، اس پر سلطان اور ابن بلیہد قاضی القضاۃ نے مشتعل ہو کر اس کا جواب دیا، اور افسوس ہے کہ ہندوستان کے اہل حدیث اصحاب نے شور و شغب برپا کیا

اسی اثنا میں سید سلیمان صاحب نے کھڑے ہو کر اسلامی رواداری کے متعلق تقریر کی اور کہا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اہل نجد یہاں معمولی معمولی باتوں پر مثلاً سگریٹ اور حقہ پینے پر لوگوں کو مارتے ہیں، اور ذرا ذرا سی بات پر تشدد کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح سنا ہے کہ رمضان میں تراویح دو تین روز تک ۲۰ رکعت پڑھی گئی۔ اور اس کے بعد حکماً سب کو آٹھ رکعت پڑھنے پر مجبور کیا گیا۔ سلطان نے کہا کہ صحیح نہیں، میں نے خود کئی روز تک بیس رکعت تراویح پڑھی مگر بعد کو مکہ کے دو کاندار میرے پاس آئے، اور کہا کہ ہم لوگ کاروباری آدمی ہیں۔ بیس رکعت پڑھنے میں وقت زیادہ لگتا ہے، اس لئے آٹھ رکعت پڑھنے کی اجازت دیجئے۔ اس پر ہم نے عمل کیا اور اس کے بعد عبداللہ شیبی، سید حسین نائب حرم وغیرہ چند سرکاری ملکی اشخاص جو موجود تھے انہوں نے اس کی تائید کی، پہلا اجلاس اس طرح ختم ہوگیا۔

دوسرے دن پھر بعد نماز ظہر اس مجلس کا جلسہ ہوا سلطان اس دن شریک نہ تھے۔ سب سے پہلے سید سلیمان صاحب نے مسئلہ مقابر و مآثر پر ایک پرزور تقریر کی، اور آیات و احادیث اور تاریخ و سیر کے حوالے سے اپنے مدعا کو ثابت کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم یہاں مجلس خلافت کی طرف سے تین باتیں لے کر آئے ہیں:۔

اوّل یہ کہ کتاب و سنت پر عمل کے ساتھ ساتھ ان امور میں وسعت

دینی چاہیئے، جن میں خود صحابہ و تابعین مختلف تھے، مقرّر نے اس کی متعدد
مثالیں احادیث اور عمل صحابہ سے پیش کیں پھر کہا کہ

دوسری چیز یہ ہے کہ کتاب وسنت کے نتائج کا سب سے پہلا
منظر خود حکومت کو ہونا چاہیئے کہ طرز اول کے مطابق خلیفہ کا انتخاب شرع
اور وراثت سے پاک ہو۔

تیسری چیز مقابر و مآثر کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ میں یہ بات جان لینا
چاہیئے کہ یہاں دو چیزیں ہیں، مقابر و مآثر اور ان دونوں کے احکام
الگ الگ ہیں، مسئلہ مقابر کی نسبت اس پر سب کا اتفاق ہے، کہ احادیث
صحیحہ میں بناء علی القبور اور تخصیص قبور وغیرہ کی ممانعت آئی ہے، گو ایک مخ
فریق کے نزدیک اس کے معنی کچھ اور ہوں، اس بنا پر اگر سلطان تمام
دنیائے اسلام کے علما کے فیصلہ کا انتظار کرتے تو یقیناً ان کو ناامیدی
ہوتی، اور اس طرح ذمہ داری بجائے ان کی ذات کے یا اہل نجد کے تمام
دنیائے اسلام پر بٹ جاتی۔ مآثر کا سلسلہ اس سے الگ ہے، مآثر سے
وہ مقامات ہیں جن کو انبیا یا صحابہ کی طرف کسی حیثیت سے نسبت ہو
قرآن وحدیث اور آثار سلف میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ان مآثر پر عمارتوں
کے بنانے یا مساجد بنا دینے سے منع کرتی ہو بلکہ قرآن پاک، احادیث اور
اور آثار میں ایسے مآثر کا ذکر ہے، اس بنا پر ان مآثر کی عمارتوں کو منہدم

راد بنا شدت اور غلو کے سوا کوئی شرعی توجیہ نہیں رکھتا، ہم کو معلوم ہے
جاہل مسلمان وہاں بعض غیر شرعی اعمال کرتے ہیں، ان اعمال کو روکنا
ہیے تھا یا یہ عمارتیں یا بعض عمارتیں جو غیر شرعی طور پر یا غیر مستند مواقع
بنائی گئی تھیں ان کی تصحیح کی جاتی، مثلاً مولد نبوی کی موجودہ شکل یقیناً صحیح
تھی، مگر زمانۂ سلف میں اس کی شکل مسجد کی تھی، جس میں نماز پڑھی جاتی تھی،
موجودہ شکل حقیقی مولد کے کمرہ کی بنائی گئی تھی، جو صحیح و مستند نہ تھی، اس کی
صحیح کر دینی چاہئے تھی، اور غلاف کٹہرہ، سنگ مرمر کی سل وغیرہ ہٹائی جا سکتی
تھی، مگر نفس عمارت کو توڑ ڈالنا شدت اور غلو کی انتہا ہے، مقام ابراہیم،
فا ومروہ، چاہ زمزم وغیرہ تمام آثار و آثار ابراہیمی ہیں، کیا ان کو بھی منہدم
ردیا جائے گا، غرضیکہ ایک مفصل تقریر تھی، اور اس تقریر کا کسی نے کوئی
واب نہیں دیا، جب رشید رضا صاحب نے اٹھ کر کہا کہ چونکہ ہم اتحاد کے
الب ہیں اس لئے بہت سی باتوں کا جواب دینا نہیں چاہتے، اور دو ایک
عالموں نے وعظ کے رنگ میں تقریریں شروع کیں تو حافظ وہبہ نے کہا کہ ہم
یہاں شاعری کے لئے نہیں آئے ہیں، ہم کو کام کرنا ہے، اس لئے بہتر ہے
کہ ہم پانچ چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی بنالیں جو موتمر سے پہلے نظامنامہ مرتب
کرے، سید سلیمان صاحب کی ہیں اس تجویز میں یہ ترمیم چاہتا ہوں، کہ اس
مجلس میں وہی ارکان وفود منتخب ہوں، جو کسی جماعت یا جمعیت کے باقاعدہ

نمائندہ ہوں، قاضی ابو العزائم صاحب (مصری) نے اس کی تائید کی، سید رشید رضا اور ان کے بعض دیگر رفقا نے اس ترمیم کی مخالفت کی، محمد علی صاحب اور شوکت علی صاحب نے حافظ وہبہ کی اس نفس تجویز کی مخالفت کی، اور اس مجلس کو اس قدر مختصر نہ بنایا جائے بلکہ اس کو وسیع رکھنا چاہیے اور ہر شخص کو اس میں موقع دینا چاہیے، بہر حال یہ جلسہ بلا نتیجہ ختم ہو گیا، اور پھر موتمر سے پہلے کوئی باقاعدہ جلسہ نہ ہو سکا۔

جنت البقیع کے مزارات کا انہدام

۲۶ رمئی کو اکبر جہاز ساحل پر لنگر انداز ہوا، اس وقت سب سے پہلی جو وحشت ناک اور جگر گداز خبریں موصول ہوئی، وہ جنت البقیع .... اور دیگر مقامات کے مزارات کے انہدام کی تھی، لیکن ہم نے اس خبر کے قبول کرنے میں تامل کیا، اس لیے کہ سلطان ابن سعود خلافت کمیٹی کے دوسرے وفد کو تحریری وعدے دے چکے تھے کہ وہ مدینہ منورہ میں تمام مبانی ماثر کو اپنی اصلی حالت پر باقی رکھیں گے، اور ان میں کسی قسم کا تغیر روا نہ رکھیں گے، جبتک کہ موتمر اسلامی کوئی آخری فیصلہ نہ کر دے، اس مضمون کا ایک بلاغ بھی سلطان نے دوسرے وفد کو لکھ کر دیا تھا جسے ہندوستان میں شائع کیا گیا اور جس کی وجہ سے ملک میں امن و سکون پیدا ہو گیا تھا سفیر ایران کو تو وہ ایک تحریر بھی لکھ کر دے چکے تھے، جس میں انہوں نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ نہ صرف مدینہ منورہ کے

مزارات کی حفاظت کی جائے گی بلکہ اگر دنیائے اسلام مکہ معظمہ کی منہدم شدہ عمارات کو دوبارہ بنوانا چاہے تو ان کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوگی۔

جب تیسرا وفد حجاز گیا، تو اس سے سرکاری طور پر کہا گیا کہ مکہ کی مساجد اور مقابر کی تعمیر اور مقابر کے تحفظ کے متعلق احکامات صادر ہو گئے ہیں، اور مدینہ کے آثار اور مقابر کا پورا احترام و تحفظ کیا جائے گا اور سلطان نے اپنے بیٹے امیر محمد کو ایک خط لکھا کہ وہ مدینہ میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آنے دیں، جس کی وجہ سے دنیائے اسلام میں انتشار اور ہیجان پیدا ہو، اور مدینہ منورہ کے آثار و مقابر کے باب میں وفد خلافت کے مشورہ کے موافق کام کریں۔

لیکن جدہ پہنچکر ہم نے سب سے پہلے ایک رکن حکومت شیخ عبدالعزیز عتیقی سے جب اس خبر کی حقیقت دریافت کی تو انہوں نے تصدیق کی، اور یہ فرمایا کہ نجدی قوم، بدعت، اور کفر کے استیصال کو اپنا پہلا فرض خیال کرتی ہے، اور اس مسئلہ میں وہ دنیائے اسلام کے مصالح کی کوئی پرواہ نہیں کرے گی، خواہ دنیائے اسلام خوش ہو یا ناراض۔

مکہ پہنچ کر جب ہم نے سلطان سے اس مسئلہ میں گفتگو کی تو انہوں نے جو جواب دیا وہ ہمیں مطمئن نہیں کرسکا اور نہ دنیائے اسلام کی اکثریت کو مطمئن کرسکتا ہے جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں اس بحث کی تفصیل لکھ آئے ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ دلچسپ وہ فتویٰ ہے جسے علماء مدینہ کے نام

سے "اُم القریٰ" نے شائع کیا ہے، اور یہ لکھا ہے کہ قبوں کے ہدم کا فتویٰ خود اہلِ مدینہ نے دیا تھا، لیکن مدینہ پہنچکر جب ہم نے اس کی تحقیقات کی تو جو انکشافات ہوئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :۔

اِس فتوے کی حقیقت کے متعلق جو حالات ہم سے بیان کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ قاضی عبداللہ بن بلیہد جب مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے علماء مدینہ کو اپنے مکان میں بلوایا، علماء مدینہ ان کے مکان پہ جمع ہوگئے تو قاضی عبداللہ بن بلیہد مکان کے اندر تھے، ان کے حقیقی بھائی حمد بن بلیہد پہلے باہر نکلے اور علماء مدینہ کو ان الفاظ سے مخاطب کیا :۔

یا اهل حجاز انتم اشد کفرا من هامان و فرعون نحن قاتلنا کم مقاتلة المسلمین مع الکفار، انتم عباد حمزة و عبد القادر ۔

علماء مدینہ نے کہا کہ ہم سوائے خداوند قدوس کے کسی کی پرستش نہیں کرتے اور ہم بحمداللہ مسلمان اور مومن ہیں ۔

اس کے جواب میں حمد بن بلیہد نے کہا کہ کفار بھی بالکل ایسا ہی کیا کرتے تھے اور " ما نعبدهم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ " کہکر اپنی بت پرستی اور کفر نوازی سے انکار کیا کرتے تھے ۔

علماء مدینہ نے اس اعتراض کا جواب دیا مگر حمد بن بلیہد نے جواب کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، کہا جاتا ہے کہ وہ علماء مدینہ کو سخت الفاظ سے مخاطب کرتے رہے ۔

اس کے بعد قاضی عبداللہ بن بلیہد تشریف لائے تو انہوں نے علماء مدینہ سے حسب ذیل مسائل کے متعلق سوالات کئے۔

(۱) کیا قبروں پر قبے تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اس کا ثبوت لاؤ اور اگر جائز نہیں تو ان کا ہدم ضروری ہے یا نہیں۔

(۲) غیراللہ کی نذا کرنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۳) قبروں پر چراغ جلانا، چادریں چڑھانا، اور ان کا طواف کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے، جو لوگ ان افعال کا ارتکاب کرتے ہیں، وہ مسلمان ہیں یا مشرک؟

علماء مدینہ نے ان سے گزارش کی کہ ہم آپس میں مشورہ کرکے آپ کو جواب دیں گے، اس پر عبداللہ بن بلیہد قاضی القضاۃ نے سخت لہجہ میں فرمایا، کیا تم اب جاکر پڑھوگے، اور پھر جواب دوگے، اگر علماء مدینہ نے کہا کہ ہم بغیر کسی مشورہ کے کوئی جواب نہیں دے سکتے، چنانچہ انہیں مہلت دی گئی، اور دوسرے دن علماء مدینہ نے باہمی مشورہ کے بعد قاضی القضاۃ صاحب کو حسب ذیل جواب دیا۔

"آپ اپنے استفتا ہیں سے مسئلہ قباب کے علاوہ باقی تمام مسائل کو حذف کر دیجیے، کیونکہ ان مسائل میں کوئی شخص بھی آپ سے اتفاق نہیں کرے گا، ہم میں سے کسی ایک شخص کا بھی یہ خیال نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو کافر یا مشرک کہنا روا رکھتا ہے"

مسئلہ قباب کے متعلق علماء مدینہ کی دو جماعتیں تھیں، ایک جماعت کا یہ خیال

تھا کہ قبوں کی تعمیر شرعاً ممنوع نہیں، جسے انہوں نے قاضی صاحب کے سامنے بڑی جرأت کے ساتھ ظاہر کیا، اسی جماعت میں مولانا عبدالباقی صاحب فرنگی محلی تھے، دوسری جماعت کا خیال یہ تھا کہ اگرچہ تعمیر قباب جائز نہیں، مگران کا ہدم بھی غیر ضروری ہے، اس لئے کہ ان کے گرا دینے سے ساری دنیائے اسلام میں ایک زبردست شورش پیدا ہو جائے گی، جو مسلمانان عالم کے تشتت اور تفریق کا باعث ہوگی، اور بجائے اس کے کہ دنیائے اسلام کو حجاز کے ساتھ کوئی ہمدردی ہو، سخت بیزاری پیدا ہو جائے گی، اور اس کے خطرناک نتائج اہل حجاز اور حکومت حجاز دونوں کے لئے بدترین ثابت ہوں گے۔

ان مسائل میں قاضی عبداللہ بن بلیہد اور علماء مدینہ کے درمیان بڑی دیر تک بحث و مباحثہ ہوتا رہا، ان کے ضمن میں مسئلہ حیات النبی بھی آیا، جس کے متعلق علماء مدینہ نے اپنے عقائد و خیالات کا صاف صاف اظہار کیا مگر معاملہ بحث و دلائل کی حد سے باہر تھا، قاضی عبداللہ بن بلیہد نجدی قوم میں بہت زیادہ ہوشیار اور دور حاضر کی موجودہ سیاست کے زبردست ماہر مانے جاتے ہیں، دوسرے دن انہوں نے یہ صورت اختیار کی کہ جو علماء ان کی مخالفت میں زیادہ پیش پیش تھے انہیں چھوڑ کر باقی علماء کو بلوایا اور انہیں دھمکا کر یہ کہا کہ تم کو وہی لکھنا ہوگا، جو ہم چاہتے ہیں، مشاہیر علماء میں سے جن کو مدعو کیا گیا تھا، مولانا عبدالباقی اور علامہ داغستانی کے سوا باقی حضرات نے بادل ناخواستہ دستخط کر دئے۔

اوراس کے بعد وہ سب کچھ ہوگیا جس کی وجہ سے آج ساری دُنیائے اسلام میں ہیجان اور اضطراب پیدا ہوگیا ہے۔

یہ ہے علمائے مدینہ کے فتوے کی حقیقت جسے "اُم القریٰ" میں شائع کرکے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ علماء مدینہ بھی ہدم قباب کے موافق تھے۔

قباب کے انہدام کے متعلق جو بیان عمال حکومت کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ قاضی عبداللہ بلیہد جب مدینہ منورہ میں پہنچ گئے تو ان کے آنے کے دو چار روز بعد ایک شب کو چند غطغطوں نے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے روضہ کو گرانا شروع کردیا، اس کی اطلاع گورنر کو دی گئی، انہوں نے ان غطغطوں کو گرفتار کرالیا، اور جیل خانہ بھیجدیا، ان کی گرفتاری کے بعد غطغطوں میں بہت زیادہ جوش پیدا ہوگیا، اور تقریباً ستر آدمیوں کا ایک وفد عبداللہ بن بلیہد قاضی القضاۃ کے پاس آیا، اور اس نے اس گرفتاری کے خلاف سخت احتجاج کیا، اور یہ مطالبہ کیا کہ گرفتار شدہ غطغطوں کو فوراً رہا کردیا جائے، اور انہیں ان قباب کے توڑنے کی اجازت دی جائے ورنہ ہجومی کارروائیاں کریں گے، اور اس کے نتائج بہت خطرناک ہوں گے، کہا جاتا ہے کہ قاضی عبداللہ بن بلیہد نے لاسلکی کے ذریعہ سے سلطان کو ان واقعات و حوادث کی اطلاع دی، اور سلطان نے ہدم قباب کی اجازت دیدی، ہدم قباب کے متعلق جتنی معلومات ہم حاصل کرسکے، اسے بلا کم و کاست ہم نے رپورٹ میں لکھدیا ہے، سلطان کچھ فرماتے ہیں، ان کے

عمال کچھ اور ارشاد فرماتے ہیں، اور علمائے مدینہ کے بیانات سے حقیقت دوسری معلوم ہوتی ہے، بہر کیف حالات و واقعات کچھ ہی ہوں، سلطان عبد العزیز کے تمام حتمی اور واجب الایفاد عدوں کے باوجود مدینہ منورہ کے تمام قبے گرا دئے گئے اور عین اس وقت جبکہ مسلمانوں کی تمام تر توجہ اور کوشش کو ان معاملات پر صرف کرنا چاہئے تھا، جن پر مسلمانوں کی زندگی کا دار و مدار ہے، عالم اسلامی کو ایک زبردست فتنہ میں مبتلا کر دیا۔

اس سے بھی زیادہ افسوسناک چیز یہ ہے کہ غلط فہمیوں کی اس وحشت سے مکہ معظمہ کی طرح مدینۂ منورہ کی بعض مساجد بھی نہ بچ سکیں، اور قباب قبور کی طرح یہ مساجد بھی توڑ دی گئیں، جن کی تفصیل یہ ہے :۔

مساجد مدینہ منورہ جن کو توڑا گیا۔

(۱) مسجد فاطمہ متصل مسجد قبا، چھت اور دیواروں کا اکثر حصہ توڑا گیا ہے۔

(۲) مسجد ثنایا (جنگ احد میں جہاں دندان مبارک شہید ہوا تھا، وہاں یہ مسجد بنائی گئی تھی۔ چھت اور دیواروں کا اکثر حصہ ٹوٹا ہوا ہے۔

(۳) مسجد ذو قبلتین (چھت اور دیواروں کا اکثر حصہ ٹوٹا ہوا ہے)

(۴) مسجد مائدہ (چھت اور دیواروں کا اکثر حصہ ٹوٹا ہوا ہے)

(۵) مسجد اجابہ (تھوڑی سی دیوار اور قبہ توڑا گیا ہے)

ان میں ان مساجد کو شامل نہیں کیا گیا ہے جن میں قبریں ہیں، اور قبروں کو

مسجد سے علحدہ کرنے کے لئے مسجد کے بعض حصوں کو توڑا گیا ہے۔

مقابر جو توڑے گئے ہیں، ان کی تفصیل صفحہ ۱۴۲ و ۱۴۳ پر درج ہے

قبے اور دیواریں کسی کی موجود نہیں ہیں۔

قبریں

- جو دکھائی دیتی ہیں
  - جن کا تعویذ سالم ہے
    - قبر حضرت فاطمہؓ
    - قبر حلیمہ سعدیہؓ
    - قبور حضرت زینبؓ، حضرت ام کلثومؓ، حضرت رقیہؓ
  - جن کے تعویذ کو صدمہ پہنچا ہے یا پہنچایا گیا ہے۔
    - قبر حضرت عثمانؓ
- جو دکھائی نہیں دیتیں
  - جنکے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مٹی اور کنکر کے نیچے دبی ہوئی ہیں، ان کا کوئی نشان نظر نہیں آتا اس مٹی پر جس کے نیچے ان قبور کا دفن ہونا بیان کیا جاتا ہے [illegible]
  - جو بالکل زمین سے ہموار کردی گئی ہیں، قبور اہلبیت یہاں ایک چھوٹا سا چبوترہ تھا، جس پر تعویذ تھے، تعویذ اور چبوترہ دونوں توڑ دیے

نے پتھر اور گارے کے تعویذ
بنا دئے ہیں۔
(۱) مزار ازواج مطہرات (یہ تعداد
میں نو تھے اب مٹی پر ایک جدید
کچا تعویذ بنا دیا گیا) (۲) قبر
حضرت فاطمہ صغرا بنت حسینؓ (۳)
قبر سیدنا عقیل ابن جعفر صادقؓ
(۴) قبر سیدنا ابراہیم بن نبی صلی اللہ
علیہ وسلم (۵) قبر سیدنا عثمان ابن
مظعونؓ (یہ قبر جنت البقیع میں
سب سے پہلے بنائی گئی تھی اور
رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ۴۴

۴۴ حضرت عثمان کو اپنے دست مبارک سے دفن
کیا تھا) (۶) قبر حضرت امام مالکؒ (۷) قبر حضرت نافعؒ
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
کی قبور کا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔

گئے ہیں، اور قبروں کی
جگہ تختے جڑے ہوئے ہیں۔

گنبد خضرا اور مقام ابراہیم پر جو عمارت بنی ہے، اس کے انہدام کے متعلق بھی ہم نے بہت گرم افواہیں سنی تھیں، سلطان ابن سعود صاحب اس کی تردید کرتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا، سلطان کے گزشتہ وعدوں، اور ان کی خلاف ورزی کو پیش نظر رکھتے ہوئے کمیٹی خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ کہاں تک ان کے اس قول پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

موتمر اسلامی میں

سلطان ابن سعود کا خطبہ افتتاحیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب تعریف اس خدا کی جس نے ہم کو اس امر کی ہدایت کی، اور ہم ہدایت نہیں پا سکتے تھے اگر خدا ہماری ہدایت نہ کرتا، اور ہمارے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل اور اصحاب اور جو لوگ آپ سے محبت رکھنے والے ہیں ان پر درود و سلام ہو۔

اما بعد! میں آپ حضرات کا خیر مقدم کرتا ہوں، اور شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس موتمر کی دعوت قبول فرمائی۔

اے غیور مسلمانو! یہ آپ کا شاندار اجتماع اپنی شکل اور مقصد کے اعتبار سے تاریخ اسلام میں پہلا اجتماع ہے، ہم خدائے تعالیٰ سے متمنی ہیں کہ یہ سنت حسنہ بار بار ہر سال ہوا کرے، جس طرح کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے ولتعاونوا

علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان (نیکی اور تقویٰ کی حمایت کرو، اور گناہ اور ظلم کی حمایت نہ کرو) اور جیسا کہ فرمایا اللہ نے وائتمروا بینکم بمعروف اور نیک کاموں میں بھلائی سے مشورہ کرو۔

آپ حضرات اسے جانتے ہیں کہ گزشتہ زمانوں میں اس چیز کی کوئی وقعت نہ تھی جسے آج عرف عام میں رائے عامہ اسلامیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لئے حکام (اس کے پابند نہ تھے) کہ گہوارۂ اسلام اور اس کے نور کے مطلع میں جہاں سے تمام عالم میں روشنی پھیلی، اصلاح کے لئے مشورت کرے، حجاز کی تولیت بہت سی حکومتوں کے متعلق رہی ہے، ان حکومتوں کے خلفاء اور سلاطین نے اس کے بعض حالات پر توجہ کی، انہی (خلفاء وسلاطین) میں سے بعض نے کچھ اچھا سمجھ کر کیا لیکن وہ ان کی جہالت سے برا ہو گیا، بعض ان میں سے ایسے گزرے جنہوں نے اپنی ذمہ داری کا خیال نہ کیا، اور اس کا انتظام دوسروں پر چھوڑ دیا جنہوں نے اپنے حرص و ہوا کے مطابق جیسا چاہا زمین میں فساد کیا، باشندوں اور حجاج پر ظلم توڑے اور حرم میں الحاد پھیلایا۔

اس ملک سے دولت عثمانیہ کی سیادت کے زوال اور ان امراء کے آخری امیر شریف حسین بن علی کی امارت سے ظلم و ستم اور برائی پھیل گئی، لہٰذا تمام عالم اسلام اس کے مظالم و استبداد اور اس کے ملک میں امن قائم کرنے کی لاچاری اور غیر اسلامی اجنبیوں کے زیر اثر ہو جانے سے مضطرب ہو گیا (شریف حسین کے)

اجنبیوں کے زیر اثر ہونے کا پتہ سرکاری تحریروں اور جریدۂ القبلہ کی اشاعت سے چلتا ہے، نیز ہمارے پاس کاغذات جو خود اس کے دستی لکھے ہوئے ہیں، اور جن کو وہ چھوڑ گیا ہے، اس امر کی سب سے بڑی دلیل ہیں کہ اس نے اپنے آپ کو بعض اجنبی حکومتوں کا ایک ملازم بنا لیا تھا۔

ہم اہل نجد جیران حجاز اس کی سرکشیوں کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے، ہمارے دین و دنیا کو اس نے ہمیں کافر کہکر ایذا میں ڈال رکھا تھا اور ہمیں ادائے فریضۂ حج سے روک رکھا تھا، نیز ہماری رعایا کو ہمارے خلاف اکسانا وغیرہ وغیرہ جن کی تفصیل کی اس خطبہ میں گنجائش نہیں، غرضکہ جب پانی سر سے گزر گیا اور ہمارے اہل حل و عقد کے مشورے سے یہ ثابت ہو گیا کہ ہم پر شرعاً گہوارۂ اسلام کو اس کی سرکشیوں اور مظالم سے پاک کرنا واجب ہے تو ہم نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس کے لئے ارادہ کر لیا، اور اپنے مال و جان کو اللہ کے راستہ میں ڈال دیا، پھر تو اللہ نے اپنی مدد سے ہماری تائید فرمائی، اور ہم نے بلاد مقدس کو دشمنوں کی سرکشیوں سے پاک کیا، جس طرح کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے عہد اور تمام مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا۔

ہم نے اپنے وعدہ کے مطابق عقد مؤتمر اسلامی کے لئے دعوت دی اور دعوتی رقعہ میں آئندہ حکومت حجاز کے متعلق اپنی ذاتی رائے لکھی، لیکن میری پہلی دعوت کے متعلق سوائے ہندوستان کے بھائیوں کی بعض اسلامی جمعیتوں کے

کسی مسلمان نے بھی کوئی جواب نہ دیا، لیکن باوجود اس اعراض کے مجھے مسلمانوں کی جانب سے اس دیارِ مقدس کے اہتمام کے متعلق ہرگز مایوسی نہیں ہوئی اس لئے میں نے دوبارہ عقدِ موتمر کے لئے دعوت دی۔

برادران! آپ نے گزشتہ حج اور زیارت کے موقعوں پر اپنی آنکھوں سے خود دیکھا اور اپنے کانوں سے خود سنا کہ اس ملک کی حالت کیسی تھی، پورے حجاز میں امن و امان تھا، یہاں تک کہ حرمین الشریفین کے درمیان بھی ایسا امن تھا جیسا کہ نہ آج دیکھا گیا اور نہ پچھلے بہت سے قرنوں سے اس کی مثال ملتی ہے بلکہ (کہا جاسکتا ہے) کہ دنیا کے دیگر ترقی یافتہ ممالک میں بھی جو اپنا ایک نظام اور قوت رکھتے ہیں، اس سے زیادہ آسائش و امن نہیں پایا جاسکتا، وللہ الفضل والمنۃ، یہ تمام امن و آزادی صرف احکام شرع کی پابندی سے قائم ہوئی۔

میں آپ کو دعوت دیتا ہوں، کہ حجاز کے دینی، عمرانی، اور نظم کے مصالح جو آپ کی نگاہ میں ہوں، اس کے متعلق مشورت و اظہار فرمائیں، نظم ایسا ہو جو عالم اسلام کو بوجہ قیام شریعت خدا، اور اس کے احکام کے التزام اور گہوارۂ اسلام و مہبط وحی میں اس کے دین کے آداب کے متعلق مطمئن کرے، اور (حجاز کو) ان بدعات اور خرافات، فواحش و منکرات سے پاک کردے، جو سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، اور اس نظم کی وجہ سے ملک بالکل آزاد اور ہر طرح کے اجنبی نفوذ کے خطرہ سے مصئون ہو جائے۔

اور میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ ان چیزوں کی تلافی کے لئے کمربستہ ہو جائیے، جس کو ہم سے پہلے مسلمانوں نے پورا نہیں کیا اور اپنے اس دینی وطن کو چھوڑ رکھا تھا جہاں سے شمع ہدایت و عرفان نے ضیا بار ہو کر گندہ آداب و اخلاق اور سخت جہالت کی تاریکی کو چاک کر دیا۔

اور میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ اُن مسائل پر غور فرمائیں جس سے حرم اللہ و حرم رسول علم و عرفان کی حیثیت سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہو جائیں تربیت و تہذیب و آداب کے اعتبار سے بہترین مقام بن جائیں، اللہ کے ملکوں میں بلحاظ صحت و صفائی کے مکمل ہوں اور احیاء، دعوت اسلام میں تمام اسلامی ممالک سے اولیٰ و برتر کہلائیں۔

اس ملک میں ہر چیز اصلاح کی محتاج ہے، یہاں کی حکومت اور باشندے دونوں اس کی اصلاح میں عالم اسلامی کے مساعدت کے سخت ضرورت مند ہیں، کیونکہ جو وہ جانتے ہیں یہاں کے لوگ نہیں جانتے ہیں اور جس پر ان کو (عالم اسلامی کو) قدرت حاصل ہے اس پر ان کو نہیں ہے۔

اے معزز حاضرین موتمر! آج آپ اپنی موتمر میں بالکل آزاد ہیں، آپ پر اس ملک کی حکومت کی طرف سے کسی بات اور کسی رائے میں کوئی بندش نہیں ہے، سوائے اس کے کہ جس سے آپ کا مذہب آپ کو خود مقید کرتا ہے، ہاں البتہ ایک چیز ہے وہ یہ کہ وہ بین الاقوامی سیاست اور اسلامی حکومتوں اور قوتوں

کے اختلافی امور کے متعلق کوئی بحث نہ فرمائیں کیونکہ یہ موضوع بحث ان قوموں کی خاص مصلحتوں سے متعلق ہے۔

مسلمانوں کو ان کے مذہبی و مشربی نفاق نے ہلاک کر دیا ہے، ان کو میل ملاپ، ایک دوسرے کی دستگیری اور عام مشترکہ مفاد کی تلقین کیجئے، اور یہ سمجھایئے کہ ان کی جنسیت و مذہبیت عداوت کا سبب نہ ہو۔

اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑلو اور متفرق نہ ہو، اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے قلوب میں محبت ڈال دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے، تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے تھے تم کو اس نے اس سے بچایا، اور ایسی ہی خدا تم کو اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے (بیان کرتا ہے) تاکہ تم ہدایت پاجاؤ، تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلائے یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔

نیک کام کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، اور ان لوگوں کی طرح سے مت ہوجاؤ جو خدا کی نشانیوں کے آنے کے بعد متفرق اور مختلف ہوگئے اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں عذاب عظیم ہے۔

اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے اور تمہیں دین حق کے قائم کرنے اپنے اور اپنے رسول کے حرم کی خدمت کرنے کی اور مسلمانوں کی تمام جماعتوں میں

محبت پیدا کرنے کی توفیق عطا کرے۔

نتائج

نقوش، تاثرات، اور مشاہدات کے

اب اس کی ضرورت ہے کہ سفر حجاز اور شرکت موتمر کے بعد ہم جن نتائج پر پہنچے ہیں، ان کو ظاہر کیا جاتا ہے۔

تمام مسائل میں اہم ترین مسئلہ تشکیل حکومت حجاز کا ہے، اس لئے کہ اگر نظام حکومت ہی غلط ہوگا تو کسی خرابی کے انسداد اور کسی اصلاح کے نظام کے متعلق اطمینان نہیں ہوسکتا۔

ارض پاک حجاز میں حکومت کی تشکیل کے متعلق جمعیت خلافت جس فیصلہ پر ۵۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو پہنچی تھی وہ ان تلخ تجربات کا نتیجہ تھا جو کہ گزشتہ تیرہ سو برس میں عالم اسلام کو حاصل ہوئے تھے، اور جن سے سلطان ابن سعود کے ملک الحجاز بننے سے پہلے حامیان جمعیت خلافت میں سے کسی نے کبھی انکار نہ کیا تھا، بلکہ حامیان جمعیت خلافت میں سے ہر مذہبی فرقہ اور جماعت کے لوگوں نے اور ان تمام وفود کے

ارکان نے جنہیں جمعیت خلافت نے ۵۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء کے بعد وقتاً فوقتاً حجاز بھیجا تھا تلخ تجربات کو اور اس فیصلہ کو جو ان تجربات کے نتیجے تھے بلا کسی استثنار کے بطور مسلمات کے مانا تھا۔

شخصی حکومتوں اور خاندانی بادشاہتوں میں مفاد ذاتی اور خاندانی کا، مفاد ملی سے برابر تصادم ہوتا رہتا ہے، اور انسانوں سے اس کی امید رکھنا فضول ہے کہ وہ بادشاہ بن کر بھی اپنے اور اپنے خاندان کے مفاد ملت کو ہمیشہ ترجیح دیتے رہیں گے۔

اس کی تصدیق خود تاریخ اسلام سے ہوتی ہے جو اپنے اندر ہمارے لئے کافی عبرت کا سامان رکھتی ہے، تیس برس کی خلافت راشدہ گروہ معصوم انبیا کی حکومت نہ تھی اس کٹ کھنی بادشاہت (ملک عضوض) سے جو اس تیس برس کے دوراں کے بعد خلافت کے نام سے قائم ہوگئی باوجود اس کے بالکل مختلف النوع تھی کہ دورِ بادشاہت میں بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسا منہاج خلافت راشدہ پر چلنے والا متقی بادشاہ گزرا ہے اور سب بادشاہ یکساں نہ تھے، اور جو اچھے نہ تھے وہ بھی عیوب کے ساتھ بعض ایسی خوبیاں بھی رکھتے تھے، جن سے انکار صریحًا ناانصافی ہوگا۔

بہر حال اس سے بھی انکار ممکن نہیں کہ صدیوں کی اخلاقی اور روحانی منزل کے بعد کم از کم مادی حیثیت سے، ع

پھر آ گئے وہیں پہ چلے تھے جہاں سے ہم

اور اس پورے دائرے کے کھینچ چکنے کے بعد ہم نے بالآخر یہ ابق سیکھ لیا کہ اگر ہم مسلمانان عالم کی سود بہبود کے خواہاں اور اسلام کے ترقی کے آرزومند ہیں تو ہمیں سب کام چھوڑ کر پہلے حقیقی اور اصلی نظام اسلام کے احیا کے لئے کوشش کرنا چاہیے اور بقول حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سنت قیصر و کسریٰ کو چھوڑ کر سنت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف جس کو دانتوں سے پکڑے رہنے کا حکم ہمیں دربار رسالت سے ملا تھا، رجوع کرنا چاہیے۔

ملکیت عرف عام میں

۲۔ ہم نہیں چاہتے کہ الفاظ کے مختلف معنوں کے باعث کوئی غلط فہمی پیدا ہو، اس لئے یہاں یہ امر ظاہر کرنا ضروری ہے کہ ہم ملکیت اور بادشاہت اور اس قسم کے اور الفاظ کو ان کے عام مروجہ معنوں میں استعمال کر رہے ہیں اور تاریخ عالم بھی ان ہی معنوں کی تصدیق کرتی ہے۔

ان معنوں میں ملکیت اور بادشاہت کے لئے ایک خاص خاندان سے وابستگی اور ایک خاص طریقۂ توریث لازمی چیزیں ہیں جس حکومت میں حاکم کے لئے یہ ضروری نہ ہو کہ وہ کسی خاص خاندان کا رکن ہو، اور جہاں اس کیلئے کسی اہلیت کی بھی ضرورت ہو، اور محض وراثت کافی نہ ہو، اور اہلیت کی جانچ حقیقتاً ملت یا ملت کے نمائندوں کے ہاتھ میں ہو، اسے عرف عام میں ملکیت اور

بادشاہت نہیں کہتے اور نہ تاریخ میں اس قسم کی بادشاہتوں کا کہیں پتہ چلتا ہے۔

نظام خلافت کے احیاء میں پہلا قدم

۳۔ خلافت راشدہ کو نہ کسی خاندان کے ساتھ وابستگی تھی نہ یہ چیز وراثتاً کسی کو ملتی تھی، اہلبیت لازمی تھی، اور اس کی جانچ پڑتال حقیقتاً ملت بیضا کا حق تھا، اور انتخاب کے وقت خود خداوند کریم کا قائم کردہ اصول "ان اکرمکم عند اللہ اتقکم" ملت بیضا کے نمائندوں کے پیش نظر تھا، ان اصولوں کے چھوڑنے کے سبب سے، اور نظام اسلام جس کا دوسرا نام خلافت راشدہ ہے، درہم برہم ہو جانے کے باعث جو تلخ تجربات عالم اسلام کو حاصل ہو چکے تھے، انہوں نے جمعیت خلافت کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ اس نظام کے احیاء کی راہ میں پہلا قدم اس طرح اٹھائے کہ شریف حسین کے فرار ہوتے ہی حکومت حجاز کو ملکیت کی بدعت سے پاک کیا جائے اور اس ارض پاک میں خلافت راشدہ کے منہاج پر عالم اسلام کی زیر نگرانی حجازیوں کی ایک جمہوری حکومت قائم کی جائے۔

غیر مسلم دول اور مسلمانوں کی موروثی سلطنتیں

۴۔ مذکورہ بالا پچھلے تجربات اور اصول شریعت حقہ کے علاوہ جمعیت خلافت کے پیش نظر یہ امر بھی تھا کہ غیر مسلم دول کی دست درازیوں اور دست اندازیوں کے لئے جمہوری حکومت سے کہیں زیادہ موقع شخصی سلطنت اور خاندانی وراثت میں ملتا ہے، ہم نے اسلام کے اس دور انحطاط میں بارہا دیکھا ہے، کہ یورپ نے

سلاطین اور حکمران خاندانوں پر کس کس طرح دباؤ ڈالا ہے، اور ان کو کس کس طرح ترغیب و تحریص دی ہے، کہ مفاد ملت کو مفاد ذاتی اور مفاد خاندانی پر قربان کردیں، اور حقوق ملت کو حقوق ذاتی و خاندانی کے عوض بیچ ڈالیں جمہوری حکومت کا وہ صدر یا رئیس جس کا عزل و نصب اس کی ملت کے ہاتھ میں ہو، اس پر اس طرح دباؤ ڈالنا آسان نہیں، اور اگر اس پر ایسا دباؤ ڈالا بھی جائے، اور وہ بذات خود اس کا متحمل نہ ہوسکے، اور زیادہ دیر تک مقابلہ کی تاب نہ لاسکے، تب بھی ملت کے لیے اس کے مستعفی ہوجانے یا معزول کیے جانے میں مفر موجود ہے، ملت، جس کے ہاتھ میں اس کا عزل و نصب ہے اس کا ایک ایسا جانشین منتخب کرسکتی ہے، جو اس قسم کے دباؤ کا اس سے زیادہ متحمل ہوسکے، اور دیر تک اس کا مقابلہ، اور مفاد ملت کے تحفظ کے لیے کوشش کرسکے، ظاہر ہے کہ وراثت کے قاعدہ کے باعث بادشاہوں کی جانشینی محدود ہوتی ہے، اور اگر کوئی بادشاہ جس پر اس طرح دباؤ ڈالا گیا ہو، دشمنان دین و ملت کی شرائط کو قبول بھی کرے، اور مجبور ہو کر تخت و تاج سے دست بردار بھی ہوجائے، تب بھی یہ امر نہایت دشوار ہوتا ہے کہ اس کا جانشین اس سے کچھ زیادہ کرسکے، بلکہ اکثر تو یہی دیکھا گیا ہے کہ اس کا جانشین ذاتی مفاد کے خیال سے دشمنوں کی ہر شرط کو قبول کرلیتا ہے، اور اپنے پیشرو کے تخت سے دست بردار ہوجانے سے غیر متوقع طور پر ملی ہوئی سلطنت کو دشمنوں کا دیا ہوا عطیہ سمجھ کر اس کا مطیع و منقاد ہوجاتا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے

کہ وہ بھی تخت و تاج سے دست بردار ہو جائے اور یہ سلسلہ جاری رہے "تا آنکہ دشمنوں کو وراثت سلطنت میں سے کوئی آلہ کار مل جائے جس کے نام اور ذریعہ سے سیاہ و سپید کے مالک بن بیٹھیں، ایک خاندان سے وابستگی اور توریث کے طریقہ کے برخلاف اگر حاکم کا عزل و نصب ملت کے ہاتھ میں ہو تو میدان انتخاب غیر محدود اور دشمنوں کی شرائط قبول کرنے والوں کا سلسلہ لا متناہی ہے۔

اصول "ہر کہ شمشیر زند" الخ

۵۔ علاوہ بریں اگر حجاز کی حکومت کے لئے بھی یہ اصول تسلیم کر لیا جاتا کہ

ع ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند

تو جمعیت خلافت کو یہ خطرۂ عظیم صاف نظر آرہا تھا کہ یہ ارض پاک بھی ذاتی اور خاندانی مطامع کی رزمگاہ اور مختلف اقطار و امصار کے باشندوں کی رقابتوں کی جولانگاہ بن جائے گی، اور ملک گیری کی ہوس اور تیغ زنی کا ولولہ اس بقعۂ مبارک کے ہر گوشہ میں آتش جنگ کو مشتعل کر دے گا، اور اس ارض پاک میں جس میں "بلد الامین" اور "مدینۃ النبی" اپنی "حرماً آمناً" کی شان کے ساتھ شامل ہیں، بدامنی کے لئے اس طرح دروازہ کھل جائے گا، کہ اس کا پھر بند کرنا محال ہو جائے گا، اور بغض و عداوت تا قیامت قائم رہ کر عالم اسلام کو خون کے سیلاب عظیم میں ڈبو دیں گے۔

جمعیت خلافت کا فیصلہ سلطان نجد کو قبول تھا

۶۔ ان تمام خیالات اور اندیشوں سے متاثر ہو کر جمعیت خلافت نے

پہلے ہی دن سے ہردو متحارب فریق کو صاف صاف جتلا دیا تھا کہ جمعیت کسی کی بادشاہت پر بھی راضی نہیں ہے، اور گو شریف حسین اور اس کی اولاد کے گزشتہ آٹھ سال کے تجربہ نے جمعیت خلافت کو یوں بھی ان کی بادشاہت سے بیزار کردیا تھا، تاہم جمعیت کا یہ فیصلہ عام اور بلا لحاظ شخصیت و خاندان تھا، اور وہ ایک اچھے بادشاہ اور ایک خیر اندیش خاندان کی حکومت کے بھی اُسی طرح خلاف تھا جس طرح کہ ایک بڑے بادشاہ اور ایک بداندیش خاندان کی حکومت کے خلاف تھا۔

اس جگہ یہ ظاہر کردینا نامناسب نہ ہوگا کہ جمعیت کے اس فیصلہ کو شریف کے خاندان اور ان کے عمال حکومت نے کبھی تسلیم نہیں کیا، مگر سلطان ابن سعود نے اسے بلا تامل تسلیم کیا، اور بار بار اس فیصلہ پر قائم ہونے اور قائم رہنے کا اعلان و عہد کرتے رہے جیسا کہ پہلے بالتفصیل و بالصراحت تمام بیان کیا جاچکا ہے۔

وفد کے تجربہ نے مسلک جمعیت خلافت کی تصدیق کردی

۷ ۔ اس سفر حجاز اور شرکت موتمر اسلامی کے ذریعہ جو تجربہ ہم کو حاصل ہوا ہے، اس نے مسلک جمعیت خلافت کی پوری تصدیق کردی، ہم بنو امیہ اور بنو عباس کے خلفاء کے عہد کے متعلق کچھ نہیں کہتے اس لئے کہ اس کو صدیاں گزر گئیں، اور ممکن ہے کہ ان خلفا کے زمانے میں حجاز کی حالت اس حالت سے کہیں بہتر ہو، جس سے اس زمانہ کے لوگ واقف و آشنا ہیں، گو آج اس کے آثار نظر نہیں آتے۔

ملکیت اور مفادِ ملّی کا خون

۸۔ گزشتہ چار صدیوں میں ترکوں نے کمال عقیدتمندی اور عالی حوصلگی سے ارض پاک میں اس طرح زرپاشی کی کہ اگر یہ سیل زر زمین حجاز تک پہنچ جاتا، تو وادیٔ غیرذی زرع آج سیراب ہو کر بیحد زرخیز ہوتی اور علم و عمل خیر کی کھیتی ہر طرف لہلہاتی نظر آتی، مگر افسوس کہ اس زرپاشی اور سرزمین حجاز میں شریفی خاندان حائل تھا، اور باران عقیدت مندی تقریباً تمامتر اسی خاندان کی عیش پرستی میں جذب ہو گیا، اور وادی غیرذی زرع آج بھی اسی طرح تشنہ کام ہے جس طرح کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانہ میں تھی۔

حجاز کی حکومت گزشتہ چار سو سال میں بظاہر سلاطین آل عثمان کی حکومت تھی، لیکن چونکہ وہ حکومت بلا واسطہ نہ تھی، بلکہ بالواسطہ تھی، اس لئے ایک بڑی حد تک وہ شریفی حکومت تھی، اور جو قتل و نہب اور جہالت و گداگری، ترکوں کے دورِ حکومت میں اس بقعۂ مبارک میں نظر آتی تھی، وہ زیادہ تر ہر زمانہ کے شریف مکہ کا طفیل تھی۔

جس وقت سے حضرت معاویہؓ نے خلافت راشدہ کا خاتمہ کر کے حکومت کو ایک خاندان میں محدود کر دیا اور قیصر و کسریٰ کی طرح نام نہاد خلفاء کی اولاد وراثتاً ان کی جانشین ہونا شروع ہو گئی، اس وقت سے آج تک، یعنی تیرہ سو برس کے عرصہ میں مسلمانان عالم کی لاتعداد و لاتحصیٰ دولت ارض پاک حجاز کی نذر

ہو چکی ہے، لیکن آج دنیا میں شاید ہی کوئی ملک ایسا ملے جس میں حجاز سے کم امن و
راحت کے سامان موجود ہوں، گو ایسے سامان کی فراہمی صرف اس کے اپنے روپیہ
سے کی گئی ہو، اور بیرونی امداد کا ایک حبّہ بھی اس کے مصارف میں شامل نہ ہوا ہو،
موتمر کے متعدد اجلاسوں میں مندوبین اقطار و امصار نے حجاز کی افسوسناک حالت
کا رونا رویا، اور کبھی حفظان صحت کے لئے، کبھی راستوں کی تعمیر کے لئے، کبھی
بے شمار اوقاف کے احصا بلعد اصلاح کے لئے تجاویز پیش کیں، اور تبرّعات
اور صدقات کے حصول کے طریقوں پر بحث و تمحیص کی، یہ سب کارروائیاں،
مندوبین عالم اسلام کی سچی عقیدتمندی کی شاہد تھیں، لیکن خود انہیں سے ثابت
ہوا تھا کہ جب تک گزشتہ خلافت راشدہ کے بعد کا طریق حکومت نہ بدلا جائیگا،
ہرگز اس کی توقع نہیں ہو سکتی کہ آئندہ کے تبرعات و صدقات کا گزشتہ تیرہ سو
برس کے اعلانات و خیرات سے کچھ بہتر حشر ہوگا، چنانچہ ہم میں سے ایک رکن نے مجبور
ہوکر موتمر میں بچشم پُرنم کہدیا کہ میں نے نہ یورپ میں، نہ ایشیا میں کہیں اتنی گندی
سڑکیں دیکھی ہیں، جتنی اس مرکز اسلام کی سڑکیں ہیں، جہاں موتمر کے اجلاس
ہو رہے ہیں، ہم لوگ سڑکوں کی صفائی سے ناواقف نہیں، اور ہمارے چھوٹے
چھوٹے قصبوں کی میونسپلٹیوں میں جنہیں تھوڑی سی تعلیم حاصل کئے ہوئے اشخاص
چلاتے ہیں، مکہ مکرمہ کی سڑکوں سے کہیں بہتر اور صاف سڑکیں موجود ہیں، اگر تیرہ سو
برس میں سلاطین اسلام اس مرکز اسلام میں بھی اس سے بہتر انتظام نہ کر سکے، تو

اب وقت آگیا ہے کہ جمہور اسلام اس پاک سرزمین کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے۔

شریفوں کی شخصی حکومت کی خرابیاں

۹۔ سلطان نجد کی فوج ستمبر ۱۹۲۴ء میں طائف پر قابض ہوئی، اور ابتدائے اکتوبر ۱۹۲۴ء میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئی، مدینہ منورہ کا سقوط ابتدائے دسمبر ۱۹۲۵ء سے پہلے نہ ہو سکا، اور امیر علی نے جدہ کو اواخر دسمبر ۱۹۲۵ء میں خالی کیا، اس لئے بعض حصص حجاز پر تو سلطان نجد کے قبضہ کو دو برس ہوئے اور پورے حجاز پر ان کے تسلط کی عمر ہمارے قیام حجاز تک آٹھ ماہ سے زیادہ نہ تھی، اتنی قلیل مدت میں کسی حکومت سے بہت زیادہ اصلاح کی توقع نہیں کی جا سکتی، اور اپنے مشاہدات و تجربات سے جو نتائج ہم نے اخذ کئے ہیں، ان کے اخذ کرتے وقت ہم کو برابر اس کا احساس رہا ہے، کہ حجاز میں حکومت نجد کی عمر بہت تھوڑی ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں حجاز میں صدیوں کی لوٹ مار، اور گداگری شریفی خاندان کی حکومت ہی کا نتیجہ تھیں یہ خاندان اقتدار ملکیت بھی رکھتا تھا، اور اقتدار بھی، اور بادشاہوں سے زیادہ اس سے امید کی جا سکتی تھی کہ یہ اس سرزمین کو جس میں اس کے جد امجد صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد و مدفن واقع ہے، نہ صرف قتل و نہب سے محفوظ و مصئون رکھے گا، بلکہ اس کو علم کی دولت سے بھی مالا مال کردے گا، اور اس کے باشندوں کو افراد کاسہ بنا کر، احیاء اللہ ہونے کی عزت بخشے گا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اہل حجاز کی جہالت ہی میں اس نے اپنی حکومت کی بقا سمجھی، اور جس قوم کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سبق سکھایا

ہو کہ سوال کرنا ذلت اور ہلاکت ہے، اس قوم کے بے شمار افراد کو اس خاندان نے کنگالوں اور بھیک منگوں کی جماعت بنا دیا، لیکن ان گداگروں میں سب سے بڑا گداگر خود ہر زمانہ کا شریف سب سے بڑا لٹیرا ہوتا تھا، اور اسی کے اشارے سے بدوی قبائل موسم حج میں جو کہ زمانۂ جاہلیت میں اشہر الحرام میں داخل تھا، لوٹ مار کیا کرتے۔

کیا نجدی خاندان شاہی خرابیوں سے ہمیشہ بچا رہیگا؟

۱۰۔ بحمد اللہ سلطان نجد اور ان کے خاندان اور ملک والوں کا دامن اس لوٹ مار سے پاک ہے، لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا، کہ نظام حکومت اسی طرح استبدادی رہا تو کب تک حجاج و زائرین قتل و نہب سے محفوظ رہ سکیں گے اور جہالت و گداگری باشندگان حجاز سے کب دور ہوگی، ظاہر ہے کہ شریفی خاندان کی حکومت کے نقائص اس باعث نہ تھے، کہ وہ شریفی خاندان کی حکومت تھی، کیونکہ شریفیوں کا نسب اشرف الناس اور اشرف الانبیاء تک پہنچتا ہے، اور شرافت میں اس خاندان سے بڑھ کر دنیا میں کوئی خاندان نہیں، اس خاندان کی حکومت کی خرابی نظام حکومت کی خرابی کے باعث تھی، اس لئے کہ قیصر و کسریٰ کی طرح شریفیوں کی خود غرضی، عیش پرستی اور ہوسناکی ان کو اسی پر مجبور کرتی تھی کہ اکثر مفاد ذاتی و خاندانی کو مفاد دین و ملت پر ترجیح دیں اور ان جذبات سے متاثر ہو کر وہ اپنے شریف ترین خاندان کے مجد و کرم کو بھی بھول جاتے تھے، اگر یہی نظام حکومت آج بھی قایم رکھا جائے تو کون کہہ سکتا ہے کہ کل خاندان نجد کی حالت کیا ہوگی؟ سلطان نجد

میں ایک حد تک وہی سادگی سقوط مدینہ منورہ و جدہ تک موجود تھی، جو ریاض کی
"غیر متمدن" دنیا میں نظر آتی تھی، اور جس کا ذکر فخر آمیز انکسار کے ساتھ "انا بدو"
کہہ کر وہ کیا کرتے تھے، اور جو نحن نمشی حفیان" (ہم تو پیدل چلنے کے عادی
ہیں) کے اعتراف نما اعلان سے ٹپکتی تھی، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حجاز کی مقابلۃً متمدن
زندگی ان پر، اور اہل نجد پر کیا اثر کرتی ہے، اب بھی ان کے اور ان کے خاندان
والوں کے مصارف بڑھ رہے ہیں، اور گو اب تک حجاز سڑکوں سے محروم ہے مگر
یورپ کی متعدد بہت تیز رو موٹریں خریدی جا چکی ہیں جن کو دیکھ کر کسی کو "نحن نمشی
حفیان" کا شبہ نہیں ہو سکتا، صفا اور مروہ کے درمیان کا مسعیٰ افسوس ہے
کہ نہایت تنگ ہے اور نجدی قبائل کے اونٹوں نے جن کو وہاں ہرگز نہ آنا چاہیے
تھا سعی کرنے والوں پر اسے اور بھی تنگ کر دیا تھا اس پریشانی اور انتشار کا کچھ وہی اندازہ
کر سکتے ہیں جن پر یہ کیفیت گزر رہی ہے کہ ادھر باب علی کے سامنے نجدی اونٹوں کا ہجوم
ہے، اور ادھر سے سلطان نجد کے خاندان کی ایک موٹر آ گئی جس کے باعث زانو بندھے
ہوئے اونٹ گھبرا کر بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور کوئی تین ٹانگوں کی دوڑ دوڑ
رہا ہے، اور دو ٹانگوں ہی پر کھڑا ہو کر بھاگنا چاہتا ہے، اور بیچارے سعی کرنیوالے
حاجی بیت الحرام کی دیوار سے چمٹنے پر مجبور ہیں، ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر نظام حکومت شخصی
اور خاندانی رہا تو نجد کی سادگی شریفی تکلفات میں مبدل ہو جائے گی، اور پھر حاجیوں
سے حاصل کردہ محاصل ان نفس پروریوں کے لئے ہرگز کافی نہ ہوں گے، جن کیلئے

شریفیوں کی حکومت کے زمانہ میں ترکی، مصر، ہند، اور جاوا کے تبرعات و صدقات بھی کافی نہ تھے، ہم سلطان ابن سعود کے خلاف پیش بینی کے طور پر کوئی اندیشہ نہیں ظاہر کرنا چاہتے اور جیسا کہ ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں، عیش پرست خلفائے بنی امیہ میں بھی عمر ثانی جیسا متقی اور نفس کش فرماں روا گزرا ہے، لیکن شخصی اور وراثتی خاندانی حکومت کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ متقی سے متقی بادشاہ کی اولاد کیسی ہوگی، شریفی خاندان کی حکومت حجاز سے نکلکر عراق اور شرق اردن تک پھیل گئی ہے، اور نفس پرستی کے متعدد مراکز جزیرۃ العرب میں قائم ہوگئے ہیں ہم کو کیا ساری اسلامی دنیا کو اندیشہ ہے کہ کچھ ہی دن کی دیر ہے کہ ان مختلف مراکز میں ہوسناکی، عیش پرستی اور اظہار امارت کا تسابق شروع ہو جائے گا، کون کہہ سکتا ہے کہ سلطان ابن سعود کی اولاد اس قسم کے تسابق سے ابدالآباد تک بچی رہے گی؟ بہترین موٹریں اور محلات اور ان کے بعض لوازمات اب بھی مہیا کئے جا رہے ہیں، اور ع آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

اب ترکی اور مصر کے صدقات کم از کم اس کثرت سے نہ آئیں گے جس کثرت سے شریفیوں کی حکومت کے زمانے میں آیا کرتے تھے، ترکی مندوب نے تو موتمر میں صاف صاف اپنی قوم کی معذوری و مجبوری ظاہر کر دی تھی، اور دس پارہ دینے سے بھی صاف انکار کر دیا تھا، مصری صدقات کی کمی پر بھی موتمر میں ایک لمبے قاعدہ احتجاج کیا گیا تھا، اگر مذہبی تنگ نظری اور محاصل کی زیادتی نے حجاج کی تعداد کو

آئندہ گھٹا دیا تو سوائے گزشتہ صدیوں کے قتل ونہب کے اس نفس پروری کے تسابق کے لئے کون سا ذریعہ میسر آئے گا۔

یہاں ہم پھر ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ سلطان نجد اور اہل نجد کا دامن شریفی لوٹ مار سے پاک ہے، مگر ہم کو بحث موجودہ سلطان نجد اور نجدی قبائل سے نہیں ہے بلکہ بحث اس نظام حکومت سے ہے جو پہلے قتل ونہب کا باعث ہوا تھا، اور خوف ہے کہ آئندہ بھی اس کا باعث ہو ؂

مرد آخر بیں مبارک بندہ است

سلطان نجد کی دول یورپ سے مرعوبیت

۱۱۔ اس وقت شریفی قتل ونہب کے آثار مطلق نظر نہ آتے ہوں، تاہم یورپ سے شریفی مرعوبیت کے آثار آج بھی کافی طور پر نمایاں ہیں، سلطان ابن سعود نے جو خطاب افتتاحی موتمر کے پہلے اجلاس میں پڑھوایا تھا، اس میں شریف حسین کی حکومت کی شکایت کی گئی تھی کہ وہ تحت السیطرۃ الاجنبیہ غیر الاسلامیہ عامل موظف لبعض الدول الاجنبیہ تھی، لیکن اسی خطاب میں موتمر کو الخوض فی السیاسۃ الدولیہ کی ہدایت کی گئی تھی اور اس نص کی تاویل وتفسیر نمائندگان حکومت حجاز ونجد اور نامزدگان سلطان نے موتمر میں اس طرح کی تھی کہ محکوم ہندوستان میں منعقد شدہ ہزاروں جلسہ ہائے خلافت کی پیش پا افتادہ تجویز آزادی جزیرۃ العرب جس کو موتمر کے پہلے ہی جلسہ کے لئے

زوفد خلافت نے بعیت وفد جمعیت علماء ہند پیش کیا تھا، اس بنا پر ٹالی گئی کہ اصولاً سب متفق ہیں، مگر الفاظ اور مضمون میں تعدیل یعنی ترمیم کی ضرورت ہے، جس کے متعلق انشاء اللہ بکرۃ (کل) باہمی گفتگو کی جائے گی، یہاں تک کہ حج سے پہلے موتمر کی آخری تاریخ آگئی اور تجویز لجنۃ مقترحات یعنی سبجکٹ کمیٹی میں پیش نہ ہوسکی، اور جب اس پر موتمر میں صدائے احتجاج بلند کی گئی اور موتمر نے اپنا اپنا اجلاس ملتوی کرکے سبجکٹ کمیٹی کے کسی فیصلہ پر پہنچنے سے پہلے ہی رئیس موتمر نے حج سے پہلے موتمر کے آخری اجلاس کو ختم کردیا، اور اس طرح یہ ناممکن ہوگیا کہ ان دو ہندی وفود کی خواہش کے مطابق اس رزولیوشن کا، رذی الحجہ کو بعد نماز مغرب کعبہ سے ارکین موتمر کی جانب سے احرام باندھتے وقت عازمین حج کے سامنے اعلان کیا جاسکے تاکہ ان میں ایک نئی روح پھونکی جائے اور اللہ کے ساتھ عالم اسلام کے مندوبین کا میثاق ساری دنیا کو متنبہ کردے کہ مسلمان جزیرۃ العرب کی ایک بالشت زمین پر غیر مسلم قبضہ اور تسلط کو تاقیامت قبول نہ کریں گے۔ سبجکٹ کمیٹی میں جو بحثیں ہوئیں ان سے ظاہر ہوا کہ بعض نامزدگان سلطان نجد تو قطعاً اس مسئلہ کو موتمر میں آنے دینا ہی نہیں چاہتے تھے، مگر صاف صاف اس سے بیزاری بھی نہ ظاہر کرتے تھے، اس لئے کہ بقول ان کے ہندوستان کے یہ دونوں وفود اس سے ان کی حب آزادی جزیرۃ العرب اور ان کے اخلاص کے متعلق ان کے خلاف رائے قائم کرلیں گے، اور باقی اپنے کو اصولاً اس تجویز کے موافق ظاہر کرتے تھے

مگر وصیت رسول اللہ صلعم اخرجوا الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب کی نقل سے اس بنا پر گھبراتے تھے کہ یہود و نصاریٰ اس سے بھڑکیں گے اور یورپ کا شیر خوابیدہ جاگ اٹھے گا، اور شاید دوسرے سال موتمر کو بھی منعقد نہ ہونے دے، شیخ رشید رضا نے جو ان شخصیات میں سے سب سے نمایاں شخصیت تھے، اور جن کو سلطان نجد نے خاص طور پر نامزد کیا تھا، ایک تعدیل تیار کی تھی، جس میں وصیت رسول اللہ کی جگہ چند عام عقلی دلائل تحریر جزیرۃ العرب کے لئے پیش کئے تھے، اگر سید صاحب کی عقل کو رسول اللہ صلعم سے نقل پر ترجیح بھی دی جاتی تب بھی رسول اللہ صلعم کی آخری وصیت کی طرف اشارہ کرنا بیجا نہ ہوتا، اور گو ہمارے نمائندے نے اس کو بغایت مجبوری قبول کر لیا کہ وصیت کے الفاظ نہ دہرائے جائیں، اور تجویز کو صرف بناءً علیٰ وصیۃ رسول اللہ صلعم وھو علیٰ فراش الموت کی تمہید سے شروع کیا جائے، مگر صراحت کی جگہ اس وصیت مقدسہ کی جانب اتنا اشارہ بھی ان حضرات کو ناگوار تھا، جس پر مولانا شبیر احمد صاحب نے بہت خوب فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کے آخری وقت کے ارشادات میں دو ارشادات ہیں، ایک یہ وصیت اور دوسرا قول آنحضرت صلعم لعن اللہ الیہود والنصاریٰ ان یتخذوا قبور انبیائہم مساجد دوسرے قول کا تو آپ حضرات باوجود صیغۂ امر نہ ہونے کے اس قدر احترام کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی قبروں پر سے بھی قباب اور اینٹ پتھر کو ہٹا اور مذاہب اسلامیہ

کے مشورے کے آپ ہی آپ دور کر دیتے ہیں، حالانکہ ان کے دور نہ کرنے کا سلطان متعدد بار وعدہ کر چکے ہیں، اور اس کا فخر یہ اعلان کرتے ہیں کہ دنیائے اسلام کی ناراضی کی ہیں کوئی پرواہ نہیں اور دوسری وصیت کی طرف اشارہ بھی کرنا گوارا نہیں فرماتے، باوجودیکہ اس میں بالصراحت امر کا صیغہ موجود ہے اور یہ صرف اس وجہ سے کہ آپ کو خوف ہے کہ کہیں یہود ونصاریٰ آپ سے ناراض نہ ہوجائیں، لطف یہ ہے کہ یہ تحریک سید رشید رضا صاحب کی تعدیل کے الفاظ میں بھی منظور نہ ہوئی، اور سلطان نجد کے نامزدگان نے مستقل حکومتوں کے نمائندوں کی آڑ پکڑی کہ ان کے عہد نامے یا ان کی حکومتوں کی بالصراحت ہدایت نہ ہونا ان کو اجازت نہیں دیتے، کہ وہ اس تحریک پر رائے دیں، ایک بات اس تحریک کے متعلق اور قابل ذکر ہے، کہ جزیرۃ العرب کی حدود کے بیان کرنے سے تمام نامزدگان سلطان نجد احتراز کرتے تھے اور کہا یہ جاتا تھا کہ ان حدود میں اختلاف ہے ان سے عرض کیا گیا کہ وہ حدود جن میں محض سکونت غیر مسلم بھی ممنوع ہے مسلمہ طور پر فقط حجاز ہے لیکن سیطرہ اور تسلط غیر مسلم جہاں ممنوع ہے، اس خطہ کی حدود یقیناً بحر ابیض پھر بحر احمر پھر بحر ہند، پھر خلیج فارس، پھر دجلہ و فرات یعنی شام و فلسطین و شرق اردن و حجاز و عسیر و یمن و حضر موت، و عمان و کویت و بصرہ وغیرہ سب اس خطہ میں شامل ہیں جس کے لئے فقط اسلام کی حکومت کی اجازت ہے مگر چونکہ برطانیہ و فرانس کا قبضہ و انتداب ان حدود میں ممنوع قرار پاتا تھا،

اس لئے ان حدود کی تصریح سے شدت کے ساتھ احتراز کیا گیا۔

طرفہ تر یہ ہے کہ گو عقبہ و معان کو حدود حجاز میں شامل کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت کا موتمر کی اس تحریک میں ذکر کیا گیا جسے نامزدگان سلطان نجد نے پیش کیا تھا، تاہم جب وفد خلافت کی طرف سے بمعیت جمعیت علمائے ہند ایک اور تحریک پیش کی گئی کہ اس وصیت کی رو سے حدود حجاز میں غیر مسلموں کی سکونت ممنوع ہے، اس لئے جو دول غیر مسلم حجاز میں اپنے قنصل رکھنا چاہیں ان سے درخواست کی جائے کہ صرف مسلمانوں کو نامزد کریں تو سجکٹ کمیٹی ہی میں اس تحریک کو مسترد کر دیا گیا، اور کہا گیا کہ اس کو تو خود ترکوں نے جائز رکھا تھا، گو ان سے کہا گیا کہ ترکوں نے تو قباب اور تجصیص قبور کو بھی جائز رکھا تھا اور تمسك بالکتاب والسنۃ میں ان کی سنت شامل نہیں ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے وفد نے ایک اور تجویز بھی پیش کی تھی جس میں نہایت احتیاط سے معاہدوں کی جگہ سرکاری کاغذات کے الفاظ کا استعمال کیا گیا تھا اور حکومت حجاز سے درخواست کی گئی تھی کہ ان سرکاری کاغذات کی ایک ایک نقل موتمر کو دیدی جائے جن سے موجودہ اور گزشتہ حکومت ہائے حجاز کی اجنبی حکومتوں سے روابط اور تعلقات کا پتہ چل سکے تو اس کو بھی سجکٹ کمیٹی میں نمائندگان سلطانِ نجد نے یہ کہکر مسترد کر دیا کہ یہ حکومت کے داخلی امور اور خارجی پالیسی میں مداخلت

بیجا ہے، اور سلطان اس پر کبھی راضی نہ ہوں گے۔

ان تشریحات سے صاف واضح ہے کہ موجودہ شخصی حکومت حجاز دول یورپ سے کس درجہ مرعوب ہے، اور ہم کو سخت اندیشہ ہے کہ آگے چل کر موجودہ نظام حکومت اس مرعوبیت کو اور بھی بڑھا دے گا، خود سلطان سے ارکان وفد کی متعدد ملاقاتیں ہوئیں مگر اشارہ و کنایہ سے بھی کبھی نہ پایا گیا کہ وہ غیر مسلم دول کی حرص و آز کے باعث ان سے کسی حد تک بھی ناراضامند ہیں حالانکہ سلطان نے ایک عام کثیر مجمع کے سامنے قاضی القضاۃ شیخ عبداللہ بن بلیہد کی دعوت میں مسلمانوں کی سب سے بڑی دولت یعنی ترکیہ کو ترکی مرکی کے حقارت آمیز الفاظ سے یاد فرمایا۔

ارض پاک کے رزمگاہ بنجانے کا خطرہ

۱۲۔ ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں کہ بزور شمشیر ملک گیری کی ہوس جنگ و بدامنی کے لئے فتح باب کرتی ہے، اور بادشاہوں کے ذاتی اغراض اور مختلف اقطار و امصار کی رقابتوں سے جمعیت خلافت کو اندیشہ تھا کہ کہیں یہ ارض پاک حجاز کو ایک رزم گاہ بناکر نہ چھوڑ دیں، جو حالات ہمیں اپنے سفر حجاز میں معلوم ہوئے انہوں نے اس خطرہ کی پوری تصدیق کردی ہے، ظاہر ہے کہ گو شریف حسین اپنی زندگی کے آخری دن قبرص میں گزار رہا ہے، اور امیر علی بھی جدہ چھوڑ کر بغداد میں جاگزیں ہے مگر سلطان نجد کو شریفی خاندان کی عداوت کا پھر بھی کھٹکا لگا رہیگا

اس لئے کہ تخت عراق پر امیر فیصل اب تک موجود ہے، اور شرق اردن کے تخت پر امیر عبداللہ متمکن ہے، اور گو یہ کہ دونوں اسی حکومت کے مطیع اور منقاد ہیں جس نے بیچ میں پڑ کر جدہ کو سلطان نجد کے لئے خالی کرا یا تھا اور جس کی اجازت کے بغیر وہ حکومت حجاز سے سلطان نجد کو ہٹانے کی کوشش نہ کرسکیں گے، تاہم یاد رہے کہ یہ وہی حکومت ہے جس کا ایک محکمہ تو شریف حسین کو وظیفہ دیتا تھا، اور دوسرا سلطان ابن سعود کو، یہ رقابت دیرینہ جوں کی توں باقی ہے اور اس پر حکومت ایران کی طرف سے سخت مخالفت، اور حکومت یمن سے آویزش کا کھٹکا، مستزاد ہے، یمن و حجاز کے درمیان عسیر کا علاقہ ہے، جن پر کبھی ادریسی کی حکومت تھی، قنفذہ اور لیث پر تو سلطان نجد کا قبضہ ہو ہی چکا ہے، معزول امیر ادریسی نے جب دیکھا کہ حکومت یمن شمال کی طرف بڑھ رہی ہے تو سلطان نجد کو اپنی مدد کے لئے صبیا اور جیزان پر بلایا مگر اپریل ۱۹۲۵ء میں امام یحیٰی نے حدیدہ پر جسے ۱۹۲۱ء میں جنگ عمومی کے خاتمہ اور ٹرکی سلطنت کے جزیرۃ العرب سے نکل جانے پر انگریزوں نے ادریسی امیر کو دیدیا تھا قبضہ کر لیا، موجودہ امیر ادریسی حسن ابن علی کو جو معزول نوجوان امیر ادریسی کا چچا ہے، سلطان نجد پر بھروسہ نہیں اور بظاہر وہ امام یحیٰی کی طرف ملتفت ہے، حج سے قبل جیزان پر افواج نجد اور افواج یمن میں جنگ چھڑ جانے کا قوی اندیشہ تھا اور اب بھی یہ اندیشہ باقی ہے، علم غیب یقیناً صرف خدا کو ہے، لیکن موجودہ صورت حالات میں ملوک یمن اور نجد دو رقیبوں کی حیثیت رکھتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور چونکہ ارض

پاک حجاز ایک حد تک یمن و نجد کے درمیان واقع ہے ہمیں مطلق تعجب نہیں ہوگا، اگر ایک دن یہ رقابت حجاز کو رزمگاہ بنانے کی شکل میں رنگ لائے۔

اس کے علاوہ حکومت مصر کی طرف سے بھی کچھ نہ کچھ اندیشہ ضرور رہتا ہے، قاہرہ کی موتمر خلافت یقیناً بے نتیجہ ثابت ہوئی، لیکن اس سے چند علامات اور قرائن کا پتہ چلتا ہے، اور حج کے زمانہ میں محمل کے متعلق جو ناگوار واقعہ پیش آیا وہ بھی آئندہ کیلئے فال نیک نہیں معلوم ہوتا، ہماری دعا ہے کہ سلطان نجد، شاہ ایران، شاہ مصر اور امام یحییٰ چاروں میں صلح و آشتی اور مودت و محبت قائم ہو، اور قائم رہے، اور چاروں اپنی اپنی جگہ اسلام اور مرکز اسلام کی خدمت کریں، مگر موجودہ صورت حالات کچھ بہت امید افزا نہیں اور ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر حکومت حجاز کا نظام آئندہ بھی وہی رہا جو سلطان نجد کے اعلان ملکیت حجاز کے بعد قائم ہوا ہے، اور حجاز ان ذاتی اور خاندانی اور ملکی رقابتوں سے محفوظ و مصئون نہ کر دیا گیا تو ایک سیلاب خون اس کو غرق کر دے گا۔

نجدی حکومت کا تعصب مذہبی

۱۳ - یہاں تک جن مشاہدات اور تجربات کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ حجاز میں ہر شخصی اور خاندانی حکومت کے یکساں خلاف ہیں، لیکن ان کے علاوہ چند مزید وجوہ بھی ایسے موجود ہیں جن کے باعث سلطان نجد کی حکومت حجاز کے لئے خاص طور پر ناموزوں ہے، ملک گیری کی ہوس کے علاوہ جو ایک فاتح اور بادشاہ

کو دنیا طلب بنا دیتی ہے یہاں تعصب مذہبی اور غلو کے دینی مترادف ہے، اور ساری اسلامی دنیا کے خلاف جو نجدیوں کی ہم عقیدہ نہیں ہے، ایک حرب عقائد چھڑی ہوئی ہے یہ بہت ممکن ہے کہ سلطان عبدالعزیز حقیقتاً اپنے دین میں اسقدر غلو کرنے والے اور تشدد کے خواہاں نہ ہوں جتنے کہ مشائخ نجد ہیں لیکن ملک گیری کے لئے جو آلہ ان کے پاس ہے یعنی قوم نجد اس کو ایک صدی سے زیادہ سے زیادہ یہی سکھایا گیا ہے کہ اس کے علاوہ سب مسلمان مشرک ہیں، اور نجدیوں کی گزشتہ صدی کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ ان کے ہاتھ کفار کے خون سے کبھی نہیں رنگے گئے، جس قدر خونریزی انہوں نے کی ہے وہ صرف مسلمانوں کی کی ہے ہم یہاں کوئی مذہبی بحث چھیڑنا نہیں چاہتے لیکن اس قدر کہنا ناگزیر ہے کہ ہم نے نجدیوں کو ان جزدیات دین میں جس میں ان کے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہے، بہت سخت پایا، اور وہ ذرا ذرا سی بات پر حجاج کو مشرک کہہ دیتے تھے، حالانکہ بعض افعال کا جن پر مسلمانوں کو یہ خطاب دیا جاتا تھا عقائد سے کوئی بھی تعلق نہ ہوتا تھا، سلطان عبدالعزیز کے مذہبی خیالات کچھ ہی کیوں نہ ہو، ان کی تمام تر قوت یہی لوگ اور ان کو لڑائی پر اسی طرح آمادہ کیا جاسکتا ہے، کہ اس ملک گیری کی جنگ کا نام جہاد رکھا جائے اور جس ملک کو چھیننا مقصود ہو، اسکے لوگوں کو مشرک کہا جائے، ہم نے بارہا دیکھا کہ جو حجاج مقام ابراہیم کی جالی کو یا اس کے قفل یا کنڈوں کو چھوتے تھے، ان کو بید سے مارا جاتا تھا اور ڈانت مشرک"

کہا جاتا تھا، جو حجاج جنت المعلیٰ میں زیارت قبور کو جاتے تھے ان میں سے اکثر پٹ کر آتے تھے، خود ہم میں سے چند نے حافظ وہبہ مشیر خاص امیر فیصل سے جو نائب جلالۃ الملک ہیں، پوچھا کہ ہم اور ہمارے ساتھ کی خواتین جنت المعلیٰ میں زیارت قبور کے لئے جانا چاہتی ہیں، اس کے متعلق موٹر کا کچھ انتظام ہو سکے گا انہوں نے فرمایا کہ کل صبح موٹر آجائے گی، اور ایک شخص آپ کے ساتھ بھیجدیا جائیگا تاکہ آپ کو آداب زیارت قبور بتائے، ہم نے کہا کہ ہم اپنے مذہب کے مطابق ان آداب سے واقف ہیں، تاہم کوئی ہرج نہیں ہے اگر آپ کا ایک نمائندہ موجود ہو دوسرے دن صبح کو ہم شیخ عبداللہ بن بلیہد نجدی قاضی القضاۃ مکہ مکرمہ سے ملاقات کرنے گئے واپس ہوتے وقت خیال ہوا کہ جس موٹر کا حافظ وہبہ نے وعدہ کیا تھا اس کو شیخ عبداللہ بن بلیہد صاحب ہی کے مکان پر منگوالیں، چنانچہ وہاں سے موٹر کے لئے ٹیلیفون کیا گیا جواب آیا کہ سلطان آپ کو زیارت قبور کی اجازت نہیں دیتے، اس لئے کہ فساد ہونے کا اندیشہ ہے، ہم کو یہ سنکر جس قدر تعجب ہوا اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں، اس لئے ہم سے صریحاً وعدہ کیا گیا تھا کہ زیارت قبور کے لئے سرکاری موٹر صبح کو آجائے گی، اور ایک نجدی ہمارے ساتھ ہوگا، جس کی موجودگی اس امر کی ضامن ہوتی کہ بدعات کا ارتکاب نہ کیا جائے گا، ہم نے اس تعجب انگیز جواب کا ذکر شیخ عبداللہ بن بلیہد سے کیا جس پر انہوں نے فرمایا کہ میں خود تمہارے ساتھ چلتا ہوں، اور حکم دیا کہ ہمارے لئے سرکاری موٹر ان کے

مکان پر بھیجدی جائے، اس پر حافظ وہبہ کا جواب ٹیلیفون سے موصول ہوا کہ
آج یوم جمعہ ہے، موٹر نہیں مل سکے گی، لیکن کل یا پرسوں بھیجدی جائے گی،
نائب مدیر حرم اس وقت موجود تھے، انہوں نے ہم سے کہا کہ اس امر کو خوب
شہرت دیجیئے، اس لئے کہ جب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ نجدی قاضی القضاۃ
خود آپ کو زیارت قبور کے لئے لے گئے تو پھر کسی نجدی کی مجال نہ ہو گی، کہ
اور حاجی کو روکے یا مارے، اور حجاج بھی مطمئن ہو جائیں گے، ہم نے
دوسرے دن موٹر کا انتظار کیا اور کوئی وجہ نہ تھی کہ اس دن موٹر نہ ملتی،
مگر باوجود کئی بار ٹیلیفون کرنے کے موٹر نہ آئی، اس لئے مجبور ہو کر تیسرے دن
ہم نے گاڑیوں کا خود انتظام کیا، جنت المعلیٰ ہماری قیام گاہ سے تقریباً
دو میل کے فاصلہ پر تھی، اور ہم اور ہمارے ساتھ کی خواتین میں چند ایسے
لوگ تھے جو بہ سبب امراض و ناتوانی دھوپ میں اتنی دور کچی ریتلی سڑک پر پیدل
نہ چل سکتے تھے، اور گو مکہ معظمہ کی گاڑیاں ہندوستان کے یکوں کے برابر بھی
آرام دہ نہ تھیں، لیکن ان کے استعمال کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، شیخ عبداللہ بن بلیہد
کو ٹیلیفون کیا گیا کہ ہم میں سے بعض آپ کے مکان پر آ رہے ہیں آپ تیار ہو جائیں
تاکہ حسب وعدہ ہم آپ کے ہمراہ جنت المعلیٰ جا سکیں، ہم ان کے مکان پر پہنچے
تو نوکر نے کہا کہ شیخ صاحب سو گئے ہیں، مگر میں نے ٹیلیفون ملتے ہی اطلاع
کر دی تھی، اور اب پھر اطلاع کئے دیتا ہوں، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم سے
پوچھا کہ کیا آپ نے سلطان سے اجازت لے لی؟ گھنٹہ بھر بعد شیخ صاحب
خود تشریف لائے اور انہوں نے بھی یہی سوال کیا کہ آپ نے سلطان سے

اجازت لے لی؟ اُن سے عرض کیا گیا کہ امر مسنون میں کسی کی اذن و اجازت کی کیا ضرورت ہے، اور آپ تو خود ہمیں اپنے ہمراہ لیجانے کا وعدہ فرما چکے تھے، چونکہ باوجود وعدے کے متواتر تین دن موٹر نہیں ملی، اس لئے دوسری سواری کا ہم نے خود بندوبست کر لیا، اس پر شیخ صاحب نے فرمایا کہ ہاں میں نے وعدہ کیا تھا لیکن مناسب یہی ہے کہ سلطان سے کہکر ایک عام قاعدہ جاری کرادیا جائے جس سے ہم نے بھی اتفاق کیا، چنانچہ چند علما کی مشاورت کے بعد کچھ قواعد جس میں اوقات اور آداب زیارت شامل ہیں، سلطان کے حکم سے مقرر کر دیئے گئے ہیں اور موتمر کے ختم ہونے سے قبل ہم معہ اپنے ساتھ کی خواتین اور چند دیگر مصری، فلسطینی، اور شامی ارکین موتمر کے مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مولد حضرت علی کرم اللہ وجہہ و ارا رقم اور جنت المعلیٰ وغیرہ دیکھنے کے لئے سرکاری موٹر میں گئے، جو چیز خاص طور پر قابل ذکر ہے، وہ ہمارے سوال کے جواب میں قاضی عبداللہ بن بلیہد کا قول ہے کہ نجدی بھی یوم جمعہ یا یوم سبت کو اپنے ہاں زیارت قبور کے لئے جاتے ہیں، مگر وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے علاوہ اور مسلمان جو زیارت قبور کو جاتے ہیں وہ شرک کرنے کے لئے جاتے ہیں

خود سلطان عبدالعزیز نے جو بات ہم سے اور وفد جمعیت العلماء سے کہی وہ اس سے بھی زیادہ صورت حالات کو بے نقاب کرتی ہے۔

اس ملاقات میں جو جنت البقیع کے ہدم قباب و قبور کے لئے بالخصوص سلطان سے کی گئی تھی، ہم نے ان سے پوچھا کہ آخر اس میں اس قدر جلدی

کیوں کی گئی، موتمر کا اجلاس تین چار ہفتہ بعد ہونے ہی والا تھا، اس وقت تک انتظار کرنے میں کیا ہرج تھا، تو سلطان نے فرمایا کہ میری بھی یہی رائے تھی، مگر میرے پاس چار ہزار نجدیوں کا (ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اس میں بعض مشائخ نجد بھی شامل تھے) نجد سے پیغام آیا کہ تم ارض مقدس حجاز کی تطہیر کیلئے یہاں سے گئے تھے، عرصہ ہوا کہ مدینہ تمہارے قبضہ میں آ گیا لیکن تم نے ابتک اس کی تطہیر نہیں کی، اور قباب اور پختہ قبور اسی طرح موجود ہیں، اگر تم یہ کام نہیں کرنا چاہتے یا نہیں کر سکتے تو ہم خود آئیں گے، اور ان کو توڑ دیں گے، ان کے آنے سے شر و فساد کا اندیشہ تھا، اس لئے ہم نے خود ہی اس کام کو کر دیا، محمل کا واقعہ جس میں اس محمل پر جو سلطان کی اجازت سے مصر سے آیا تھا، اور جس کے ساتھ بلینڈ سلطان کے کہنے سے جدہ ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا، صورتنا حالات کو اور بھی نمایاں کر دیتا ہے، فوجی بگل پر نہ سلطان کو نہ علمائے نجد کی جانب سے کوئی اعتراض تھا لیکن محمل کو صنم قرار دیا گیا اور بگل کو مزامیر میں داخل سمجھا گیا، یہی نہیں بلکہ محمل اور مصری فوج اور اس کے افسروں پر منیٰ کے باہر پتھر برسائے گئے، حکومت سلطان کی جانب سے جو لوگ محمل کے ساتھ تھے، ان کے منع کرنے کی کچھ پرواہ نہ کی گئی، اور نہ سلطان کے بیٹوں اور خود ان کے باز رکھنے سے نجدی باز آئے اور باوجود آیہ کریمہ لا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج مسلمانوں کے ہاتھ سے مسلمانوں کا خون منیٰ کے پاس بہا، اگر مان بھی لیا جائے کہ سلطان عبد العزیز کو اپنے مذہب کی جزئیات میں غلو و تعصب نہیں اور وہ تشدد کو پسند نہیں کرتے، تب بھی ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ نجدی قوم اب

ان کے بس کی نہیں رہی، اور جو تعصب و تشدد کا سبق اس کو ایک صدی سے زائد سے پڑھایا گیا ہے، اس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ ان امور میں سلطان نجدان پر حکمران نہیں بلکہ زمام حکومت حجاز خود ان کے ہاتھ میں ہے، اور طوعًا نہیں تو کرہًا سلطان کو ان کی ناز برداری کرنا پڑتی ہے، قباب اور تجصیص قبور یا محمل کے بارے میں تو ایک حد تک یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ نجدی اپنے سوا اور مسلمانوں کو کیوں مشرک سمجھتے ہیں لیکن تمباکو پینے یا لبوں کے نہ کتروانے سے نجدیوں کے نزدیک آدمی کیونکر مشرک ہو جاتا ہے یہ بات سمجھ میں آنا مشکل ہے ۱۳۴۳ھ کے حج کے موقع پر مجالس خلافت اور جمعیت العلماء کے نمائندے مکہ معظمہ میں تھے، اور جو رپورٹ نمائندگان مجالس خلافت نے اپنی واپسی پر شائع کی ہے، اس میں متعدد واقعات اس قسم کے درج ہیں کہ نجدیوں نے لوگوں سے سگریٹ پینے پر سخت کلامی کی، اور بات بڑھ جانے پر ان کو مارا، ان واقعات میں پہلا واقعہ باب السلام کے ایک کتب فروش کا تھا، جس کی مونچھیں بڑی تھیں، نجدی نے انہیں پکڑ کر کہا کہ یہ مشرکانہ مونچھیں کیسی ہیں، اس پر کتب فروش کو غصہ آگیا، اور اس نے بھی سخت کلامی کی اور دونوں میں جنگ ہو گئی جس میں کتب فروش کے دو چوٹیں لگیں، نمائندگان مجالس خلافت اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ ہم خود موقع پر پہنچ گئے، اور اس شخص کا نام اور چوٹوں کے نشانات لکھے، اس کا بیان قلمبند کر لیا اور حافظ وہبہ گورنر مکہ کو دکھلا کر انہیں توجہ دلائی کہ وہ اس قسم کے واقعات کا انسداد کریں، دوسرے دن اسی باب السلام میں ایک دوسرا واقعہ پیش آیا کہ وہ سگریٹ پینے سے متعلق

نہ تھا اور نمائندگان خلافت نے اس واقعہ کی بھی اطلاع حافظ وہبہ صاحب کو کر دی، اس کے بعد بھی چند واقعات کا ذکر ہے، بالآخر وہ تحریر کرتے ہیں کہ ہم نے حافظ وہبہ گورنر مکہ کو بذریعہ ٹیلیفون اطلاع دی کہ وہ بہت جلد قیام گاہ پر تشریف لائیں تاکہ واقعات کے آئندہ انسداد کے متعلق مشورہ کر کے کوئی فیصلہ کیا جائے، چنانچہ اسی وقت حافظ وہبہ تشریف لائے، ہم نے بہت زور کے ساتھ ان سے کہا کہ آپ بہت جلد انتظامات کیجئے تاکہ آئندہ اس قسم کا کوئی حادثہ پیش نہ آئے، حافظ وہبہ نے سلطان عبدالعزیز سے ملکر نہایت اچھا انتظام کیا، سگرٹ فروشی کے متعلق ہم نے حافظ وہبہ سے کہا کہ آپ اس میں اصلاحات کریں، اور اہل مکہ کو اس کے ترک کرنے کے لئے مفید مشورے دیں لیکن سوائے حکومت کے دوسرے شخص کو کیا حق ہے کہ وہ کسی شخص کو سگریٹ پیتا ہوا دیکھ کر اسے سزا بھی دیدے؟ حافظ وہبہ نے فرمایا کہ جس بدو نے کسی سگریٹ پینے والے کو مارا ہے تحقیقات کے بعد اسے انشاء اللہ قرار واقعی سزا دی جائے گی، اس لئے کہ کسی قانون کی خلاف ورزی کی پاداش میں کسی مجرم کو حکومت ہی سزا دے سکتی ہے، باوجود نمائندگان مجلس خلافت کی ان مساعی اور حکومت کے ان وعدوں کے بظاہر نجد کا ہر بدو اپنے آپ کو اس کا مجاز سمجھتا ہے کہ سگریٹ نوشی یا اسی قسم کے افعال پر لوگوں سے سخت کلامی کرے اور اگر سختی کا سختی سے جواب دیا جائے تو ان کو مارے، اور حکومت کی طرف سے مجرم کی خود سزا دہی کرے، بظاہر یہ چیز اتنی عام ہے کہ جس وقت محمل کا واقعہ پیش آیا اس کے آدھ گھنٹہ کے اندر ہی جو خبر سارے منیٰ میں گرم تھی وہ یہ تھی

کہ کسی نجدی نے مصری فوج کے کسی آدمی کو سگریٹ پیتے دیکھ کر اسے "انت مشرک" کہا اور مارا جس پر نجدیوں اور مصری فوج میں لڑائی چھڑ گئی، واقعہ سگریٹ نوشی سے متعلق نہ تھا لیکن بظاہر اس قسم کے واقعے اکثر پیش آتے رہتے تھے اور لوگوں نے قرین قیاس سمجھا کہ نجدیوں نے سگریٹ نوشی کو اپنے عقیدے کے مطابق حرام سمجھا حالانکہ پینے والے کے مذہب میں وہ بالکل مباح تھا، اور خود ہی کوتوال اور خود ہی قاضی بنکر خود ہی حد شرعی بھی مجرم پر قائم کر دی۔

ہم کو معلوم ہوا ہے کہ شہداء میں دو بنگالیوں کو سگریٹ پینے پر نجدیوں نے اس قدر مارا کہ وہ بیہوش ہو گئے، اسی حالت میں وہ مکہ مکرمہ میں لائے گئے، اور حکومت ہند کی طرف سے جو اسپتال وہاں تھا اس میں ان بنگالیوں نے بیہوشی ہی کی حالت میں جان دیدی، اور ہم کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ برطانوی قنصل متعینہ جدہ اس بارے میں کوئی کارروائی کر رہا ہے۔

حجاز پر فقط سلطان نجد کی نہیں بلکہ کل قوم کی بادشاہت

۱۴۔ ہمارے دوران قیام میں حجاج نے متعدد بار ہم سے نجدیوں کے تعصب اور تشدد کی شکایت کی، لیکن ہم کو نہیں معلوم کہ حکومت نے کسی مجرم کو بھی سزا دی ہو، ان کی پولیس نے خود ہمارے وفد کے کاتب اختر علی صاحب کو حرم شریف میں صرف اس قصور پر گرفتار کر کے حوالات میں ڈال دیا کہ پولیس والے حرم شریف میں سونے والوں کو بید مار مار کر اٹھا رہے تھے، تو انہوں نے محض از راہ ترحم ان کو سمجھایا کہ لوگوں کو حرم پاک میں اس طرح نہ مارنا چاہیے، اس کہنے پر پولیس والے نہایت برافروختہ ہوئے اور کہا تم بڑی وکالت کرنے

والے آئے ہو، چلو تم بھی حوالات میں داخل ہو، اور یہ کہہ کر انہیں حوالات میں ڈال دیا، بند کرنے کے بعد ان کو مارا، اور ان کی داڑھی بھی نوچی، لیکن ہم نے نہیں سنا کہ کسی ایسے نجدی کو بھی حوالات میں ڈالا گیا ہو جس نے پولیس سے بھی زیادہ اختیارات استعمال کرکے اپنے نزدیک ایک سگریٹ پینے والے یا زیارت قبور کرنے والے مجرم کو سزا دی ہو، حقیقت یہ ہے کہ اہل نجد کو جزئیات فقہ و عقائد میں غلو ہی نہیں ہے بلکہ وہ اپنے آپ کو مجاز سمجھتے ہیں کہ جس چیز کو وہ منکر سمجھیں اس کی نہی سے گزر کر اس پر خود ہی ایک من گھڑت حد شرعی قائم کر دیں، اور ملزم کو سزا بھی دیدیں، آج حجاز پر فقط سلطان نجد کی حکومت نہیں ہے بلکہ علمائے نجد اور نجدی قبائل بھی حجازیوں پر حکمران ہیں، ہم نے مذہبی تعصب اور طواف وسعی و زمزم اور راستوں میں ایک حد تک مجرمانہ غفلت کے سوا اہل نجد کی کوئی اور شکایت نہیں سنی، استحصال بالجبر اور عورتوں پر دست درازی وغیرہ سے جہاں تک ہم کو علم ہے ان کا دامن بالکل پاک ہے، لیکن اس فرق کو ملحوظ رکھنے کے بعد یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ اور باتوں میں اپنے قلمرو میں دول یورپ کی استعماری فوج کی طرح محکوم قوم پر اپنے کو حکمران اور اس کو اسی طرح حقیر سمجھتے ہیں اور اس اپنے خود ساختہ قانون کا نفاذ کرتے ہیں اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں، موجودہ نظام حکومت کو اگر حجاز میں قائم رکھا گیا تو اس کے یہی معنی نہ ہوں گے کہ ایک نجدی بادشاہ کی شخصی اور خاندانی حکومت اہل حجاز پر قائم ہوگئی بلکہ ایک بڑی حد تک اس کے یہ بھی معنی ہوں گے کہ ایک پوری ایسی قوم کی حکومت ایک اور قوم پر قائم ہوگئی جسے حاکم قوم اپنے سے ذلیل تر بلکہ

شرک کے گناہ عظیم کی مجرم سمجھتی ہے اور اپنے ہر فرد کو مجاز سمجھتی ہے کہ وہ محکوم مجرم قوم کے ہر فرد کو جب جی چاہے، اور جس طرح جی چاہے سزا دے لے، ملکیت کی مصائب سے تو پہلے بھی ایک دنیا واقف تھی مگر دول یورپ کے استعمار نے ہم جیسی محکوم قوموں کو ان زیادہ تکلیف دہ اور گوناگوں مصائب سے بھی آشنا کر دیا ہے جو ایک محکوم قوم کو اس حالت میں برداشت کرنا ہوتی ہیں جبکہ ان پر ایک دوسری قوم مسلط ہو اور بجائے ایک بادشاہ کے وہ قوم کی قوم ان پر بادشاہت کرے، فرق صرف اس قدر ہے کہ دول یورپ کو صرف اپنی دنیوی برتری کا گھمنڈ ہوتا ہے، اور یہاں حاکم قوم کو محکوم قوم پر تفوق دینی کا بھی غرور ہے، اور اس بنا پر وہ محکوم قوم خسر الدنیا والآخرہ کے دوگونہ عذاب میں مبتلا سمجھتی ہے۔

امور دُنیوی میں بھی عدم مساوات

۱۵۔ دنیوی امور میں بھی حجاز کی نجدی حکومت مساوات کو ملحوظ نہیں رکھتی، چنانچہ جہاں تک ہمیں علم ہے، نجدی حجاج سے وہ محاصل نہیں وصول کئے گئے جو باقی دنیائے اسلام کے حجاج سے وصول کئے گئے تھے، اور جن کی روز افزوں اور بالکل غیر متوقع ترقی سے حجاج نالاں تھے، طواف، استلام، مقام ابراہیم پر ادائگی نوافل، زمزم، منیٰ، اور سعی و رمی، جمار وغیرہ میں حاکم اور محکوم قوموں میں ایک حد تک اسی طرح کا فرق نظر آتا تھا، جو ہندوستان میں گوروں اور کالوں میں نظر آتا ہے، اور حال میں باوجود موتمر کی سبجکٹ کمیٹی کے فیصلہ کے جو قانون اسلحہ جاری کیا گیا وہ اس فرق کو صاف نمایاں کر رہا ہے۔

علمائے نجد اور عدم مساوات

١٦۔ یہ عدم مساوات عوام ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ علماء نجد بھی اس میں
شامل ہیں، ہم اس موقع کو کبھی نہیں بھول سکتے جبکہ سلطان کی دعوت پر بہت سے
لوگ بیت با ناجہ میں جمع ہوئے تھے، اور بدعات کے متعلق بحث و مباحثہ ہوا تھا،
مولانا عبدالحلیم رکن وفد جمعیت العلماء نے اس موقع پر بالکل صحیح فرمایا تھا کہ بدعات
صرف بنا علی القبور تک محدود نہیں ہیں بلکہ تکفیر اہل قبلہ بھی اس میں داخل ہے،
اور افسوس ہے کہ بعض اہل نجد اس سے احتراز نہیں کرتے حالانکہ وہ
" تمسك بالكتاب والسنة " کے دعویدار ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے ہمارا کلمہ پڑھا، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے
نماز پڑھی، اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ ہم سے ہے، اس پر سلطان نجد بہت برافروختہ ہوئے
اور " انا النجدی " کہکر نجدیوں کی حمایت کرنے اور فرمانے لگے کہ کیا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو ہماری قبروں کو پوجے، اور ہماری
محترم ہستیوں سے دعا کرے، وہ بھی ہم میں داخل ہے ؟ — اس کا تو مولانا
عبدالحلیم صاحب ہی نے اسی وقت جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے، قبلہ، اور ذبیحہ کی شرکت پر کسی اور چیز کو مستنزاد بھی نہیں فرمایا تھا، مگر
سب سے زیادہ تکلیف وہ یہ امر تھا کہ شیخ عبداللہ ابن بلیہد نے نہایت درشتی
اور رعونت کے لہجہ میں کہا کہ اس شخص کو میرے سامنے بٹھاؤ، اور جب مولانا
عبدالحلیم صاحب کو قاضی القضاۃ کے سامنے ایک کرسی رکھ کر بٹھایا گیا تو انہوں
نے اسی لہجہ میں مولانا سے سوال کیا کہ عبادت کیا ہے، اس پر مولانا کفایت اللہ

صاحب رئیس وفد جمعیت العلماء کو دخل دینا پڑا، مولانا نثار احمد صاحب نے بھی جو جمعیۃ العلماء کے وفد کے رکن تھے مگر شریک وفد نہ ہو سکے تھے، ہمیں اطلاع دی کہ عین مسجد الحرام میں ایک مباحثہ کے دوران میں انہی شیخ عبداللہ بن بلیہد نے ان کو پنکھا پھینک کر مارا، حقیقت یہ ہے، کہ علماء نجد بظاہر اس کے دعویدار معلوم ہوتے ہیں کہ شریعت حقہ کا علم انہی کو حاصل ہے، اور یہی نہیں کہ ان کا مذہب، مذاہب اربعہ سے بہتر ہے بلکہ علمائے نجد کو بھی وہ علمائے احناف سے بہتر جانتے ہیں، انہی حالات سے مجبور ہو کر ہم نے بمشورہ و بمعیت وفد جمعیت العلماء موتمر میں ایک تحریر پیش کی تھی، کہ تمام مذاہب اسلامیہ کے متبعین کو ارض پاک حجاز میں عبادات مناسک اور اعمال میں آزادی حاصل ہونی چاہیے، اور کسی کو مجبور نہ کیا جائے کہ کسی چیز پر جو اس کے مذہب میں جائز ہے عامل نہ ہو یا کسی چیز پر جو اس کے مذہب میں جائز نہیں عمل کرے، اور کس مذہب میں کیا چیز داخل ہے اور کیا چیز داخل نہیں اس کا فیصلہ صرف اسی مذہب کے علماء مستند و معتبر کریں اور دوسرے مذہب کے علما اس میں مداخلت نہ کریں، گو یہ تحریک بالآخر منظور ہوئی، لیکن اس پر سخت مباحثہ ہوا، اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ نامزدگان سلطان کو بطیب خاطر قبول نہ تھی، ہدم شدہ مبانی و آثار کی تعمیر و تحفظ کے متعلق جو تحریک ہم نے پیش کی تھی اور جس میں خود بعض نامزدگان سلطان کے مشورہ پر ہم نے عمل کر کے ترمیم کر لی تھی، اس کو بھی نامزدگان سلطان نے ایک ہفتہ تک موتمر میں پیش ہونے نہ دیا، اور یہ صرف آخری اجلاس موتمر میں بدقت

تمام اور بدخرابی یسیار پیش اور منظور ہو سکے۔

نتیجہ

۱۷۔ ان حالات میں ہمارے نزدیک نجدی قوم کے ایک خاندان کی شخصی اور وراثتی حکومت قائم کرنا اور بھی زیادہ خرابیوں کا باعث ہو گا، اور شخصی، خاندانی، اور قومی تصادم کے علاوہ ہر وقت عقائد و عبادات کے تصادم کا بھی اندیشہ رہے گا، اہل حجاز شریفی حکومت سے نالاں تھے، مگر اس کی وجہ حکومت کا ظلم و تعدی تھی، اہل حجاز موجودہ نجدی حکومت سے علاوہ اور وجوہ کے اس وجہ سے بھی نالاں ہیں کہ اب مذہبی ظلم، تعدی کا بھی اضافہ ہو گیا ہے، اور اس کے جاری رہنے کا انہیں سخت اندیشہ ہے۔

نجدی حکومت میں انتظامی اہلیت کی کمی

۱۸۔ ہم نے اس امر پر بھی کافی غور و خوض کیا ہے کہ حکومت حجاز دنیاوی لحاظ سے کس قدر قابل اطمینان ہے، ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم اس کی اہلیت کے قائل نہ ہو سکے، اہل نجد اہل حجاز سے بھی کم متمدن ہیں، اور ان میں اتنی انتظامی قابلیت بھی نظر نہیں آتی جتنی کہ اہل حجاز میں نظر آتی ہے، سلطان نجد بظاہر مجبور ہیں کہ حکومت حجاز کے لئے اپنے ہم ملک نجدیوں کے دائرے سے باہر ارکان حکومت حجاز منتخب کریں، چنانچہ مصری، کردی، اور شامی ارباب حکومت میں شامل ہیں اور یہ بالکل اسی قسم کے لوگ ہیں جس قسم کے شریف حسین اور امیر علی کے گرد ان کی حکومتوں کے زمانہ میں جمع ہو گئے تھے، ہم نے ان میں "تمسك بالكتاب والسنة" کے عنصر کو

ارباب حکومت ہائے شریفی سے کچھ زیادہ نمایاں نہیں پایا بلکہ ان میں سے اکثر اپنے وطنوں سے طلب دنیا کے لئے نکلے ہوئے اور تحصیل زر اور تحصیل اقتدار ذاتی میں کم و بیش مشغول معلوم ہوتے ہیں۔

ارباب حکومت کے متعلق بد دیانتی کی شکایتیں

۱۹۔ متعدد ارباب حکومت کے متعلق رشوتیں لینے اور حکومت کے لئے سامان خریدتے وقت کمیشن حاصل کرنے اور بعض اوقات اس سے بھی بڑھ کر بد دیانتی کی پیہم شکایتیں سننے میں آئیں لیکن ظاہر ہے کہ ان امور کی تحقیقات نہیں کر سکتے تھے، اور ہم نہیں چاہتے کہ بلا ذاتی تحقیقات کے اس قسم کے الزامات کو سچا تسلیم کر لیا جائے لیکن وثوق کے ساتھ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ الزامات بالکل بے بنیاد ہیں، البتہ یہ ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر حکومت حجاز کسی حد تک موتمر اسلامی کے زیر نگرانی قائم کی گئی تو موجودہ ارباب حکومت سے کہیں بہتر کام کرنے والوں کا تقرر ہو سکیگا۔

نا یمن الطریق

۲۰۔ حجاز کی، اور صرف حجاز ہی نہیں بلکہ ہر ملک کی پہلی ضرورت امن عام کا قائم کرنا ہے، افسوس ہے کہ حجاز ایک مدت سے اس سے محروم تھا، اسلام نے ایام جاہلیت کا خاتمہ کیا تھا، اور علم کی روشنی کو نہ صرف حجاز بلکہ دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا تھا، خداوند کریم کے بے شمار احسانات میں سے باشندگان حجاز پر یہ بھی احسان تھے جو رب بیت کعبہ نے قریش کو یاد دلائے تھے کہ اطعمھم من جوع و امنھم من خوف علم کی توسیع ہوئی تھی، اور سوال کرنے کی ذلت کا اہل حجاز کو پورا احساس ہو گیا تھا، لیکن

افسوس ہے کہ صدیوں سے جہالت پھر حجاز پر چھا گئی ہے، اور تعلیم کے فقدان کے باعث معاش کے ذرائع اہل حجاز کے لئے مفقود ہو گئے، اور مدتوں سے اُنہیں علم سے نفرت اور کسب معاش سے بیزاری ہے، البتہ حجاز اپنی تقدیس کے باعث عالم اسلام کی زیارت گاہ ہے، اس لئے بیشتر اہل حجاز حجاج کو اور زائرین کو اپنا شکار سمجھنے لگے ہیں، اور جو حجازی اب بھی قریش جاہلیت کی طرح تجارت میں مشغول ہیں وہ حجاج سے اضعافاً مضاعفہ نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور سوال اور سرقہ کا مرض تکلیف دہ حد تک پایا جاتا ہے، افسوس ہے کہ ترکوں کی عقیدتمندی اس کی اصلاح نہ کر سکی، آج اہل حجاز ترکوں کو یاد کر کے روتے ہیں، اور ہم نے متعدد اکابر حجاز کو باچشم پُرنم یہ آیہ کریمہ پڑھتے سنا ہے۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝

ترجمہ:- خدا ایک گاؤں کی مثال بیان فرماتا ہے کہ وہاں کے لوگ (ہر طرح پر) امن و اطمینان سے تھے، ہر طرف سے بافراغت ان کا رزق ان کے پاس چلا آتا تھا پھر انہوں نے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اُن کے کرتوتوں کے بدلے میں اللہ نے ان کو مزہ بھی چکھا دیا کہ بھوک اور خوف کو (ان کا) اوڑھنا (بچھونا) بنا دیا۔

ہم سے خود حجازیوں نے بیان کیا کہ آج اپنی ناداری اور فاقہ کشی پر ہم کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کاش زرپاشی کے بدلے ترکوں نے یہاں علم پاشی کی ہوتی۔

ان کو اعتراف ہے کہ تعلیم کے سب سے بڑے مخالف خود اپنے اپنے زمانے کے شریف ہوا کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ ہم میں سے ہزاروں خاندانوں کے وظیفے مقرر تھے، اور ہم میں سے اچھے بھی صرف اکثر اسی پر قناعت کرتے تھے کہ مسجد حرام یا مسجد نبوی میں نمازیں پڑھ لیں، کچھ قرآن پاک کی تلاوت کر لیا کریں، کچھ اوراد وظائف پڑھ لیں، البتہ حجاز ریلوے کے نکلنے نے مدینہ منورہ کے لوگوں کو تجارت کے فوائد سے آگاہ اور اس طرف متوجہ کر دیا تھا، اور برخلاف بدوؤں کے جن کے دل پر شریف نے یہ بات جما دی تھی کہ ریل کے چلنے سے مسافر اونٹوں سے بے نیاز ہو جائیں گے، اور تم تباہ ہو جاؤ گے، اہل مدینہ حجاز ریلوے کے دوبارہ نکلنے اور ریلوں کی توسیع کے متمنی اور مشتاق ہیں، اور نوجوان ترکوں کا شکر ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے عین دوران جنگ عمومی میں مدینہ یونیورسٹی کی بنیاد رکھی تھی، گو حجاز ریلوے کے آخری اسٹیشن مدینہ منورہ کے متصل اس کی دیواریں صرف قد آدم اٹھنے پائیں اور ترک اس نیک کام کو انجام تک نہ پہنچا سکے، بہرحال حجاز میں جہالت اور سوال عام امراض ہیں اور لوٹ مار بھی اب تک جاری تھی، جس کے محرک خود شریف ہوا کرتے تھے، ترکوں پر بھی اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، مگر ہم کو بھول نا نہ چاہیے کہ ترک اس ارض پاک میں تلوار لیکر نہیں آئے تھے بلکہ جھاڑو لیکر آئے تھے، اور وہ حرمین الشریفین کی جاروب کشی کو عین سعادت سمجھتے تھے، انہوں نے یہاں سختی سے کام نہیں کیا ورنہ ایک حد تک وہ بھی قیام امن میں کامیاب ہو جاتے، الحمد للہ کہ سلطان ابن سعود کا دامن لوٹ مار کے محرک ہونے سے بالکل پاک ہے، دوسروں کو وہ سوال سے بھی غالباً

روکیں، گو خود عالم اسلامی سے موجودہ حکومت حجاز کا سوال جاری ہے، اور حجاج سے مختلف طریقوں پر ان کی حکومت بھی روپیہ وصول کرتی ہے، انہوں نے بھی پرانے غلط طریقہ کو جاری رکھا ہے کہ بجائے حکومت کے نام سے اور عمال حکومت کے ذریعہ سے ٹیکس وصول کریں، وہ اب تک اونٹوں کے کرایہ میں تقریباً آدھوں آدھ کے شریک ہیں، لیکن سلطان نجد نے لوٹ مار کرنے والے قبائل میں سے بعض کو حجاز میں داخل ہوتے ہی اس سختی کے ساتھ سزا دی ہے، اور بعض کو ترکوں کی طرح بڑی بڑی رقمیں دے کر اس طرح راضی کیا ہے کہ لوٹ مار آجکل بالکل بند ہے۔

جدہ سے مکہ معظمہ اور وہاں سے عرفات اور طائف اور مدینہ منورہ سے ینبع اور جدہ تک حجاج اور زائرین کے قافلے بے کھٹکے سفر کرتے ہیں اور اس قلیل مدت ہی میں زائرین اور حجاج کو وہ اطمینان نصیب ہو گیا ہے کہ سات آٹھ اونٹ کے قافلے بھی اور پیادہ پا مسافر بھی پورے اطمینان کے ساتھ سفر کرتے ہیں، بعض مقامات پر تو بدوی لکڑی، پانی اور دیگر اشیاء فروختنی لے کر بھی قافلوں کے اندر نہیں آتے، اور باہر ہی سے ان چیزوں کو فروخت کرتے ہیں، اور کوئی بلاتا ہے تو کہتے ہیں کہ حکومت نے اندر آنے سے منع کر دیا ہے، جو لوگ اس سے پہلے حج و زیارت کر چکے ہیں اور وہ بھی جنہوں نے پہلے یہ سفر نہیں کیا ہے اگر چہ مدتوں سے لوٹ مار کے بے شمار قصے سنتے آئے ہیں، محسوس کرتے ہیں کہ یکا یک خوف و خطر کی فضا امن و امان سے بدل گئی، اور بلا امتیاز عقائد ہر مسافر اس امر میں سلطان نجد کا مداح ہے۔

کیا یہ قیام امن پائیدار ہے؟

۲۱۔ ہمارے وفد نے متعدد بار اس کا اعتراف اور سلطان کا شکریہ ادا کیا ہے، اور آج بھی ہم ان کی مدح کرتے ہیں، اور ان کے شکرگزار ہیں، لیکن ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اس امن وامان کی بھی ایک قیمت ہونی چاہیے، اور اس سے زائد عالم اسلام ادا کرنے پر راضی نہیں ہو سکتا، لوگ پہلے بھی باوجود قتل ونہب کے حج اور زیارت کے لئے اقطار وامصار دنیائے اسلام سے ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں آئے تھے، لیکن نجدیوں کی تنگ خیالی نظری اور تشدد اور محاصل کی غیر متوقع زیادتی نے اسمال حجاج اور زائرین کو بد دل کر دیا ہے، اور اگر یہی حالت جاری رہی تو باوجود قیام امن کے ہمیں اندیشہ ہے کہ آئندہ حجاج وزائرین کی تعداد کم ہو جائے گی، محاصل کی زیادتی اگر ایک وقتی عارضہ ہے تو ممکن ہے کہ اسے ایک حد تک مجبوری تصور کیا جائے لیکن ہم افسوس کے ساتھ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیں موجودہ ارکان حکومت پر اعتماد نہیں کہ یہ عارضہ وقتی رہے گا، یہی نہیں کہ حکومت موجودہ عالم اسلام سے بہت زیادہ تبرعات اور صدقات کی خواہاں ہے بلکہ ہم کو اندیشہ ہے کہ کہیں اوقاف بھی اس کی دستبرد سے بچ سکنے میں ناکامیاب نہ ہوں، اوقاف کا مسئلہ موتمر میں پیش کیا گیا تھا اور گو ہمیں اس کی تحقیقات کرنے کا موقع نہ ملا کہ کہاں تک حجاز میں بھی غاصب اوقاف پر قابض ہو گئے ہیں، تاہم ہم ہندوستان کی حالت سے ایک حد تک اندازہ کر سکتے تھے کہ وہاں بھی اوقاف غاصبین کے غصب سے محفوظ نہ رہے ہوں گے، اور خود اہل حجاز سے ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ ہزاروں اوقاف پر

لوگ قابض ہو بیٹھے ہیں، اور ان میں بیجا تصرف کرتے ہیں، ہمیں اس کی ضرورت سختی کے ساتھ محسوس ہوئی کہ اوقاف کا انحصار موتمر کی طرف سے اور حکومت کی مدد سے کیا جائے لیکن ہمارے نزدیک فی الحال پہلا قدم یہی اٹھانا چاہئے کہ اوقاف کی پوری تحقیقات اور پھر ان کا باقاعدہ اور بالتفصیل اندراج کرایا جائے اور ہر وقف کا نام وقف کی جائداد تولیت، منشائے واقف اور سالانہ آمد وخرچ کی تسجیل کر دی جائے، مگر نامزدگان سلطان کا اس پر بھی اصرار تھا کہ حکومت کو اختیار دیا جائے کہ وہ ابھی سے اوقاف کی آمدنی میں تصرف بھی کر سکے، اور اس کو اعمال خیر جاری کرنے میں خرچ کرے، ہمیں اندیشہ ہے کہ اس طرح بعض اوقات واقفوں کی منشا کے خلاف بھی وقفوں کی آمدنیاں صرف کی جائیں گی، اور یہ شرعاً اسی حالت میں جائز ہے کہ وقف کا منشا خلاف شریعت ہو، نجدی علماء اور موجودہ ارکان حکومت کی جو ذہنیت ہم کو معلوم ہوتی ہے، اس سے ہمیں خوف ہے کہ اجرائے اعمال خیر میں نجدی عقائد کی تبلیغ و ترویج شامل ہو جائے گی، اس لئے ہم نے محسوس کیا ہے کہ تعلیم کی توسیع میں اس وقت عقائد و عبادات کی "اصلاح" پر زیادہ توجہ ہے، اس قدر توجہ نہیں ہے جب تک اہل حجاز کو عام تعلیم کے علاوہ صنعتی و حرفتی تعلیم دے کر ان کے لئے حصول معاش کے ذرائع نہیں پیدا کئے جائیں گے، بدوحضری بھوک سے بیتاب ہو کر پھر سرقہ اور سوال سے اپنا پیٹ بھرنا چاہیں گے، اور جن لوٹ کرنے والوں کو آج خوف سے مرعوب کیا گیا ہے، کل کو وہ اس قدر مرعوب نہ رہیں گے، موجودہ حالت میں خوف سے

بعض قبائل کو مرعوب کرنا اور روظیفے دیکر بعض اور قبائل کو راضی کرنا ایک بڑی حد تک ناگزیر تھا لیکن قیام امن اس وقت تک پائیدار نہ ہوگا جب تک کہ تمام قبائل کی ذہنیت نہ بدل جائے، اور اس کی طرف حکومت کو جلد از جلد توجہ کرنے کی ضرورت ہے، حکومت موجودہ کو جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں ابھی قائم ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے اور اس کے متعلق رائے قائم کرنے کے وقت اس امر کے لحاظ رکھنے کی سخت ضرورت ہے ہم اس سے غافل نہیں مگر بایں ہمہ اور باوصف شکر گزاری سلطان نجد ہم یہ ظاہر کرنے پر مجبور ہیں کہ ہم کو قیام امن کے پائیدار ہونے کے متعلق پورا اطمینان نہیں ہے۔

ہوس ملک گیری قیام امن کے منافی ہے

۳۲ - اگر ہم مطمئن ہو جائیں کہ اس طرح خوف وطمع سے قائم کی ہوئی امن پائیدار بھی ہوگی، تب بھی ہم اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ اندرون ملک کی لوٹ مار بند کرنا نہ حجاج وزائرین، نہ باشندگان حجاز کے لئے کافی ہے، لٹیرے قبائل کی تگ و دو محدود ہوتی ہے، برخلاف اس کے جنگجو اور حملہ آور بادشاہوں اور دیگر ملک گیروں کی تگ و دو غیر محدود ہوتی ہے اور جو قتل وغارت ایک سکندر، ایک ہلاکو، ایک چنگیز، ایک تیمور، ایک نپولین، یا موجودہ زمانے کی ایک استعماری دولت متمدنہ کے مطامع و ہوس الارض کا نتیجہ ہوتی ہے، وہ قزاقوں اور ڈاکوؤں کی قتل وغارت سے ہزاروں گنی زیادہ ہوتی ہے، ہم نے حال ہی میں دیکھا ہے کہ برسلز کے شہر میں اس کی متمدن حکومت نے پورا امن و امان قائم کر رکھا تھا، اور

لوگ اطمینان سے اپنے گھروں میں رہتے تھے، اور سفر کرتے تھے، لیکن جنگ کے
چھڑ جانے پر ہر دو فریق کی طرف سے جو زور آزمائی ہوئی اس میں وہ بڑے بڑے بازار
اور امراء کے سکونتی محلے جن میں خس و خاشاک کا نظر آنا بھی تقریباً ناممکن تھا، اس طرح
تباہ و ویران ہو گئے کہ چھوٹے سے بڑے لٹیرے قبائل کے قتل و نہب کے باعث کوئی
چھوٹا سا قریہ بھی اس سے پہلے تباہ و ویران نظر نہ آیا ہوگا، نہ معصوم سے معصوم
انسان کی جان محفوظ تھی، نہ مال، بوڑھے اور بچے اسی طرح جنگ کی نذر ہوئے
جس طرح کہ باقاعدہ فوج کے مسلح سپاہی اور عورتوں کی عزت و ناموس کی حفاظت
نہ کی جا سکی، آتش جنگ نے ایک لمحہ میں صدیوں کے قائم کردہ امن کو جلا کر خاک کر
دیا، اگر ارض پاک حجاز پھر شمشیر ملک گیری کی رزمگاہ بن گئی، تو سلطان نجد کا
قائم کردہ امن و امان کس کام آئے گا؟ ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ ایران، عراق،
شرق اردن، مصر و یمن کے تعلقات سلطان نجد سے کیسے ہیں، اگر ان کو یا
ان کے حامیوں کو یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے ارض پاک حجاز کو اپنی تلواروں اور
نیزوں کی نوکوں اور بندوقوں کی گولیوں سے لیا ہے، تو کون چیز اس کا مانع
ہو سکتی ہے، کہ وہ پھر سے بھی تیغ آزمائی کر کے اسی طرح اس ارض پاک پر قبضہ
کر لیں، حقیقت یہ ہے کہ سلطان نجد نے حجاز کو تلواروں سے بھی بزور شمشیر
نہیں لیا ہے، اہل حجاز کو آٹھ برس کے شریفی مظالم نے مردہ کر دیا تھا اور طائف
والوں تک کو شریف حسین اور امیر علی نے دھوکہ میں رکھا کہ وہ قبائل نجد سے

ان کی حفاظت کریں گے، حالانکہ دونوں طائف اور مکہ مکرمہ چھوڑ کر جدہ بھاگے جارہے تھے، اس پر بھی جدہ بزور شمشیر نہیں لیا جاسکا، شمشیر کے ساتھ بین الاقوامی تدبیر کو بھی سقوط جدہ میں داخل تھا، لیکن یہ بھی مان لیا جائے کہ حکومت حجاز اور اہل حجاز دونوں سے سلطان نجد نے حجاز کو بزور شمشیر لیا ہے، تب بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اور مسلمان امراء وسلاطین ملک گیری کی ہوس اور شمشیر زنی کے ولولے میں تیغ آزمائی کرسکتے ہیں۔ ع

دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

ظاہر ہے کہ باہر کا فتنہ اس طرح فرو نہیں ہوسکتا، لیکن حجاز میں اندر کا فتنہ بھی موجود ہے، اور وطنی فتنہ پر دینی فتنہ پر مستزاد ہے، اور رعایا میں انقلاب کی خواہش ایک فاتح کے ذوق ملک گیری سے کچھ ہی کم قتل وغارت کا باعث ہوسکتی ہے، ہم کو اس کی کافی سے بہت زیادہ شہادت مل چکی ہے، کہ اہل حجاز سلطان نجد کے ملک الحجاز بنتے وقت نہ اُن سے خوش تھے، نہ آج اُن سے اور حکومت سے خوش ہیں۔

امیر علی کی وزارت خارجہ کی ایک تحریر

۲۴- ہمارے وفد کے رئیس سید سلیمان ندوی کی صدارت میں جو وفد ۱۸؍ دسمبر ۱۹۲۴ء کو جدہ گیا تھا اُس کے نام امیر علی کی وزارت خارجہ نے اپنے مراسلہ نمبر ۶۲ مورخہ ۱۷؍ جمادی الثانی ۱۳۴۳ھ میں لکھا تھا کہ۔

"آج کے بعد سے مملکت حجاز کو موجودہ بادشاہ حجاز کے سوا کسی سے کوئی تعلق نہیں اور نہ وہ اس لئے کسی کی طرف دیکھتی ہے اور حجاز نے قطعی ارادہ کر لیا ہے کہ وہ اپنے موجودہ بادشاہ سے آخر دم تک وابستہ رہے گا، اور اس نے اپنے مستقبل زندگی کے متعلق بادشاہ مذکور کی بیعت کر کے اور دستوری حکومت کے قیام کا ارادہ کر کے اپنے متعلق قطعی فیصلہ کر لیا ہے، اور یہ سخت وقت جس میں حجازی قوم نے بغیر اکراہ کے بادشاہ حال کی بیعت کی ہے، خود مملکت حجاز کی وطنی روش اور قومی خواہش پر بہترین گواہ ہے۔"

لیکن ہم نے دیکھ لیا ہے کہ امیر علی سے "آخر دم تک" وابستگی کے کیا معنی تھے، اور ان سے "بغیر اکراہ" کے بیعت کی اصلیت کیا تھی، حقیقت یہ ہے کہ جس وقت شریف حسین اور ان کی اولاد کے پنجہ ظلم والحاد سے مملکت حجاز چھوٹی تو اس کی "وطنی روش اور قومی خواہش" نے صاف گواہی دیدی، ہم نے دیکھ لیا ہے کہ جو گواہی اس سے پہلے دلوائی گئی تھی وہ کس قدر جھوٹی تھی، مملکت حجاز آج نجدی حکومت کے پنجہ سے آزاد نہیں ہے، لیکن اس کی وطنی روش قومی خواہش اور دونوں سے زیادہ اس کا مذہبی میلان صاف گواہی دے رہا ہے، کہ وہ موجودہ بادشاہ حجاز سے ایک لحظہ کے لئے بھی وابستہ رہنا نہیں چاہتا، اور بادشاہ حال کی بیعت بغیر اکراہ نہ تھی، ہمیں ہر طبقہ کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا،

لیکن ہم نے سوائے چند کے کسی کو بھی جو نجدی عقائد کا نہ تھا موجودہ حکومت سے خوش نہ پایا، بہتوں نے اس کی بھی شکایت کی کہ جمعیت خلافت ہند ہی موجودہ حکومت کے قیام کا باعث ہوئی، اور گو ہم نے ان کو مطمئن کر دیا کہ یہ خلاف واقعہ ہے تاہم ان کی آنکھیں ہندوستان پر لگی ہوئی ہیں کہ جس طرح اہل ہند نے اپنی پوری اخلاقی قوت شریف حسین اور امیر علی کے خلاف صرف کر دی، اسی طرح موجودہ طرز حکومت حجاز کے خلاف بھی صرف کریں گے، ہندوستان میں یہ بھی مشہور ہوا تھا کہ سلطان نجد اہل حجاز ہی کو مختلف عہدوں پر حجاز میں مامور کر رہے ہیں اور "حجاز للحجازیین" کے اصول پر کاربند ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جتنے بڑے بڑے عہدے ہیں، تقریبًا ان سب پر نجدی یا نجدیوں کے ہم عقیدہ اشخاص کو مقرر کیا جا رہا ہے، اور جو چند حجازی بعض چھوٹے عہدوں پر مامور ہیں وہ بھی اپنی ملازمت کو عارضی سمجھتے ہیں بلکہ بعض کو تو اندیشہ ہے کہ کہیں ملازمت ہی سے نہیں بلکہ مملکت حجاز سے بھی خارج نہ کر دئے جائیں، موسم حج سے پہلے ایک بڑی تعداد جن میں سے کچھ ضرور شریفی حکومت کے ارکان تھے، قید اور خارج البلد کر دئے گئے تھے لیکن صحیح تعداد کا ہم کو پتہ نہ چل سکا، نہ ان کے قصور اور موجودہ قیام کا ایک ترکی خاتون نے جو ان میں سے ایک کی مطلقہ بیوی تھیں، ہم سے استدعا کی کہ ان بچوں پر رحم کیا کر جن کا ذریعۂ معاش صرف ان کے سابق شوہر کی آمدنی کا ایک حصہ تھا ہم ان کے سابق شوہر کی رہائی کے لئے حکومت سے سفارش کریں، اور کم از کم حکومت کو اسی پر

رضامند کردیں کہ ان کا قصور بتا دیا جائے، اور ان پر باقاعدہ مقدمہ چلایا جائے
ہم ان کے سابق شوہر کے حالات سے واقف نہ تھے، اور رہائی کی سفارش کرنا
ہمارے امکان سے خارج تھا تاہم ہم نے حافظ وہبہ سے ان کے متعلق ذکر کیا تو
ہم کو بتایا گیا کہ حکومت کے پاس تحریری ثبوت موجود ہے، کہ یہ سب لوگ ایک سازش
میں شریک تھے جس کا منشا تھا کہ موسم حج میں انقلاب حکومت کی کوشش کی جائے
اور حافظ وہبہ صاحب موصوف نے ہم کو یقین دلایا کہ ان پر باقاعدہ کھلی عدالت
میں مقدمہ چلایا جائے گا ہمیں معلوم نہیں کہ ان میں سے کسی پر بھی مقدمہ چلایا گیا
یا نہیں، لیکن اب سننے میں آیا ہے کہ ایک بڑی تعداد کو جلا وطن کر دیا گیا ہے، بہرحال
ہماری روانگی جدہ سے دوسرے ہی دن نافذ کردہ قانون اسلحہ سے ثابت ہوتا ہے
جیسا کہ موتمر "سبجکٹ کمیٹی کے سامنے پیش شدہ نجدی تحریک سے بھی ثابت ہوتا تھا
کہ حکومت حجاز کو اہل حجاز کی رضامندی پر مطلق بھروسہ نہیں ہے، اور وہ اہل حجاز
کو اسی طرح مرعوب وخائف رکھنا چاہتی ہے، جس طرح کہ یورپ کی استعماری
دولتیں مشرقی محکوم قوموں کو مرعوب وخائف رکھتی ہیں، ان حالات میں علاوہ
بیرونی حملہ آوروں کی ہوس گیری کے موجودہ حکومت حجاز کو خود باشندگان
حجاز کی خواہش آزادی سے بھی سابقہ پڑا ہے لازمی معلوم ہوتا ہے، اور حجاز کو
موجودہ حکومت کے ہاتھ میں چھوڑ دینے کے یہی معنی ہیں کہ اس بقعۂ مبارکہ کو
ایک رزمگاہ بنادیا جائے جس میں دونوں آتش جنگ مشتعل رہے، یہ خود مسلمانان

عالم کو ہرگز گوارا نہ ہوگا، لیکن اس سے کہیں بدتر وہ زمانۂ صلح و امن ہوگا جو غیر مسلم استعماری دولتوں کی مداخلت کے بعد جو ایسے حالات میں یقینی ہے، بظاہر آنے والا ہے، خدا ارض پاک حجاز کو جس کے حرموں کی حدود میں گھاس اور درخت کی ٹہنی بھی نہیں توڑی جاسکتی اور موروملگس تک محفوظ ہیں، اس کشت و خون اور فساد وسفک دم سے بچائے، اس خدا نے جس نے مکہ مکرمہ کو "بلداً امین" اور جس نے ہم سے وعدہ کیا کہ من دخلہ کان امنا، بیشک اس کی قدرت رکھتا ہے کہ وہ ارض حجاز میں امن وامان قائم رکھے، لیکن وہ مسبب الاسباب ہے اور آج سے تیرہ سو برس پیشتر اپنے رسولؐ پر وحی نازل فرماکر اس نے یہ کام ہمارے سپرد کیا ہے، کہ ارض مقدس حجاز کو کفر و شرک کی نجاست سے پاک رکھیں، اور کفار کو اس کے پاس بھی نہ پھٹکنے دیں، اور وہی مرد آخر میں مبارک بندہ ہے جو کفار کے معاملہ کو روکنے کی پہلے ہی سے کوشش کرے، اور کفار کی مداخلت کے سب راستے ہی بند کردے، دول یورپ کے داخلہ کا جو کھٹکا شریف حسین کی غداری کے بعد سے مسلمانان عالم کو ہر وقت لگا رہتا تھا ایک حد تک آج بھی موجود ہے، سنا جاتا ہے کہ جدہ کے تارگھر کو برطانیہ کے داخلہ کی دہلیز جلد بنایا جانے والا ہے، یہ خطرہ اس قدر پریشان کن اور وحشت انگیز ہے کہ ہم کامل ثبوت پہنچنے تک صبر نہیں کرسکتے، اور جو تردد اور تشویش ہم کو لاحق ہے اس سے اپنے ہم مذہبوں اور بالخصوص مسلمانان ہند کو ناآشنا نہیں رکھنا چاہتے

ہمارے نزدیک سلطان نجد کے وعدوں سے مسلمانانِ عالم کو نہ اطمینان ہو سکتا ہے نہ ان کو اطمینان ہونا چاہیے، یہ اطمینان اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ حجاز میں ایک حجازی جمہوری حکومت قائم ہو جائے اور اس پر چند ضروری امور میں مندوبین عالم اسلام کی نگرانی ہو، اسی وقت یہاں پائدار امن قائم ہو سکے گا، اور اسی وقت یہ بقعۂ مبارک آتش جنگ سے مامون و مصئون ہو گا، اسی کیلئے سلطان ابن سعود نے ۵؍ ربیع الآخر ۱۳۴۴ھ کو مؤتمر اسلامی کی دعوت دی تھی اور دعوت نامہ میں تحریر فرمایا تھا الحجاز للحجازیین من جہت الحکم وللعالم الاسلامی من جہۃ الحقوق المقدس التی لہ فی ھذا البلاد (حکومت کے لحاظ سے حجاز حجازیوں کے لئے ہے، اور حقوق مقدسہ کے لحاظ سے جو دنیائے اسلام کو حجاز میں حاصل ہیں، حجاز تمام دنیائے اسلام کے مسلمانوں کے لئے ہے)

اسی دعوت نامہ میں سلطان نے لکھا تھا والذی نفسی بیدہ لم ارد التسلط علی الحجاز ولا تملکہ وانما الحجاز ودیعۃ فی یدی الی الوقت الذی یختار الحجازیون فیہ لبلادھم والیا منہم یکون خاضعا للعالم الاسلامی وتحت اشراف الاسلامیۃ والشعوب التی ابدت غیرۃ تذکر کالھنود۔ (اور میں اس خدائے برتر کی قسم کھا کر جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، کہتا ہوں کہ میرا مقصد حجاز پر تسلط یا حکومت کرنا

نہیں ہے، حجاز میرے ہاتھ میں اس وقت تک امانت ہے، جب تک کہ اہل حجاز خود اپنے میں سے ایسے حاکم کا انتخاب کرلیں، جو عالم اسلامی کی بات ماننے والا اور ان اقوام اسلامیہ اور طبقات ملیہ کے زیر نگرانی رہے جنہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی طرح سے غیرت وحمیت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے)

اسی دعوت نامہ میں جہاں یہ درج تھا کہ حکومت حجاز داخلی امور میں خود مختار ہوگی، وہیں یہ بھی درج تھا کہ حدود حجاز کی تعیین اور انتظام مالی و انتظامی ادارتی کی حجاز کے لئے تشکیل ان مندوبین کے لئے ہوگی، جن کو اقوام اسلام اس کا اختیار دیں گی، ہماری رائے میں سلطان نجد کا یہ ارادہ یقیناً ایسا تھا کہ وہ اس پر قائم رہتے، اور آج اسی کا ان سے مطالبہ کرنا چاہئے۔

حجاز میں امن کی خاص ضرورت

۴۴ — ہم نے حجاز کی سرزمین کے لئے قیام امن کو سب سے بڑی ضرورت بتایا تھا، یہ نہ صرف اس لئے کہ ہر ملک میں قیام امن سب سے ضروری چیز ہے بلکہ اس لئے بھی کہ یہ سرزمین دنیائے اسلام کی زیارتگاہ ہے اور جب حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کو اس وادی غیر ذی زرع میں بسایا تھا اور خداوند کریم سے ان کے لئے دعا کی تھی، تو اس رزاق نے اپنی مسبب الاسبابی سے حجاج کو ان کے رزق پہنچانے کا ذریعہ مقرر فرمایا تھا، ایک ایسے ملک میں جس کی اپنی آمدنی بہت ہی قلیل ہو، اور جس کا دارومدار تقریباً تمام تر باہر سے آنے والے حجاج پر ہو

حجاج کے آرام و آسائش کے متعلق پورا انتظام کرنا وہاں کا اولین فرض ہونا چاہئے۔

سڑکوں کی حالت

۳۵۔ "تامین الطریق" کے متعلق ہم اوپر اپنی رائے ظاہر کر چکے ہیں لیکن اب "طرق" کے متعلق بھی اپنے خیالات ظاہر کرتے ہیں، افسوس ہے کہ اس وقت سوائے حجاز ریلوے کے جسے دشمنان اسلام نے دوران جنگ میں جگہ جگہ سے توڑ دیا تھا، اور جس کے دوبارہ بنوا دینے کی توفیق ان کے حلیف غدار شریف حسین کو آٹھ برس میں کبھی نصیب نہیں ہوئی، حجاز میں کوئی سڑک نظر نہیں آتی ہم نہیں کہہ سکتے کہ خلفائے بنو امیہ اور بنو عباس نے کیسی سڑکیں بنوائی تھیں، لیکن قیاس یہی ہے کہ اس ریتیلے اور پتھریلے میں جبکہ آج بھی کوئی پختہ سڑک نہیں ہے، حالانکہ دنیا کے اور ممالک میں بہتر سے بہتر سڑکیں بن چکی ہیں جن پر تیز رو گاڑیاں اور موٹریں بہت سرعت کے ساتھ اور بغیر جھٹکوں کے، قطع منازل کرتی ہیں اس وقت جبکہ پختہ سڑکیں کم تھیں، کوئی پختہ سڑک نہ ہوگی، بہرحال کسی سڑک کا نام نہیں اور طریق سلطانی یا ضرب سلطانی کی اس پگ ڈنڈی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں جو اونٹوں کے صدیوں سے چلنے سے پڑ جاتی ہے، چونکہ زمین یا تو اکثر ریتیلی ہے یا پتھریلی، اس لئے اس پگ ڈنڈی کا بھی فقط ایک دھندلا سا نشان ہے جسے رات کو صرف بدو اور ان کے اونٹ ہی پہچان سکتے ہیں، البتہ کہیں

کہیں دور دیہ کچھ پتھر نظر آتے ہیں جو نشان راہ کا کام دیتے ہیں، اگر وہ کہیں سے ہٹ گئے ہیں تو کسی کو توفیق نہیں ہوئی ہے کہ انہیں پھر وہاں رکھدے، اسی پر کیا منحصر ہے، اس وقت تک حج کے متعلق جس پر ترکوں کی از رہانشی کے بعد حکومت حجاز کا تمام تر دارو مدار ہے کوئی محکمہ انتظامات حج کے لئے نہیں قائم کیا گیا البتہ موتمر میں مولانا ثناء اللہ صاحب کی تجویز منظور ہوئی ہے کہ حکومت حجاز حج کا ایک محکمہ قائم کرے، ہندوستان کے مسلمانوں نے اس خبر کو بڑی دلچسپی، اور شکر گزاری سے سنا تھا کہ نجدی حکومت حجاز نے اپنے پہلے ہی سال میں حجاج کو جدہ سے مکہ معظمہ تک لیجانے کے لئے موٹروں کا انتظام کر دیا، مگر افسوس ہے کہ جس کمپنی کو موٹروں کا اجارہ دیا گیا تھا، موٹروں کے لئے سڑک کی درستی کا کام بھی اسی کے سپرد کیا گیا، سنا گیا ہے کہ اس اجارہ کے دینے میں بھی عمال حکومت نے پوری دیانتداری سے کام نہیں لیا ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ الزام کہاں تک درست ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ انتظام نہایت برا ہوا، اور ابھی اطلاع ملی ہے کہ کمپنی کا اجارہ توڑ دیا گیا، اس کمپنی کے کام کرنے والوں میں غیر مسلم بھی شریک تھے، اسی سلسلہ میں ہمیں شمیسی تک جو حدیبیہ کے تاریخی مقام سے بالکل متصل ہے، اور جس سے تھوڑے ہی فاصلہ پر وہ علمیں ہیں جہاں سے حدود حرم شروع ہو جاتی ہیں نظر آئے، کمپنی نے سڑک کی اسی قدر درستی کی تھی کہ دو چار مقامات پر جہاں ریت بہت زیادہ تھا، کچھ پتھر توڑ کر ڈالدئے تھے،

اس کے سوا راستہ کی کچھ اصلاح نہیں ہوئی، اور سڑک صرف اس وادی کا نام ہے جو جانبین کی پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے، اس کا اکثر حصہ سخت ریتیلا ہے، اور معمولی موٹروں کو بھی اس پر سے گزرنے میں سخت مشکل ہے، اور خود وہ موٹر لاری جس پر ہمارا اور جمعیت العلماء کا وفد سلطان کا مہمان ہو کر گیا تھا، بار بار ریتے میں دھنس جاتی تھی، اور محنت شاقہ کے بعد ہم صبح کے چلے ہوئے دو بجے کے قریب مکہ معظمہ پہنچے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس سفر کے متعلق عام خیال تھا کہ جدہ سے آنے والے حجاج موٹروں اور موٹر لاریوں میں طے کریں گے، وہ حسب معمول زیادہ اونٹوں ہی پر طے کیا گیا اور صرف خال خال حجاج موٹروں سے مستفید ہو سکے، ہندوستان میں یہ خبر بھی نہایت دلچسپی سے سنی گئی تھی کہ مدینہ منورہ کو بھی حج سے پہلے ایک سلطانی موٹر گئی تھی جس نے اس سفر کو ۲۵ گھنٹے میں طے کیا تھا اور یہ بھی سنا گیا تھا کہ اس کے بعد ایک موٹر نے اس راستے کو ۱۴ گھنٹے میں طے کیا تھا، اور امید کی جاتی تھی کہ جلد یہ راستہ ۸ گھنٹے میں طے کیا جا سکے گا، ان خبروں کے سننے سے ہمیں امید ہوتی تھی کہ ہم بھی اس راستے کو موٹر میں طے کر سکیں گے، اور جو وقت اس طرح سفر میں بچ جائے گا اُسے طائف، خیبر، اور دیگر مقامات کو جانے میں صرف کر سکیں گے، مگر مکہ معظمہ پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ابھی موٹریں مدینہ منورہ نہیں جاتیں، البتہ ایک موٹر میرٹھ کے مشہور رئیس شیخ وحید الدین بھیا جی

اپنے ہمراہ لے گئے تھے، جس کے داخلے پر حکومت حجاز نے نو سو روپے کا ٹیکس لگایا، انہوں نے البتہ موٹر میں مدینہ منورہ کا سفر کیا جو ۸ گھنٹے موٹر کے چلنے میں طے ہوا، مگر کئی بار چکر کاٹ کر جانا پڑا، قضیمہ، اور رابغ کے قریب سمندر کے کنارے کی زمین ہموار، اور سخت ہے، اور وہاں ریل کی پٹری بھی شاید بغیر کسی زیادہ صرف کے ڈالی جا سکے، لیکن باقی راستہ ریتیلا اور پتھریلا ہے، اور بعض جگہ تو پہاڑی ہے، اور نہایت دشوار گزار ہے، ممکن ہے کہ پانی کی کمیابی ایک حد تک پختہ سڑک نہ بننے کا باعث ہوئی لیکن جہاں تک ہمارا خیال ہے کوئی دشواری ایسی نہیں کہ جس سے ہم عہدہ برآ نہ ہوسکیں، اسوقت تک سواری صرف اونٹ کی ہے، اور شقدف اور شبریہ میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی ہے جدہ سے مکہ معظمہ کا راستہ دو دن کا ہے، اور مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک کا دس سے بارہ دن تک کا ہے، اور مدینہ منورہ سے ینبع کا پانچ چھ دن کا ہے اور مدینہ منورہ سے جدہ کا دس دن کا، بہرحال جدہ سے مکہ معظمہ تک جانا تو ہندوستان اور مصر وغیرہ کے حجاج کے لئے ناگزیر ہے، اور دو دن کی تکلیف کوئی ایسی تکلیف نہیں لیکن زیارت روضہ رسول ؐ و حرم نبوی فرض نہیں ہے اس پر بھی ہر سال کم و بیش ایک لاکھ زائرین مدینہ منورہ کا سفر کرتے ہیں، اور جو کچھ تجربہ اس سفر کا خود ہمیں ہوا ہے اس کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس بیس بائیس دن کے سفر سے اس محبت کا کچھ صحیح اندازہ ہو سکتا ہے جو کروڑوں بندگان خدا

کو حضرت خاتم النبیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے ہے، لیکن کوئی وجہ نہیں کہ زائرین اس قسم کی تکلیف اٹھانے پر ہمیشہ مجبور کئے جائیں، ہمیں امید ہے کہ حکومت حجاز کی صحیح اور مطلوب طریقہ پر تشکیل کے بعد عالم اسلامی کے تبرعات سے مکہ معظمہ سے عرفات تک اور مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک اور وہاں سے ینبع اور جدہ تک ریل تیار ہو جائے گی، اور جب تک یہ بڑا کام انجام پائے، ان راستوں میں پختہ سڑکیں جن پر ایک طرف موٹریں اور دوسری طرف گاڑیاں چل سکیں، بنا دیجائینگی تاہم جب تک یہ بھی نہ ہو، اور شقدف اور شبریہ سے حجاج و زائرین کو مفر نہ ملے، اونٹ والوں پر ایک مؤثر نگرانی حکومت کی طرف سے ہونا چاہیئے۔

منزلوں میں فقدان انتظام

۳۶- لیکن سفر سے کہیں زیادہ تکلیف دہ منزلوں میں انتظام کا فقدان ہے، کسی منزل میں مسجد تو مسجد ایک کچے چبوترے کا بھی نشان نہیں جو اگر سارے قافلے کے لئے مسجد کا کام نہ دے، تب بھی سمت قبلہ بتا سکتا ہے کیا یہ عبرت کا مقام نہیں ہے کہ تیرہ سو برس کی مسلمان بادشاہوں کی حکومت کا نشان کہیں بھی مسجد کی شکل میں نظر نہیں آتا ؟ ہر منزل پر پانی کا کنواں ضرور ہے اور حقیقتاً انہیں کنوؤں کے لحاظ سے منزلیں قرار دی گئی ہیں لیکن بعض اوقات پے در پے آنے والے قافلوں کے لئے ایک کنواں کافی نہیں ہوتا، اور بعد کے آنے والوں کو آخر میں نہایت گدلا پانی میسر آتا ہے، نہیں معلوم ان منزلوں کے

علاوہ راستہ میں کہیں اور بھی کنوئیں کھودنے کی کوشش کی گئی ہے یا نہیں؟
بہرحال منزل پر جہاں ایک کنواں ہے وہاں اور کنوؤں کے کھودے جانے سے پانی ملنے کا بظاہر امکان ہے مگر اس طرف بھی کوئی توجہ نہیں کی گئی، کسی منزل پر سوائے ایک دو مقامات کے جہاں کچے مکان نظر آتے ہیں مسافروں کے لیئے نہ کوئی مکان ہے، نہ کھجور کی پتیوں سے ہی بنا ہوا کوئی جھونپڑا، سخت سے سخت مریض کے لئے سوائے شغدف کے آرام و استراحت کی کوئی جگہ نہیں، یہی نہیں بلکہ بیت الخلا بھی کسی منزل پر نہیں بنائے گئے، اور مرد تو مرد عورتوں کو بھی حوائج ضروری کے لئے سخت پریشانی اٹھانی پڑتی ہے، حجاج یا معلم اپنے ساتھ کپڑے یا ٹاٹ کے چند بیت الخلا لیجاتے ہیں، لیکن ان کے نصب کرنے کے لئے بھی کوئی جگہ مقرر نہیں، ہر طرف غلاظت پھیلی ہوئی نظر آتی ہے، اور انسانی بول و براز اور اونٹ کی مینگنیوں کی تہ پر تہ موسم حج میں ہر روز منزل پر چڑھتی جاتی ہے، اور یہی بظاہر صدیوں سے ہوتا آیا ہے منزل کا سارا میدان گویا ایک سنڈاس ہے، جو سیکڑوں برس سے آج تک صاف نہیں ہوا، اور اگر شمس اور ریل نہ ہوتے تو ہر منزل مختلف امراض کے جراثیم کیلئے ایک تربیت گاہ یا "نرسری" ہوتی، اب بھی ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ جو تھوڑی بہت بارش اس راستہ میں ہوجاتی ہے، اس سے کنوؤں کا پانی خراب ہو جاتا ہے، اور یہی ان بہت سے امراض کا سبب ہوتا ہے، جن کے باعث راستہ میں اور مدینہ منورہ میں، اور سمندر کے راستہ میں واپسی کے وقت حاجیوں کی کثیر تعداد مرجاتی

ہے، منزلوں پر مساجد کی تعمیر جو قرب وجوار کے بدادی کے بچوں کی تعلیم گاہ کا بھی کام دیں، بغیر صرف کثیر تیار کی جا سکتی ہیں، اور اگر پتھر کے، یا کچے مکانات نہیں، تو کھجور کی پتیوں کے جھونپڑے بہی تھوڑے سے صرف سے تیار کئے جا سکتے ہیں، تاکہ لوگ انہیں کرایہ پر لے سکیں، اور کم از کم موسم حج کے لئے چھوٹے چھوٹے دواخانے کھولے جا سکتے ہیں، اور بیت الخلاؤں کا مردوں اور عورتوں کے لئے تھوڑے ہی صرف سے بہتر سے بہتر انتظام کیا جا سکتا ہے، اور اونٹوں کی مینگنیاں وغیرہ بھی قافلوں کی روانگی کے بعد اٹھیا دی جا سکتی ہیں، جن کا کر شاید کھاد کے طور پر بھی استعمال کیا جا سکے، اور اس کی قیمت سے صفائی کے اخراجات بھی ایک حد تک ادا ہو سکتے ہیں۔

منیٰ کی حالت

۴۷۔ منیٰ میں حالانکہ ترکوں کے زمانے سے منحر میں خندقیں کھو دی جاتی ہیں، جن میں قربانی ہوتی ہے تقریبًا سارا کا سارا گوشت اکثر مع کھال وغیرہ کے ڈال دیا جاتا ہے، تاہم ہم نے دیکھا کہ اس پر بھی ہر طرف گوشت پڑا سڑ رہا تھا، اور خود منحر کے قریب جہاں مصری محمل کی قیام گاہ ہے، اور اس کی ہمراہی مصری فوج کا پڑاؤ ہے، اور قریب ہی سلطان اور ان کے مقربین کے خیمے ہوتے ہیں، اس قدر تعفن تھا کہ وہاں بیٹھنا دوبھر ہو گیا تھا، یقینًا گوشت کو سوائے ان خندقوں کے اور جگہ ڈالنے کی ممانعت ہو گی، تاہم ہم نے سارے منیٰ میں سلطانی فوج یا پولیس کے ایک شخص کو بھی نہیں دیکھا، جو لوگوں کو اور جگہ گوشت پھینکنے سے روکتا ہوا یا پڑے

ہوئے گوشت کو اٹھوانے کا کوئی انتظام کرتا ہو، اول تو ہم نے اس کو سخت بد انتظامی پر محمول کیا، لیکن جب سلطان سے ملاقات کے لئے شاہی خیمہ کی طرف سے جاتے ہوئے اس سے تیس چالیس قدم ہی پر ایک دُنبے کو سڑتے ہوئے دیکھا تو ہمیں معلوم ہوا کہ حقیقتاً یہ بد انتظامی نہیں ہے بلکہ انتظام کا فقدان ہے، منیٰ میں جو مسجد خیف واقع ہے، اس میں بھی صفائی کا کوئی انتظام نہیں، اور وہاں کی گندگی کی حالت دیکھ کر ہم کو شرم آتی تھی۔

عرفات کی حالت

۲۸۔ عرفات کے وسیع میدان میں جہاں لاکھ دو لاکھ حجاج ایک ہی وقت میں جمع ہوتے ہیں، مطلق کسی قسم کا نظم نہ تھا، جس کا جہاں جی چاہتا تھا تنبو تان لیتا تھا، اتنے وسیع میدان میں کسی تقسیم اور کسی سڑک کا نہ ہونا سخت پریشانی کا باعث ہوتا ہے، اور کوئی شخص اپنے یا اپنے معلم کے خیمہ کو چھوڑ کر کچھ دور مثلاً مسجد نمرہ یا جبل رحمت کی طرف چلا جائے تو واپسی میں اپنے خیمے کا پانا اس کے لئے نہایت دشوار ہو جاتا ہے، کتنے ہی حاجی دن دہاڑے کھو جاتے ہیں، اور چونکہ غروب کے وقت عرفات سے واپسی لازمی ہے، اسلئے گم شدہ ساتھیوں کے باعث قافلہ والوں کو سخت پریشانی لاحق ہوتی ہے، تھوڑے ہی صرف سے اور صرف چند ہفتوں کی کوشش میں نہایت آسانی سے ممکن ہے کہ ایک مرکز سے مختلف سمتوں میں دو رویہ پتھر رکھ کر اور ان پر چونے کی قلعی کر کے

راستے بنا دیے جائیں، اور ان کے مختلف نام رکھ دیے جائیں، اور مختلف ممالک کے لوگوں یا مختلف معلموں کے حجاج کے لئے پہلے سے سڑکیں مخصوص کر دی جائیں، جن کے ہر دو جانب ایک ترتیب سے خیمے استادہ کئے جائیں، وسط میں پولیس کا دفتر اور شفاخانہ وغیرہ ہو، جہاں گم شدہ حاجی اپنے قافلہ کا، یا ان کے رفقاء ان کا پتہ چلا سکیں، اور مریضوں کی دوا دارو ہو سکے، اور پورے میدان عرفات کا سستا اور چھوٹا سا نقشہ بنا کر مکہ معظمہ سے روانگی سے پہلے ہی ہر حاجی کو دیدیا جائے، جن لوگوں نے ہندوستان میں کانگریس اور خلافت کے کیمپوں کا انتظام کیا ہے، وہ چند ہی دن میں عرفات کا پورا انتظام نہایت کفایت شعاری سے کر سکتے ہیں، مگر افسوس کہ اب تک کسی کو اس طرف توجہ ہی نہیں ہوئی، اور حقیقت یہ ہے کہ حج بغیر کسی کے انتظام کے اب تک خود ہی ہو جایا کرتا ہے، اور جو تکالیف حجاج کو کبھی پہلے پیش آیا کرتی تھیں آج بھی وہی پیش آتی ہیں، حالانکہ ایک سال کے تجربے کے بعد دوسرے سال ان کو رفع کیا جا سکتا ہے۔

حج کے اور انتظامات

۲۹۔ منیٰ میں امسال حکومت کی غفلت سے نجدیوں کے ہاتھوں حجاج کو سخت تکالیف پہنچیں، اور چند اموات بھی واقع ہوئیں، لیکن بظاہر نہ تو حکومت حجاز نے اس طرف کوئی توجہ کی، نہ اس کا نجدیوں پر بس چلتا تھا، منیٰ میں نجدیوں کا

"رمی جمار" کے لئے اونٹوں پر آنا حکومت کی طرف سے رد کا جاسکتا تھا، مگر ایسا نہیں کیا گیا، اسی طرح مسعیٰ میں اونٹوں کے لانے اور چھوڑ دینے کی ممانعت کی جاسکتی تھی، اور طواف، استلام، مقام ابراہیم پر ادائگی نوافل اور چاہ زمزم کے متعلق بھی اس سے کہیں بہتر انتظام کیا جاسکتا تھا۔

حرمین الشریفین اور غلاظت

۲۳۰۔ خود مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں صفائی کی ہر طرف ضرورت ہے مگر اس طرف کسی کو توجہ نہیں ہوئی، حجاج جس وقت بحرہ یا شمسی پر پہنچتے ہیں اور حوائج ضروری اور غسل و وضو کے لئے بھی کوئی انتظام نہیں پاتے تو ان کو سارے حج میں کسی خوش انتظامی کی توقع نہیں رہتی تاہم مکہ معظمہ میں مسجد حرام کے ارد گرد اور اسی طرح مدینۂ منورہ میں مسجد نبوی کے باہر ہی بول و براز پایا جانا ہر عقیدت مند مسلمان کے لئے سوہان روح کا باعث ہوتا ہے، ان مواقع پر بھی جو بیت الخلا بنائے گئے ہیں وہ نہ صرف ناکافی ہیں بلکہ بہت غلیظ، اور متعفن بھی ہیں، لندن، پیرس، اور برلن میں تو سڑکوں پر نہایت صاف و شفاف پاخانے جن کو فرش اور دیواریں چینی کی اینٹوں کی ہوتی ہیں، بن سکتے ہیں لیکن حرمین الشریفین میں جو چالیس کروڑ مسلمانوں کی قومی و مذہبی مرکز اور زیارت گاہیں ہیں باوجود ہماری عقیدتمندی کے بھی سوائے متعفن سنڈاسوں کے اور وہ بھی ناکافی، کوئی انتظام نہیں ہوسکتا، اس سے زیادہ تعجب اور افسوس کی کیا بات ہوسکتی

ہے؟ ہمارے نزدیک ہندوستان کا ایک عقیدت مند صاحب دولت ہی ان حوائجِ ضروری کے لئے بہتر سے بہتر انتظام کرسکتا ہے بشرطیکہ اس طرف توجہ ہو، اس بارے میں ہمیں جو شکایت ہے وہ حکومتہائے ماضی سے ہے؛ لیکن یہ ظاہر کئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ حکومت حاضرہ کی طرف سے بھی اس بارے میں چھوٹی سے چھوٹی اصلاح بھی اس وقت تک عمل میں نہیں آئی۔

حج میں پانی کا انتظام

۳۱۔ حج کے موقع پر منیٰ، مزدلفہ اور عرفات سب مقامات میں پانی بافراط ملا، البتہ حج کے بعد بھی کئی دن تک نہرِ زبیدہ سے مکہ معظمہ میں پانی نہ مل سکا اور باشندگان شہر اور حجاج کو سخت تکلیف ہوئی، حالانکہ سلطان نجد کے محل کے پاس جو نجدی قبائل پڑے ہوئے تھے، انہوں نے مع اپنے اونٹوں کے سیراب ہوکر پانی پیا، ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ امر کسی سوئے اتفاق کے باعث تھا، یا جیسا کہ عام طور پر مشہور رہا تھا، کہ نجدیوں کے نہر زبیدہ میں ریت کے بورے ڈال دینے کے باعث، نہر زبیدہ کے لئے حجاج سے چندہ مانگا گیا، اور کسی قدر رقم وصول بھی ہوئی لیکن اس کی اصلاح اور توسیع کے لئے ایک کثیر رقم درکار ہے اور ہمیں امید ہے کہ حکومت کی طرف سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد مسلمانانِ ہند اس کارِ خیر میں پوری فیاضی کا ثبوت دیں۔

عام انتظامات

۳۲۔ تابین الطرق اور رجح کے متعلق ہم اپنے خیالات ظاہر کرچکے ہیں۔

ان کے علاوہ عام انتظامات ملکی کے متعلق ہم کچھ زیادہ نہیں کہہ سکتے، اس لئے کہ ہم کو ان کے متعلق رائے قائم کرنے کا کافی موقع نہیں ملا، موتمر میں جو تحریک سب سے اول پیش ہوئی، وہ حفظان صحت کے متعلق تھی، اور یقیناً حجاز میں صحیہ کے متعلق بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے، اور اسی طرح شفا خانوں اور ڈسپنسریوں، اور سفری ڈسپنسریوں کی بھی سخت ضرورت ہے، جس وقت صحیہ کے بارے میں موتمر میں تحریک پیش کی گئی اور عالم اسلام سے اس کار خیر کے لئے امداد کی درخواست کی گئی تو ہمارے وفد نے دریافت کرنا چاہا کہ خود حکومت کا بجٹ کیا ہے، اور بجٹ میں کتنی رقم صحیہ پر صرف کی جاتی ہے، بجٹ کے متعلق ہم کو کوئی اطلاع نہیں دی گئی، بلکہ اس کے متعلق سوال کو بھی مداخلت بیجا سمجھا گیا، البتہ ہمیں بتایا گیا کہ حکومت نے صحیہ پر تیس ہزار پونڈ صرف کئے، تاہم خرچ کی کوئی تفصیلات نہیں بتائی گئیں، لیکن ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ ان تیس ہزار پونڈ میں سے کم و بیش بیس ہزار کی بڑی رقم جدہ کے لئے نیا کنڈینسر یعنی سمندر کے پانی کو صاف کرنے کی کل پر صرف کی گئی تھی، اور اسی کے ساتھ یہ بھی سنا یا گیا کہ چھ ہزار پونڈ تاوان میں سے اس جدہ کے انگریزی فرم نے بچا لئے جس کی معرفت کنڈینسر منگایا گیا تھا، اور کچھ رقم بعض عمال حکومت کو بھی مل گئی، ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ الزام کہاں تک صحیح ہے، اس کی اشد ضرورت ہے کہ حکومت آمد و خرچ کا حساب باقاعدہ رکھے، اور اس کو شائع کرے، اور جو رقم سلطان ابن سعود اپنے اور اپنے خاندان کے مصارف کے لئے لیتے ہیں،

وہ رقم جو فوج نجد کی خدمات کے صلہ کے طور پر لی جاتی ہے، اس کو بھی شائع کیا جائے اسی طرح حجاج سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ بھی بالتفصیل شائع کی جائے۔

وفد کی رائے دربارۂ تشکیل حکومت حجاز

۳۳۔ جمعیت خلافت کی مجلس عاملہ نے ہمارے انتخاب کے وقت یہ فیصلہ کیا تھا کہ موتمر میں تشکیل حکومت حجاز کے بارے میں بحث نہ کی جائے اور جیسا کہ ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں سلطان نجد نے جمعیت العلماء کے تار کے جواب میں گول الفاظ میں، لیکن پھر بھی صاف طور پر ظاہر کر دیا تھا، کہ موتمر میں اس مسئلہ کے پیش ہونے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن جب موتمر کا افتتاح کرنے وقت سلطانِ نجد نے اپنی طرف سے ۲۶ نمائندوں کو نامزد کیا اور چار اہلحدیث کو بھی موتمر میں شریک کیا، اور اس طرح ۵۹، ارکان موتمر میں سے تیس ایک بڑی حد تک سلطان نجد کی رائے کے پابند ہو گئے، تو تشکیل حکومت کے مسئلہ کو تمام مسائل سے پیشتر موتمر کے پروگرام میں رکھا گیا، لیکن اس مسئلہ کا سلطان کے آخری دعوت نامہ میں نہ کہیں ذکر تھا، اور نہ ہماری جمعیت نے ایک ایسی موتمر میں ہمیں اس پر بحث کرنے کی اجازت دی تھی، جس کی نمائندگی ایک بڑی حد تک مشتبہ تھی، اس لئے ہم نے غیر رسمی طور پر سلطان کو اطلاع دی کہ کسی ایسے مباحثہ میں شریک نہیں ہو سکتے، اور اگر اس کے متعلق ان کے خطبۂ افتتاحیہ میں کچھ ذکر کیا گیا تو جمعیت خلافت کے مسلک کے مطابق ہم ان کی ملکیت کے خلاف اظہار رائے کریں گے، البتہ سلطان نجد کے ساتھ ملاقاتوں میں جو کچھ اس

بارے میں کہا گیا ہے، وہ ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں، رسمی طور پر ان سے اس بارے میں مزید بحث ہمیں بے سود معلوم ہوئی، اس لئے کہ وہ بادشاہت چھوڑنے پر کسی طرح راضی نہ معلوم ہوتے تھے، اب ہم اپنے مشاہدات اور تجربات کے بعد تشکیل حکومت کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرنا چاہتے ہیں، ہماری رائے ہے کہ حجاز میں کسی قسم کی بادشاہت نہ قائم ہو، حکومت کسی خاص خاندان کے ساتھ ہرگز وابستہ نہ ہو، حکومت میں وراثت کو کوئی تعلق نہ ہو، حکومت شوریٰ اور جمہوری ہو، اور صرف ساکنان حجاز کو ارکان حکومت بنایا جائے، گو جب تک ان کو بیرونی امداد کی ضرورت ہو تمام اقطارِ عالم اسلامی سے بہترین مسلمان بطور عمّال حکومت ملازم رکھے جا سکیں۔

عالم اسلام کی نگرانی

۴۳۔ اس طرح حجازی حکومت داخلی امور میں خود مختار رہوگی، لیکن چند امور میں اس پر عالم اسلام کی نگرانی ہوگی، ان امور میں سب سے مقدم حجاز کو غیر مسلموں کی مداخلت سے بچانا ہے، اور یہ فرض نہ صرف حجازیوں یا عربوں کا ہے بلکہ ہر مسلمان کا ہے جس کو یا ایھا الذین آمنوا انما المشرکون نجس فلا تقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا کا بارگاہ ایزدی سے حکم ملا ہے، غیر مسلموں کی مداخلت طریقہ طریقہ سے ہوسکتی ہے، اس لئے مداخلت کو کس طریقہ سے روکا جائے گا، اس کی تشریح یہاں نہیں کی جا سکتی، البتہ غیر مسلموں کو اقتصادی امتیازات دینا بند کرنا چاہئے اور غیر مسلم دول کے قنصلوں پر کم از کم مسلم ہونے کی شرط لگائی جا سکتی ہے، دوسرا

امر جس میں عالم اسلامی کی نگرانی لازمی ہے، ترویج شریعت اسلامیہ ہے، اسلئے کہ کسی حجازی یا عربی حکومت کو بھی یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ شریعت حقہ کی خود خلاف ورزی کرے، یا اس کی خلاف ورزی جائز رکھے، البتہ ترویج حکومت کی طرف سے شریعت کے اسی حصہ کی کی جائے گی جو تمام مذاہب اسلامیہ میں مسلمہ ہیں جن مسائل میں مختلف مذاہب میں اختلاف ہے، ان میں ہر مسلم مجاز ہوگا کہ اپنے مذہب کے مطابق عمل کرے، البتہ دوسرے مذاہب اور مذہب والوں کی توہین اور دل آزاری کی کسی کو اجازت نہ ہوگی، خواہ وہ اسے اپنے مذہب کا جزو ہی کیوں نہ سمجھے، اس کے علاوہ ان تبرعات، صدقات، اور اوقاف کی نگرانی بھی عالم اسلام کے مندوبین کریں گے جو بیرون حجاز کی طرف سے دیئے یا قائم کئے گئے ہوں، ان موٹی موٹی باتوں کے علاوہ کچھ اور امور بھی ایسے ہوں گے جن میں عالم اسلامی کی نگرانی کی ضرورت ہوگی، لیکن اسوقت اس قدر تشریح کافی ہے، عالم اسلامی کے مندوبین اسی طریقہ پر مقرر یا منتخب کئے جاسکتے ہیں، جو موتمر اسلامی کے لئے پہلی موتمر نے منظور کیا ہے۔

اہل حجاز کی اہلیت اہل نجد سے کم نہیں، بلکہ کہیں زیادہ ہے

۳۶۔ حجاز کے لوگوں میں انتظام ملکی کی کافی اہلیت معلوم ہوتی ہے، اور کم از کم نجدیوں سے زیادہ وہ حکومت حجاز کے چلانے کی اہلیت رکھتے ہیں، ہمیں نجدیوں میں اہل حجاز سے بہتر کوئی شخص حجاز پر حکومت کرنے کا اہل نظر نہیں آیا بلکہ اہل حجاز کو ہم نے اہل نجد سے کہیں زیادہ اس کا اہل پایا۔

حجاز کی بیرونی حملے سے مدافعت کا انتظام

۳۶- حجاز کے بیرونی حملے سے مدافعت اور اندرونی انتظام کے لئے خود حجازی فوج تیار کر سکتے ہیں، لیکن حسب ضرورت اسلامی حکومتوں اور نیز شعوب اسلامی سے مدد لی جا سکتی ہے، اس تمام کام میں اور ملکوں اور ان کی حکومتوں کی طرح نجد اور سلطان نجد بھی مدد دے سکتے ہیں، اور ہم کو ہر مسلمان سے توقع رکھنی چاہئے کہ وہ اس پر مُصر نہ ہوگا کہ یا تو مجھے یا میرے خاندان کو نسلاً بعد نسلٍ حجاز کی حکومت دو، یا میں اس مرکز اسلام کی ہر خدمت سے ہاتھ کھینچ لونگا تاہم اگر سلطان نجد اس مرکز اسلام کی کوئی خدمت نہ کرنا چاہیں جب تک کہ وہ ان کو اور ان کے خاندان کو نہ سونپ دیا جائے تب بھی ہماری رائے میں حکومت حجاز کا اور حجاز کی مدافعت کا کافی اور اطمینان بخش انتظام ہو سکتا ہے، موتمر اسلام کا گویا بیج بو یا جا چکا ہے، اور عالم اسلام کے مندوبین اور اہل حجاز خود حکومت اور مدافعت کے کام کو انشاء اللہ بخوبی انجام دے سکیں گے، جس طریقہ پر کا تب عام اور لجنہ تنفیذیہ کے اراکین کا تقرر قرار پایا ہے، وہ اس کی کافی ضمانت ہے کہ آئندہ مندوبین عالم اسلام کی سعی و کوشش سے جو حجازیوں کی حکومت حجاز میں قائم کی جائے گی وہ موجودہ حکومت سے بہتر ہوگی۔

ہندوستان کے مسلمان اسوقت کیا کریں؟

۳۷- اب دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اس وقت کیا کریں؟

سب سے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ ہندوستان میں موتمر کے نمائندے منتخب کرنے اور ان کی موتمر کی شرکت کے لئے مناسب ہدایت دینے کے واسطے ایک جماعت قائم کی جائے جس میں تمام کلمہ گویان اور اہل قبلہ کو شریک ہونے کی جمعیت خلافت کی طرف سے دعوت دی جائے، اور ہر رکن خلافت لازمی طور پہ اس جمعیت کا رکن بھی ہو، اور کوشش کی جائے کہ مسلمانوں کے مشترک حرمین، اور ارض مقدس کی حکومت کی تشکیل اور دیگر اصلاحات کے بارے میں ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں کی ایک رائے ہو نہ یہ کہ بیکار فرقہ بندی سے اس بڑی قوت کو ضائع کیا جائے، اگر بدقسمتی سے کوئی چھوٹی جماعت تعصب مذہبی کا شکار ہوکر سواد اعظم کی مخالفت کرے تو اس سے کوئی بڑا نقصان واقع نہ ہوگا ضرورت اس کی ہے کہ جن لوگوں کا دامن مذہبی تعصب اور فرقہ بندی سے پاک ہے، وہ خاموش اور بے حس و حرکت نہ رہیں، بلکہ مرکز اسلام کی اصلاح کے کام میں منہمک ہو جائیں، اور ثواب دارین حاصل کریں، جمعیت خلافت کو چاہئے کہ دوسرے اقطار عالم اسلام کے باشندوں کو بھی اسی طرح موتمر کے آئندہ اجلاسوں کے لئے جماعتیں بنانے پر آمادہ کرے، اور بالخصوص اپنے قرب وجوار کے ممالک کو، اور ان کو بھی اپنے مسلک کا حامی بنانے کی کوشش کرے ساتھ ہی ساتھ مسلمانان ہند کو حجاز کی ضرورتوں کے لئے تبرّعات دینے پر آمادہ کرے اور انہیں ترغیب دے کہ اپنی روزانہ زندگی میں، یعنی اپنی آمدنی، اپنی محنت

اور اپنے وقت میں مرکز اسلام کو بھی شریک کریں، کثرت سے مسلمانان ہند کو اور مسلمانان عالم کو حج، عمرہ، اور زیارت کے لئے جانے کی ترغیب دے، اور بالخصوص ہر صاحب فن کو آمادہ کرے کہ وقتاً فوقتاً حجاز جاکر وہاں کے انتظامات و اصلاح میں تطوعانہ مدد دے۔

عالم اسلام بے دست و پا نہیں

۳۸۔ ہمیں افسوس ہے کہ اب تک ہم نے سلطان عبدالعزیز کو ویسا نہیں پایا جیسا کہ ہم ان کو عالم اسلام کی بے شمار ضرورتوں کی بنا پر، اور متواتر مایوسیوں سے تھکنے کے باوجود نئی نئی اُمیدیں باندھکر اپنے خیال میں سمجھے ہوئے تھے وہ ملک گیری کی ہوس میں گرفتار ہیں، تاہم وہ ایک باہمت، باحوصلہ اور ذی فہم مسلمان ہیں، اگر نہ صرف اہل ہند بلکہ عالم اسلام کے بڑے حصے نے پورے اتفاق کے ساتھ ان سے وہی مطالبہ کیا جو جمعیت خلافت کا مسلک ہے تو ہمیں ان کی فہم و ادراک سے امید ہے کہ وہ عالم اسلام کے سامنے سر جھکا دیں گے، اور حجاز کی ملکیت سے دستبردار ہوکر محض خادم اسلام کی حیثیت سے اس کی خدمت کرنے کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھیں گے، لیکن بفرض محال اور خدانخواستہ اگر ہماری یہ توقع پوری نہ ہوئی تو ہمیں اس کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ عالم اسلام ہرگز بے دست و پا نہیں ہے، حجاز باوجود وادی غیر ذی زرع ہونے کے نجد سے زیادہ زرخیز نہیں تو اپنے تقدس اور حج و زیارت کے باعث نجد سے کہیں زیادہ زرگیر ہے، اور جس طرح اس کی کشش زرمیں

ملک گیروں کے لئے ایک کشش ہے، اسی طرح جو قوت اس پر قابض ہو بیٹھے، اور پھر عالم اسلام کی عام رائے سے بے اعتنائی کرے، اس کو عالم اسلام بہت جلد اپنی رائے کے احترام کرنے پر مجبور کر سکتا ہے، ہمیں کامل اطمینان ہے کہ اگر عالم اسلام نے مسلک خلافت کے ساتھ اتفاق کیا تو مسلمانوں کی عام رائے کا موجودہ حکومت حجاز پر پورا اثر پڑے گا، اور وہ ہرگز ضد، ہٹ دھرمی کو کام میں نہ لائے گی، بلکہ سلطان نجد کی ۸ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ کے دعوت نامے کے مطابق ایک نئی حکومت حجاز کی تشکیل میں مدد دے گی، خدا ہم چنیں کند، خداوندا! تو سب مسلمانوں کو کلمۂ حق پر مجتمع ہونے کی توفیق عطا فرما۔ آمین ثم آمین۔

کانگرس اور مسلمان

یاں قافلہ لٹتا ہے بس اب یاں سے چل اے دل
تو آپ ہی کہہ دے گا کہ منزل تو نہیں یہ

فہرست مضامین

خلافت اور کانگرس!

خلافت اور کانگرس!

ایک زمانہ تھا کہ یہ دونوں ہم معنی الفاظ تھے، ہندو ذوق و شوق سے خلافت کے ممبر بنتے تھے، اور مسلمان پروانہ وار کانگرس سے اپنی عقیدت و الفت کا اظہار کرتے تھے۔

خلافت کمیٹی، مسلمانوں کی بنائی ہوئی تھی، اس کی تخلیق علی بھائیوں کے بیگانہ اور منفرد جذبۂ کار کا نتیجہ تھی، یہ اس قوم کا مرکز تھی، جو ہندوستان میں ایک اقلیت تھی، کانگرس مجموعۂ اقوام و ملل تھی، اس میں ساری ہندو قوم شریک تھی، اسے مسلمانوں کی تائید حاصل تھی، ہندوستانی عیسائی اس کی پشت پناہ تھے، سکھ اس کے نام پر ہر قربانی کے لئے آمادہ تھے، پارسی بھی اسی مرکز سے اپنے تئیں وابستہ سمجھتے تھے۔

با ایں ہمہ حالت کیا تھی؟

کانگرس چند عافیت پسندوں کا DEBATING HALL

(مجلس مباحثہ) تھی، اور خلافت سرفروشوں اور جاں بازوں کا مرکز تھی، وہ خلافت کے رہنما اور کارکن ہی تھے، جنہوں نے خلافت فنڈ سے روپیہ لیکر گاندھی جی کو سارے ہندوستان کا دورہ کرایا، جنہوں نے آڑے وقتوں میں کانگرس کی مالی امداد کی جنہوں نے کانگرس کو سرگرم، فعال، اور جاں باز لوگوں کا اڈہ بنا دیا، جنہوں نے کانگرس کو صحیح معنٰی ہیں" قومیت متحدہ" کا سنگم بنا دیا، جنہوں نے کانگرس کے ہر حکم پر ہر قربانی کا مظاہرہ کیا۔

کیا اس حقیقت سے کوئی انکار کرسکتا ہے کہ خلافت کے کارکنوں نے ان مسلمانوں کو ذلیل و رسوا کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، جو کانگرس کے مخالف تھے، مگر کانگرس کے سب سے بڑے رہنما گاندھی جی، کانگرس کے سب سے بڑے دشمن مدن موہن مالوی کے خلاف نکتہ چینی بھی نہیں برداشت کرسکتے تھے؟ کیا اس واقعہ کی تردید کی جاسکتی ہے کہ جب قربانی اور فدائیت کے مظاہرہ کا وقت آیا تو مسلمان سب سے پیش پیش تھے، انہوں نے اپنی مسلم یونیورسٹی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، مگر گاندھی جی، بنارس ہندو یونیورسٹی کو اپنا کیمپ نہ بنا سکے، کیا یہ آفتاب سے زیادہ روشن اور تابناک حقیقت نہیں ہے، کہ جب قول کی منزل ختم ہوئی اور عمل کا دور شروع ہوا، تو اقلیت میں ہونے کے باوجود، وہ سب سے زیادہ مسلمان ہی تھے، جنہوں نے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں کو، اپنے گھر کے عیش و آرام پر ترجیح دی؟ جنہوں نے صرف بیان

دینے اور تقریر کرنے پر اکتفا نہ کیا، بلکہ پولیس کے ڈنڈے اپنے سروں پر، اور فوج کی گولیاں اپنے سینوں پر کھائیں . . . .
جنہوں نے مردانہ وار پھانسی کے تختہ کو لبیک کہا، پھر کیا یہ بھی ایک ناقابل تردید واقعہ نہیں ہے کہ جب ترک تعاون کا مسئلہ پیش ہوا، تو وہ کانگریس تھی جو اسے قبول کرتے ہوئے ہچکچا رہی تھی، اور وہ خلافت تھی، جس نے سرفروشی کی پوری شان کے ساتھ اس تحریک کو اس شدّت کے ساتھ اٹھایا کہ بالآخر کانگریس بھی اس کی ہمراہی پر مجبور ہو گئی؟

پھر جب ترک خطابات کا، استرداد مناصب و اعزاز کا، بیرسٹری اور وکالت چھوڑ دینے کا، سرکاری عدالتوں کے مقاطعہ کا، بدیشی مال کے بائیکاٹ کا معاملہ سامنے آیا، تو وہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے، ع

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

کا سماں ایک بار پھر دنیا کو دکھا دیا، اور وہ گاندھی جی کے پیرو اور ہم قوم تھے جو، ع

عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

کا نمونہ پیش کر رہے تھے۔

ان حقائق میں سے کسی حقیقت کا انکار نہیں کیا جا سکتا، کسی واقعہ کی تردید نہیں کی جا سکتی، کسی سچائی کو جھٹلایا نہیں جا سکتا، گاندھی جی ہوں، یا جواہر لال، کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہندوستان میں، آزادی کی

تڑپ، آزادی کے لئے مرنے کا سودا، آزادی کے لئے سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ، آزادی کے لئے، ہر خطرہ کو دعوت دینے کی ہمت، آزادی کے لئے ہر مصیبت، ہر آفت کا خندہ جبینی کے ساتھ استقبال کرنے کا ولولہ، صرف مسلمانوں کا حصہ تھا، پھر، ہندوؤں میں لہر اُٹھی، پھر وہ آگے بڑھے، اور مسلمانوں کے اس قافلے سے جا ملے، جو منزل حریت کی طرف گام فرسا تھا۔

دنیا کے ہر ملک میں، جب کبھی بھی آزادی کی تحریک اُٹھی، تو سب سے پہلے اقلیتوں کا مسئلہ وہاں سنگ گراں بن کر حائل ہوا، اور اس مسئلہ کے باعث بڑی بڑی نزاکتیں اور اُلجھنیں پیدا ہو گئیں، لیکن وہ ہندوستان کے مسلمان تھے، جنہوں نے خلافت کی رہنمائی میں ہر اندیشہ اور وسواس سے بے نیاز ہو کر اکثریت کا ساتھ دیا، کوئی مطالبہ نہیں کیا، کسی قسم کا تحفظ نہیں چاہا، کوئی پاسنگ نہیں طلب کیا، کسی قسم کی مراعات کے طالب نہیں ہوئے، حالانکہ وہ یہ کر سکتے تھے، کیونکہ ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے تک سارا ہندوستان ان کی مملکت تھا، اس وسیع دیس پر انہی کی حکومت تھی، اس زبردست برِّاعظم پر انہی کا پرچم لہرا رہا تھا، اس قطعۂ ارضی کا ہر ٹکڑہ ہر صوبہ، ہر شہر، ہر قصبہ، ہر گاؤں، ہر دیہات، انہی کی ملکیت تھی، وہ حاکم تھے اور سارا ہندوستان محکوم، وہ مالک تھے، اور سارا دیس مملوک، وہ راعی تھے، اور اس ملک کا ہر فرد رعیت، لیکن انہوں نے تمکنت اور خود پسندی کا یہ خیال اپنے دل سے نکال دیا، اور غیر مشروط طور پر ہندوؤں کے ساتھ ہو گئے،

یہ جانتے ہوئے ساتھ ہو گئے کہ ہندوستان میں بادشاہت نہیں قائم ہو گی جمہوری نظام کی حکومت ہو گی، اور جمہوریت میں، اکثریت سب کچھ ہوتی ہے، اور اقلیت کچھ نہیں، ہندو اکثریت میں ہیں، اور وہ اقلیت میں، گویا انہوں نے اعتراف کر لیا تھا کہ وہ ہندوستان کی حکومت ہندوؤں کو سونپنے پر تیار رہیں، اور خود ملک کی ایک باعزت، خوددار، اور ایثار پیشہ اقلیت کی زندگی بسر کرنے پر آمادہ، انہوں نے کوئی شرط نہیں پیش کی، آزادی کا نعرہ سنا اور سب کچھ لٹا دینے، اور اپنے تئیں برباد کر دینے کے لئے، آگے بڑھنے لگے، سرسید کے دور کی احتیاط پسندیاں ختم ہو گئیں، سرکار والا تبار کے سروں، اور خان بہادروں کو روپوش ہو جانا پڑا، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے لئے پبلک لائف میں کوئی جگہ نہیں رہ گئی، یہ سارا کرشمہ تھا، مجلس خلافت کا، علی بھائیوں کا، خلافت کے مردان حق آگاہ کا!

صرف یہی نہیں، جب مالوی جی، اور دوسرے ذمہ دار ہندوؤں کی طرف سے اس شبہ کا اظہار کیا گیا کہ مسلمان، وحدت اسلامیہ، اور پان اسلامزم کے علمبردار ہیں، اس کا پورا اندیشہ ہے کہ حصول آزادی کے بعد، افغانستان ہندوستان پر حملہ کر دے، اور مسلمان اپنے جوش مذہبی سے مجبور ہو کر اپنے دینی بھائیوں کا ساتھ دیں، اور ہندوستان انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو کر افغانوں یا بالفاظ دیگر مسلمانوں کا غلام پھر بن جائے، تو اسی محمد علی نے جس کا

جذبۂ دینی ہرگز کسی مقدس سے مقدس مسلمان سے کم نہیں تھا، با لفاظ واضح اعلان کر دیا کہ ہاں میں مسلمان ہوں، اور اسلام کیلئے میرے خون کا آخری قطرہ وقف ہے، میں وحدت اسلامیہ کا قائل ہوں، اور پان اسلامزم میری زندگی کا مقصد ہے، لیکن جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں اس دیس کو آزاد کرانا چاہتا ہوں، تو میرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں کسی کی غلامی میں رہنا نہیں چاہتا، خواہ وہ انگریز ہوں یا افغان! اگر افغانوں نے میرے وطن پر حملہ کیا تو میں ان سے بھی اسی طرح لڑونگا جس طرح انگریزوں سے لڑ رہا ہوں، میرے دل میں افغانوں کی محبت ہے لیکن میں انہیں اپنا آقا نہیں بنا سکتا، ان کی غلامی نہیں قبول کر سکتا، گویا دوسرے الفاظ میں، مجلس خلافت اور اس کے رہنماؤں نے صرف یہی نہیں کیا کہ جنگ آزادی میں غیر مشروط طور پر شریک ہوئے ہوں، بلکہ یہ بھی کیا کہ بعض فتنہ گروں نے جو شکوک وشبہات پیدا کر دئے تھے، ان کی تردید بھی پوری بہادری اور سچائی کے ساتھ کر دی۔

سب جانتے ہیں، مسلمان کتنے مذہب پرست ہیں، سب کو علم ہے، تحریک خلافت تمامتر مذہبی تحریک تھی، کوئی اس سے ناواقف نہیں کہ علی برادران کی رگ رگ میں مذہب رچا اور بسا ہوا تھا، لیکن جوش رواداری میں سب اتنے آگے بڑھ گئے تھے کہ سوامی شردھانند جیسے کٹر آریہ سماجی لیڈر کا دلّی کی جامع مسجد میں جانا، اور اس کے منبر پر بیٹھ کر تقریر کرنا بھی انہوں نے گوارا

کرلیا۔

محمد علی کی مذہبیت کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر معاملہ کو مذہبی رنگ میں دیکھتے تھے، مذہب کا تصور ان سے کسی حالت میں جدا نہیں ہوتا تھا، وہ ایک مسلمان لیڈر تھے، اور ان کی قیادت کی بنیاد صرف مسلمان تھے، لیکن جب کبھی ملک میں فرقہ وارانہ بدمزگی ہوئی، جب کبھی ہندو مسلم فساد ہوا جب کبھی مسلمانوں اور ہندوؤں میں آویزش ہوئی، انہوں نے خود اپنی قیادت کے محضر قتل پر دستخط کئے، انہوں نے خود اپنی ہردلعزیزی کے دامن پر دھبہ لگایا، انہوں نے خود اپنے معتقدوں اور نیازمندوں کو اپنا دشمن بنایا، اور بے تامل مسلمانوں کو ان کی غلطی پر، غلط روی پر، ٹوکا، ملامت کی، سرزنش کی، اور اس سلسلہ میں مسلمانوں کی گالیاں کھائیں، دوستوں کی دشمنی مول لی، ہوا خواہوں، اور جاں نثاروں کی بدگمانی کے شکار ہوئے، وہ کبھی اسے گوارا نہ کرسکے کہ مسلمان زیادتی کریں اور وہ پردہ پوشی کریں، اس کے برعکس، ایسے مواقع پر ہندوؤں نے جوابی روا داری کا مظاہرہ کبھی نہیں کیا، گاندھی جی سے بڑھ کر حق کا پرستار کون ہوگا، لیکن وہ اکثر "سکوت سخن شناس" سے کام لیتے رہے، موتی لال سے بڑھ کر نیشنلسٹ کون تھا لیکن انہوں نے کبھی اپنی زبان حق ترجمان کو جنبش نہیں دی۔

پھر وہ دور آیا، جب مہا سبھائی کانگرسیوں پر، اور تبلیغ و تنظیم کے علمبردار خلافتیوں پر غالب آگئے، اس طرف گاندھی جی نے پبلک لائف سے کنارہ کشی

کرلی، لیکن شوکت علی نے اور محمد علی نے، ان مسلمانوں کا مقابلہ کیا، جو مسلمانوں کو تحریک آزادی سے منحرف کر کے، باہمی جنگ و جدال اور حرب و پیکار میں الجھائے رکھنا چاہتے، یہ مقابلہ معمولی نہیں تھا، اس مقابلہ میں انہوں نے جذبات کا ساتھ نہیں دیا، اس لئے اپنی ہر دل عزیزی گنوا دی، اپنا اقتدار ختم کر دیا، اپنی قیادت کا جنازہ نکال دیا۔

یہ وہ واقعات ہیں جن کی بنا پر ہر عامی سے عامی اندازہ لگا سکتا ہے کہ ملک کی بیداری میں کانگرس کا کتنا حصہ ہے، اور خلافت کمیٹی کا کتنا ؟ یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ نازک ترین مراحل پر کانگرس نے کیا کیا، اور خلافت نے کیا کیا ؟ یہ حقیقت بھی واضح ہو سکتی ہے کہ خلافت کی فرد عمل کیا تھی اور کانگرس کے نامۂ اعمال میں کہاں سیاہی تھی اور کہاں سفیدی ۔

غرض ہندوستان کی تاریخ حریت اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوگی کہ ملک میں آزادی کا جذبہ خلافت نے پیدا کیا، برطانوی استعمار کا اقتدار خلافت نے ختم کیا، آزادی کے لئے غیر مشروط تعاون کانگرس سے کرنیوالی صرف مجلس خلافت تھی !

کاروانِ آزادی کا کوچ

کانگرس کی طرف سے مسلمانوں کے غیر مشروط اور شریفانہ تعاون کا صلہ کیا دیا گیا؟

نہرو رپورٹ !

یہ ہندوستان کا وہ آئین تھا، جسے کانگرس کی سرپرستی میں پنڈت موتی لال نہرو نے اپنے رفقائے کار کے اشتراک و تعاون سے تیار کیا تھا، اس وقت کے وزیر ہند برکن ہیڈ نے ایک چیلنج دیا تھا کہ ہندوستانیوں میں اتنی پھوٹ ہے کہ وہ اپنا ایک متحدہ اور متفقہ دستور بھی نہیں بنا سکتے، کانگرس نے یہ چیلنج قبول کر لیا، اور دستور سازی کا کام شروع کر دیا۔

پنڈت موتی لال نہرو، بہت بڑے ماہر آئین و قانون تھے، انہی کی صدارت میں دستور ساز مجلس مرتب کی گئی، مجلس خلافت کی طرف سے مسٹر شعیب قریشی اس کے رکن تھے۔

اب تک مسلمان غیر مشروط تعاون کر رہے تھے، اب تک وہ بغیر کسی مزد اور

صلہ کے جہاد حریت میں شرکت کر رہے تھے، اب تک بغیر کسی مطالبہ کے وہ ہندوستان کو برطانوی سامراج کے پنجہ سے چھڑانا چاہتے تھے، وہ پوری نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھ رہے تھے کہ مقدم کام یہ ہے کہ ہندوستان آزاد ہو، پھر باہمی مسائل طے ہوتے رہیں گے، حصوں کی تعیین، اور تقسیم ہوتی رہے گی، گھریلو مسائل کا تصفیہ ہوتا رہے گا۔

لیکن اب ہندوستان کا دستور حکومت بن رہا تھا، برطانوی وزارت کی منظوری اور ہندوستان میں نفاذ کے لئے ایک دستور تیار ہو رہا تھا، جس میں بتایا گیا تھا، کہ اکثریت کی حیثیت کیا ہوگی، اور اقلیت کی پوزیشن کیا ہوگی؟ اب ناممکن تھا کہ مسلمان خاموش رہتے، کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ سکوت سے کام لیتے جب تک حق اور حصہ کا سوال نہیں اٹھا تھا وہ چپ تھے، لیکن جب حق کی تعیین ہونے لگی اور حصہ تقسیم ہونے لگا تو وہ کیوں خاموش رہتے؟ آج اگر خاموش رہتے تو کل انہیں بولنے کا حق کیوں ملتا؟

نہرو رپورٹ کے واضعین نے اگر بطیب خود مسلمانوں کے حقوق اور مطالبات تسلیم کر لئے ہوتے تو کوئی بات ہی نہیں تھی، لیکن ایسا نہیں ہوا، شعیب قریشی کے پیہم اور مسلسل اصرار کے باوجود نہیں ہوا، آخر وہ الگ ہو گئے، موتی لال نے خلیق الزماں وغیرہ سے کام چلا لیا، اور نہرو رپورٹ کو ہندوستان کا متفقہ دستور بنا کر پیش کر دیا۔

سب سے پہلے اس روش کے خلاف شوکت علی نے صدائے اختلاف بلند کی، پھر محمد علی کا نعرہ گونجا، ان دونوں بھائیوں کی قیادت میں مسلمانوں نے نہرو رپورٹ کے قبول کرنے سے انکار کردیا، مسٹر جناح شروع میں خاموش تھے، بعد میں وہ بھی نہرو رپورٹ کے مخالفین کی صف میں شامل ہو گئے۔

علی برادران نے مجلس خلافت کی طرف سے نہرو رپورٹ میں ضروری ترمیمیں پیش کیں، وہ مسترد کردی گئیں، مرحوم راجہ صاحب محمود آباد، مسٹر محمد علی جناح، مسٹر (اب جسٹس) چاگلا نے بڑی امید و آرزو کے ساتھ چند ترمیمیں خلافت کی ترمیموں سے بھی زیادہ نرم اور معتدل، "نیشنل کنونشن" میں پیش کیں، وہ بھی نامنظور کردی گئیں، اب مسلمانوں نے من حیث القوم نہرو رپورٹ کی مخالفت شروع کردی۔

نہرو رپورٹ کا صلہ موتی لال کو یہ ملا کہ وہ کانگرس کے صدر بنا دئے گئے۔ گاندھی جی ان کے نقیب بن گئے، انہوں نے حکومت کو ایک سال کی مہلت دی کہ اگر اس اثنا میں نہرو رپورٹ ہندوستان میں نافذ کردی گئی تو خیر ورنہ ہم درجۂ مستعمرات (جو نہرو رپورٹ کا نصب العین تھا) کے خیال سے دستبردار ہوکر منزل آزادی کامل کی طرف کوچ کریں گے، یہ واقعہ دسمبر ۱۹۲۸ء کا ہے۔

ایک سال کی مدت گزر گئی، کانگرس کی صدارت باپ سے بیٹے کو ملی، جواہر لال نہرو نے صدر کانگرس کی حیثیت سے لاہور (دسمبر ۲۹ء) میں آزادی کامل کا پرچم لہرایا، نہرو رپورٹ زائد المیعاد قرار دی گئی، اور اعلان کردیا گیا کہ اب

ہم آزادیٔ کامل حاصل کر کے رہیں گے۔"

علی برادران نے مجلس خلافت کی طرف سے گاندھی جی سے کہا کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات منظور فرمالیں، تاکہ اس جنگ حریت میں مسلمان ان کا ساتھ خلوص قلب سے دیں، لیکن انہوں نے کہا پہلے آزادی پھر بات چیت، مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ غیر مشروط طور پر اس جنگ میں ہمارا ساتھ دیں، اگر انہوں نے ہمارا ساتھ نہ دیا تو وہ نقصان میں رہیں گے، کیونکہ آزادی ہم تنہا حاصل کریں گے، ہمارا کوچ مسلمانوں کے اشتراک و تعاون کے بغیر بھی جاری رہے گا۔

لیجئے صاحب، وہ گھڑی بھی آ گئی، گاندھی جی نے وائسرائے سے اتمام حجت کر لیا، وہ نہ پسیجے، اور "لیکن" سول نافرمانی شروع ہو گئی، لوگ خلاف قانون نمک بناتے تھے، اور گرفتار ہوتے تھے۔

ایثار و قربانی کا جب سوال ہو، مسلمان کسی سے پیچھے نہیں رہتے، وہ سب سے آگے بڑھ جاتے ہیں، یہ جنگ شروع ہوئی تو ان کا دل بھی شرکت کے لئے مچلنے لگا، لیکن اس وقت کی مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت مجلس خلافت، اور اس وقت کے مسلمانوں کے قائد اعظم محمد علی اور شوکت علی کے حکم کی تعمیل میں انہوں نے اپنا جذبہ دبا یا، اور شرکت سے باز رہے۔

"ترک تعلق کا اعلان" کے عنوان سے اگلے صفحات میں آپ جو زبردست اور معرکہ آرا مضمون ملاحظہ فرمائیں گے، وہ خلافت کمیٹی کی مجلس عاملہ کی طرف سے

(جس کے صدر نواب اسمٰعیل خاں تھے) شائع ہوا تھا، یہ بیان مجلس خلافت کی پالیسی کا آئینہ ہے، یہ تمامتر محمد علی کا لکھا ہوا ہے۔

بیان انگریزی میں شائع ہوا تھا، اور اب نایاب تھا، تلاش بسیار کے باوجود کہیں بھی دستیاب نہ ہو سکا، تکلیف پھر اپنے مخدوم، اور محمد علی کے محبوب عبدالماجد دریابادی کو دی گئی، انہوں نے اپنے پُرانے کاغذات کھنگالے اور از راہ کرم گستری فوراً بیان کی انگریزی کاپی ارسال فرمادی۔

یہ بیان انگریزی میں تھا، محمد علی کی فصیح و بلیغ انگریزی میں، اور وہ بھی ان کے مخصوص طرز نگارش میں، اس کا اُردو ترجمہ جو درج کیا جارہا ہے، یقیناً صحیح اور مستند ہے، لیکن پھر بھی، وہ زور بیان نہ پیدا ہو سکا جو محمد علی کی انگریزی تحریر کا خاصہ تھا، ترجمہ کرنے والے ان دشواریوں کو یقیناً محسوس فرمائیں گے۔

اس ترجمہ کے سلسلہ میں مسٹر قطب الدین صدیقی کی امداد و اعانت کا شکریہ ادا کرنا بھی ناگزیر ہے!

ترک تعلق کا اعلان

"مجلس عاملہ ضروری سمجھتی ہے کہ مہاتما گاندھی کی سول نافرمانی شروع کردینے کے ارادہ سے ملک میں جو صورت حال پیدا ہو گئی ہے، اس پر کافی غور و فکر کر لینے کے بعد اپنے خیالات مسلمانان ہند کے سامنے پیش کر دے، مجلس کو یقین ہے کہ مسلمانان ہند مجلس عاملہ کی اس سعیٔ صادقہ کو جو ہندوستان کی کامل آزادی، اور آزاد ہندوستان کے نظم و نسق میں مسلمانوں کو معقول و مؤثر حصہ ملنے کے سلسلہ میں کی گئی ہے، ذہن میں محفوظ رکھ کر اس تجویز پر غور کریں گے۔

خلافت اور ترک موالات کی تحریک کا آغاز

تمہید میں یہ حقیقت ایک بار اور واضح کر دینی چاہیئے کہ تحریک ترک موالات کی محرک، جو منتظمین تحریک خلافت کے دماغوں کی پیداوار ہے، اور جسے انہوں نے دس سال ہوئے مہاتما گاندھی کو ساتھ لے کر پورے ملک میں جاری کیا تھا، دراصل برطانیہ کی وہ وعدہ خلافیاں ہیں جو اس نے مسئلہ خلافت اور مظالم پنجاب کی تلافی کے سلسلہ میں کی تھیں، تحریک ترک موالات کے رہناؤں کو بہت جلد محسوس ہو گیا

کہ باشندگان ہند کی شکایات کا ازالہ صرف "سوراج" لینے سے ہی ہو سکتا ہے، گو تحریک خلافت کا مقصد ابتدا میں خلافت عثمانیہ کا تحفظ اور جزیرۃ العرب پر مسلمانوں کا قبضہ تھا، لیکن کارکنان خلافت نے فوراً بعد ہی اپنے مقاصد میں "حصول سوراج" بھی داخل کر لیا، جو مذکورہ دو مقاصد کے حصول کا ذریعہ بھی تھا، اور بجائے خود ایک مقصد عظیم بھی، دنیا گواہ ہے کہ تحریک ترک موالات کے علمبردار اور روح رواں کارکنان خلافت ہی تھے، اور اقلیت میں ہونے کے باوجود "تارک موالات" کی حیثیت سے جانی قربانیاں دینے والوں اور جیل جانے والوں میں، مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ غالب رہی۔

کانگرس کا اصولی تضاد

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ کانگرس تجویز ترک تعاون، جو آخر میں سول نافرمانی اور بندش محاصل پر منتج ہوئی، منظور کرنے میں بہت زیادہ پس و پیش کرتی رہی، لیکن کارکنان خلافت نے ایک لمحہ کے لئے بھی تامل نہیں کیا، اور خدا کا نام لیکر ترک موالات کے بحر طوفاں خیز میں کود پڑے، یہی نہیں، کانگرس نے ترک تعاون کی تجویز منظور کر لینے کے بعد، اسے جلد ہی ترک بھی کر دیا، لیکن کارکنان خلافت نے اسے کبھی ترک نہیں کیا، اور گو انہوں نے مجالس قانون ساز کی ممبری چاہنے والوں کو جبراً نہیں روکا، پھر بھی یہ پابندی لگا دی کہ کوئی امیدوار خلافت کے نام پر انتخابات نہ لڑے، لیکن کانگرس نے تو اپنے امیدواروں کو باقاعدہ کانگرس کا "ٹکٹ" دیدیا۔

۱۹۲۷ء میں جمعیت خلافت اور کانگرس دونوں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ حکومت برطانیہ ہندوستان کو حکومت خود اختیاری یا اقوام عالم میں ایک مساوی درجہ نہیں دینا چاہتی، اپنا اپنا نصب العین "کامل آزادی" قرار دیدیا، ان دونوں انجمنوں نے اپنا سابقہ' کریڈ' (منتہائے نظر) اس وجہ سے تبدیل نہیں کیا، کہ جو ہندوستانی، برطانیہ سے قطع تعلق کر لینا مناسب نہیں سمجھتے، وہ بھی کانگرس، یا جمعیت خلافت میں شامل رہ سکیں، یاد رہے، کہ مہاتما گاندھی "کامل آزادی" کے حق میں نہیں تھے، وہ تو ہندوستان کے لئے "آزادی کامل" کا نصب العین بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے، مدراس کانگرس کے بعد وہ جو کچھ اپنے اخبار میں لکھ رہے ہیں، اُس سے اُن کی رائے کا تضاد سمجھ میں آسکتا ہے۔

آزادی کے بجائے نوآبادی؟

ایک سال بعد یعنی ۱۹۲۸ء میں مہاتما گاندھی کے پیہم اصرار پر کانگرس نے "تجویز مدراس" سے روگردانی کر کے وہ دستور قبول کر لیا، جو نہرو کمیٹی نے مرتب کیا تھا، جس کی پہلی ہی دفعہ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ پوری عمارت کی بنیاد "درجۂ مستعمرات" قرار دیدی گئی ہے، لیکن جمعیت خلافت نے اس رپورٹ کو یکسر نامنظور کر دیا، مرکزی خلافت کمیٹی کو، چند ماہ قبل، لکھنؤ کے اجلاس میں، یہ امید دلا کر نہرو کمیٹی کی تائید میں کر لیا گیا کہ آل پارٹیز کانفرنس میں ہندو مسلم تعلقات استوار ہو جائینگے اور اسی مطلب کی ترمیمات اُس دستور میں داخل کر دی جائیں گی، لیکن جب کلکتہ

کانفرنس میں تجویز آزادی کو پیش نظر رکھ کر نہرو رپورٹ میں ترمیم اور ردّ و بدل کی کوشش کی گئی اور جب تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں تب جمعیت خلافت نے "مکمل آزادی" اپنا نصب العین معین کرتے ہوئے آزاد اور خود مختار ہندوستان میں مسلمانوں کو کافی اور موثر حصہ ملنے اور انہی امور سے متعلق مطالبات پر مشتمل تجویز منظور کر لینے کے بعد نہرو رپورٹ کو ناقابل قبول قرار دیدیا۔

خلافت کانفرنس ختم ہونے کے بعد ہی دہلی میں ایک آل انڈیا مسلم کانفرنس منعقد کی گئی، جس طرح کلکتہ میں (کانگرس کی سرپرستی میں) ایک کنونشن منعقد کیا گیا تھا، اُسی طرح دہلی میں مسلمانان ہند کی تمام سیاسی پارٹیوں کی ایک کانفرنس منعقد کی گئی لیکن اس کانفرنس میں اس امر کا بھی خیال رکھا گیا کہ جو پارٹیاں شریک ہو رہی ہیں، اُن کو کسی ایسے عمل پر مجبور نہ کیا جائے جو اُن کے اپنے معینہ "مقاصد" سے ٹکراتا ہو، کلکتہ کنونشن کا بھی فرض تھا کہ اسی اصول پر کاربند رہتا لیکن اُس نے اس کے بالکل برعکس طرز عمل اختیار کیا، اس کنونشن میں جو کانگرسی نمائندے شریک تھے، انہوں نے تو دوسری سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں کی خاطر اپنا نصب العین ہی تبدیل کر دیا، اور "آزادی کامل" کے بجائے درجۂ مستعمرات پر ہی راضی ہو گئے، لیکن دہلی کانفرنس میں جو خلافتی نمائندے شریک تھے، وہ جمعیت خلافت کے معینہ نصب العین میں کسی قسم کی تبدیلی پر راضی نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے مطالبات کو دوسری سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں کی امداد سے ایسے اسلوب اور الفاظ میں وضع کیا جسے بنیاد قرار دیکر "آزاد ہند" کے لئے بھی ایک دستور مرتب کیا جا سکتا تھا، اور "مستعمراتی ہند" کے لئے بھی،

اس کانفرنس نے واضح الفاظ میں اعلان کر دیا کہ "کوئی دستور اساسی، خواہ وہ کسی کا وضع کردہ ہو یا کسی کے دماغ کی پیداوار ہو، مسلمانان ہند کے لئے اُس وقت تک قابل قبول نہ ہوگا، جب تک وہ کانفرنس کے منظور کردہ اصولوں کے مطابق نہ ہو۔"

ان کو بھی چھوڑ دیا

کانگرس کا اصولی "تضاد" اور جمعیت خلافت کی اصولی "یکسانیت" کا قصہ یہیں ختم نہیں ہوتا، کانگرس نے کلکتہ میں اُن لوگوں کو چھوڑ دیا جنہوں نے مدراس کے اجلاس میں تجویز آزادی منظور کی تھی، اور لاہور کے اجلاس میں اُن کو چھوڑ دیا جنہوں نے کلکتہ میں درجۂ مستعمرات پر قناعت کر لی تھی، اس کے برعکس جمعیت خلافت آج بھی وہیں قائم ہے جہاں پہلے تھی، اس نے مدراس میں جو نصب العین منظور کیا تھا اُس میں کلکتہ کے اجلاس میں کوئی کمی نہیں ہونے دی، اور جو فیصلہ کلکتہ میں کیا تھا اس میں لاہور کے اجلاس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا، اس نے مدراس میں جو "آزادی کامل" کی تجویز منظور کی تھی، اُسے کلکتہ میں درجۂ مستعمرات سے تبدیل نہیں کیا، اور نہ لاہور میں اُن لوگوں کو چھوڑ دیا، جو درجۂ مستعمرات سے آگے جانا نہیں چاہتے تھے، جمعیت خلافت ہر شخص کو اپنے ساتھ شامل کر لیتی ہے خواہ وہ اُس کے منتہائے مقصود سے متفق ہو یا اس کا عقیدہ اپنے عقیدہ سے کمتر درجہ کا بھی ہو، جمعیت خلافت اپنی رفتار میں سستی کر سکتی ہے، لیکن جب ایک مرتبہ اس کا قدم آگے بڑھ جاتا ہے تو وہ پیچھے نہیں ہٹاتی، وہ اُس درجہ میں "موم" نہیں بنی ہے، جیسا مہاتما گاندھی نے کانگرس

کو بنا رکھا ہے، جمعیت خلافت اپنے مقاصد و نظریات کو پورے عزم اور تیز گامی کے ساتھ آگے بڑھاتی ہے، اور ساتھ ہی ساتھ دوسروں سے گفتگو کے مصالحت کرنے کے لئے اپنا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھتی ہے۔

کانگرس کا "تضاد عمل" ابھی اور بھی باقی ہے: وہ یکے بعد دیگرے ایسے عمل کرتی رہتی ہے جن میں تضاد و مخالفت پایا جاتا ہے، ان تمام اعمال میں سب سے زیادہ "رجعت پسندانہ اقدام" وہ ہے جو مہاتما گاندھی اب اختیار کر رہے ہیں، انہوں نے تحریک ترک موالات کے ابتدائی دور میں بار بار کہا تھا، کہ "سوراج" کا اصل مفہوم "حکومت خود اختیاری" ہے، نہ اس سے کم، نہ اس سے زیادہ، سوراجیہ کسی خاص دستور اساسی کا نام نہیں ہے، بلکہ اس اختیار و قوت کا نام ہے جسے حاصل کرکے جیسا ہم پسند کریں، اور جس طرح کا پسند کریں دستور اساسی مرتب کر لیں۔

اکثریت کی حکومت

کارکنان خلافت اس بات پر راضی ہو گئے تھے، کہ پہلے سوراج حاصل کر لیا جائے اور حصول سوراج کے بعد قوم پر چھوڑ دیا جائے کہ سب کی پسند کے مطابق کوئی دستور تیار کرے، یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ اس زمانہ میں جبکہ نمائندہ اور جمہوری طرز حکومت کا زور ہے، ہندوستان میں بھی نمائندہ حکومت ہی قائم ہوتی اور تاریخ ہند میں پہلی مرتبہ اکثریت کی حکومت قائم ہوتی، اور مسلمان چونکہ اقلیت میں ہیں، اس لئے اُن کو تحفظات کی ضرورت ہوگی، تاکہ وہ اپنے حقوق و مفاد کی حفاظت کر سکیں، پھر بھی کارکنان خلافت

نے اعتماد کرلیا کہ جنگ آزادی میں لڑتے رہو، ہی خود بخود اپنی "واصل باقی" وصول کرلے گی، اس خیال کے ماتحت انہوں نے مسلم اقلیت کے لئے "تحفظات" کا مطالبہ کئے بغیر جنگ آزادی میں اپنی شرکت جاری رکھی، لیکن دوسرے مسلمان تو اس "اعتماد" پر قناعت نہیں کر رہے تھے، ان کا خیال یہ تھا کہ ابھی سے بتادیا جائے کہ جنگ آزادی فتح کرلینے کے بعد مسلمانوں کو کیا ملے گا ؟

ہندوستان کے باشندے "تخیلات" پر اعتماد کرنے کے اس قدر عادی ہوگئے ہیں کہ بات بات پر "دستور سازی" کا مطالبہ پیش کرتے رہتے ہیں، گویا ان کی رائے میں "مجالس مباحثہ" سے دستور مرتب ہوا کرتا ہے، اور جس چیز کی ان کو سب سے زیادہ ضرورت ہوا کرتی ہے، وہ "دولوں کی کثرت" ہے وہ ایک عرصہ ہوا "تاریخ بنانے" کی اہلیت سے محروم ہوچکے ہیں، اور اب تو تاریخ بنانے کا خیال بھی ان کے دماغ میں نہیں پیدا ہوتا، ان کی سمجھ میں یہ بات آتی ہی نہیں کہ دوسری اقوام کس طرح ہزاروں قیمتی جانوں کی قربانیاں دیکر دستور اساسی میں ایک معمولی سی دفعہ کے اضافہ یا استرداد کا حق حاصل کیا کرتی ہیں۔ وہ بھول گئے کہ انہیں کس قسم کے دشمن سے سابقہ پڑا ہے، وہ اپنے دوستوں کے ساتھ اتنے عرصہ تک، اور اتنی ضد، مفسدہ پردازی بلکہ عناد اور کینہ توزی کے ساتھ الجھتے رہتے ہیں کہ اکثر حالتوں میں وہ دوستوں کو اپنا دشمن بنا لیتے ہیں، انہی افسوسناک حقائق کی بنا پر منتظمین تحریک خلافت دستور سازی کا خیال ترک کرکے یہ فیصلہ کرلینے پر مجبور ہوگئے کہ پہلے ہندوستان کی داخلی طاقتوں کو نشوونما دی جائے تاکہ وقت آنے پر ملک اپنی ہستی منوا سکے اور دنیا سے بھی تسلیم کرائے، اور پھر بعد میں ہندوستان

کے تمام مفاد، تمام جماعتوں اور تمام فرقوں کی عام منظوری سے آزاد اور خود مختار ہندوستان کا دستور اساسی تیار کیا جائے۔

لیکن مہاتما گاندھی نے ایک عجیب بات یہ کی کہ اب سے ۵ سال قبل جب کہ وہ کانگرس کے صدر تھے، اپنے خطبۂ صدارت میں کہہ ڈالا" میں ایک عرصہ تک غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں اور پبلک کا ہم خیال ہو گیا ہوں کہ اُسے مبہم نہیں بالکل قطعی طور پر جاننا چاہیے کہ وہ کس چیز کے حصول کی خاطر جنگ کر رہی ہے، پبلک کو لازمی طور پر" سوراجیہ" کی مکمل تعریف جاننا چاہیے یعنی وہ اسکیم جسے سارا ہندوستان پسند کرتا ہے اور جس کے لئے اُسے جنگ کرنی ہوگی۔"

مہاتما گاندھی نے اُس کمیٹی کے تقرر پر اظہار مسرت کیا تھا جسے پہلی آل پارٹیز کانفرنس نے سنہ ۱۹۲۷ء میں اسی" مقدس کام" کے لئے مقرر کیا تھا، اور امید ظاہر کی تھی کہ" یہ کمیٹی ایک ایسی اسکیم تیار کرنے کے قابل ہو جائے گی جو تمام پارٹیوں کیلئے قابل قبول ہو"

لیکن سوء اتفاق کہا جائے یا کچھ اور کہ مہاتما گاندھی کی یہ امید بر نہیں آئی اور مذکورہ کمیٹی نے اس قسم کا کوئی کام انجام نہیں دیا، اس کا اجلاس مہاتما جی کی صدارت میں دہلی میں چند دن تک ہوا مگر صرف بحث و مباحثہ ہی ہوا کیا، اس بحث کا نتیجہ، گو افسوسناک کہا جائے گا، مگر اس شکل میں نمودار ہوا کہ ہندو مسلم کشیدگی اور بڑھ گئی، ملکہ گاندھی جی کے ۲۱ روزہ فاقہ کے بعد، جو چند مہینے پہلے کیا گیا تھا اور جس کا مقصد نیم مذہبی تنازعات کا خاطر خواہ فیصلہ بتایا گیا تھا، اس کے دوران میں اتحاد کانفرنس نے دہلی میں جو کچھ طے کیا تھا، اس جدید کمیٹی نے اُن فیصلوں

پر بھی سیاہی پھیر دی!

فرقہ وارانہ فسادات اور گاندھی جی کی خاموشی

مہاتما گاندھی کی ذات کے متعلق اتنا کہنا کافی ہوگا کہ انہوں نے اپنی صدارت کے زمانہ میں یہی نہیں کہ ملک کی فرقہ وارانہ فضا درست نہیں کی، بلکہ خود اپنی قوم کے اُن افراد پر لعنت ملامت کرنے سے بھی قاصر رہے، جو فرقہ وارانہ فسادات کے ذمہ دار تھے، ان کے برعکس کارکنان خلافت نے اپنی قوم یعنی مسلمانوں کو سمجھانے بجھانے بلکہ زجر و توبیخ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، اس معاملہ میں بھی جمعیتہ خلافت اور کانگریس کے اعمال و کردار کس قدر ایک دوسرے سے مختلف ہیں! جمعیت خلافت نے تو اپنے صدر ڈاکٹر کچلو کو اس قصور پر صدارت سے علیحدہ کر دیا کہ وہ مہاسبھا کی نقالی کے مرتکب ہوئے تھے، لیکن کانگرس کے صدر مہاتما گاندھی اپنے ہم قوموں کی بیہودگیوں پر اس طرح چپ سادھ گئے کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا، کانگرس کے اجلاس کانپور میں مہاتما گاندھی کے رفقاء کار حتیٰ کہ ڈاکٹر انصاری، مولانا ابوالکلام آزاد، اور ڈاکٹر محمود تک نے بڑی منت سماجت کی کہ اپنی خاموشی ترک کر کے فرقہ وارانہ فسادات کے ذمہ دار افراد کے بارے میں کچھ فرمائیں، لیکن وہ خاموش ہی رہے، بلکہ آئندہ سال تک خاموش رہنے کا فیصلہ کر بیٹھے، کلکتہ کے فسادات کے بعد بھی جب دوسرے اصحاب کی طرح حکیم اجمل خاں مرحوم مغفور نے مہاتما گاندھی، پنڈت موتی لال نہرو اور مسز سروجنی نائیڈو کو دہلی آنے کی دعوت دی "تاکہ کارکنان خلافت سے مشورہ اور گفتگو ہو جائے" تو مہاتما گاندھی تو دہلی آئے ہی نہیں، اور پنڈت موتی لال نہرو نے صفائی

سے کہہ دیا کہ چونکہ انتخابات ہونے والے ہیں اور مہاسبھا ان کے جال میں نہیں پھنسی، اس لئے فرقہ وارانہ فسادات کے معاملہ میں وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

اب تو فرقہ وارانہ فساد، روزمرہ کا ایک واقعہ بن گیا ہے، حالات بد سے بدتر ہو چکے ہیں، اور دو سال کے اندر تو بدترین شکل اختیار کر چکے ہیں۔

ہندو مسلم مفاہمت اور کارکنان خلافت

امید کی پہلی شعاع اسوقت نظر آئی تھی جبکہ ۳ سال ہوئے سر برآوردہ مسلمانوں کی ایک کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی تھی، اور جس کے فیصلوں کو "تجاویز دہلی" کے نام سے موسوم کیا گیا تھا، جس کا خیر مقدم کانگرس کی مجلس عاملہ نے کیا تھا، اور جس کی تصدیق آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے اپنے اجلاس منعقدہ بمبئی بماہ مئی ۱۹۲۷ء میں پنڈت موتی لال نہرو کی تحریک پر کر دی تھی، جس کی تائید ڈاکٹر مونجے، مسٹر کیلکر اور مسٹر جیکر جیسے مہاسبھائیوں نے بھی کی تھی، مگر مہاسبھا نے پُر زور مخالفت کی تھی چونکہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی اور مسلم لیڈروں میں ایک مفاہمت ہو گئی تھی اس لئے امید کی جا رہی تھی کہ ملک کے دو فرقوں کے سیاسی اختلافات اب افسانۂ ماضی بن کر ختم ہو جائیں گے، لیکن نیم مذہبی اختلافات اب بھی موجود تھے، اور وہی دینا پور اور بیتیا میں نقضِ امن کا سبب بنے، ان فسادات سے یہ بات ظاہر ہو گئی، کہ شاہ آباد اور گیا کے اضلاع میں دس سال قبل جو اندوہ ناک واقعات رونما ہوئے تھے، اُسی قسم کا فرقہ وارانہ جذبہ پوری قوت اور اتحاد عمل کے ساتھ کارفرمائی کر رہا ہے، ایک مرتبہ پھر کارکنان خلافت سمجھوتہ کے لئے آگے بڑھے اور کانگرس، اور ہندو مہاسبھا کے لیڈروں کو شملہ میں مدعو کیا، لیکن مہاسبھا والوں نے اس کانفرنس

کو بھی اُسی طرح ناکام بنا دیا جس طرح ۱۹۲۴ء کی اتحاد کانفرنس اور ۱۹۲۵ء کی اول آل پارٹیز کانفرنس کو ناکام کر دیا تھا، تب مسٹر سری نواس اینگر صدر کانگرس نے، مخصوص رہنمایان خلافت کے مشورہ پر کلکتہ میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاس مدعو کیا، یہ اجلاس مذہبی تنازعات کا تصفیہ کرنے میں اُسی طرح کامیاب ہوا جس طرح بمبئی میں سیاسی اختلافات طے کرنے میں ہوا تھا، اس کے چند مہینے بعد مدراس میں کانگرس اور خلافت کمیٹی دونوں نے، دونوں سمجھوتوں (سیاسی اور مذہبی) پر مہر تصدیق ثبت کر دی، اس ضمن میں بھی مہاتما گاندھی نے کچھ نہیں کیا، بلکہ ایک مرتبہ تو اُن کے مذبذب طرز عمل سے لوگوں کو شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اُن فرقہ وارانہ فیصلوں کے حامی و موید بھی ہیں یا نہیں، یہ تو رہنمایان خلافت ہی کا دل گردہ تھا جو انہوں نے مہاتما جی کی ایک مرتبہ اور مدد کی اور گاؤکشی کا سوال ایسی شکل میں طے کر دیا کہ ایک طرف شریعت اسلامیہ کا اصول بھی قائم رہا اور دوسری طرف گاندھی جی کا ضمیر بھی مطمئن ہو گیا، تصفیہ پنڈت مدن موہن مالوی کو بھی ماننا پڑا، جو مجلس مضامین میں قدم قدم پر مخالفت کرتے رہے تھے، لیکن آخر میں انہی کے ہم قوم نمائندوں نے رائے شماری کے وقت ان کو زبردست شکست دے دی، مجلس مضامین کے فیصلہ کی حمایت میں مالوی جی نے جب کھلے اجلاس میں تقریر کی تو رہنمایان خلافت نے خوب خوب داد دی، اور یہ خلافتی اصحاب مدراس سے فوراً ہی کلکتہ روانہ ہو گئے تاکہ وہاں مسلم لیگ کا جو اجلاس ہو رہا تھا اس میں مدراس تصفیہ کی تصدیق کرالیں۔

یہ تمام واقعات صرف اس غرض سے دہرائے گئے ہیں کہ لوگوں کو اُن

کوششوں اور سعی و جہد کا صحیح علم ہو جائے جو کارکنان خلافت نے ایک باعزت اور قابل قبول ہندو مسلم سمجھوتہ کے لئے کانگرس کے توسل سے انجام تک پہنچائی تھیں، اس مفاہمت کا اثر حیرت انگیز طریقہ پر ظاہر ہوا، اور فرقہ وارانہ فسادات کلیتہً بند ہو گئے۔ سائمن کمیشن کا مؤثر طریقہ سے بائیکاٹ کیا گیا، اور ہندوستان میں تحریک ترک موالات کے شباب کے زمانہ سے کہیں بہتر اور اعلیٰ قسم کا اتحاد نظر آنے لگا، جس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو لوگ لبرل اور اعتدال پسند خیالات کے تھے، وہ بھی تارکین موالات کے ساتھ اشتراک عمل کرنے لگے تھے۔

سب کئے دھرے پر پانی پھیر دیا!

لیکن چند ہی مہینے بعد حالات پھر خراب ہو گئے، کیونکہ دہلی میں جو آل پارٹیز کانفرنس منعقد ہوئی اس میں "تصفیہ مدراس" مسترد کر دیا گیا، اس اجلاس میں بھی مہاسبھائیوں نے معاندانہ طرز عمل اختیار کیا، لیکن سب سے زیادہ افسوسناک رویہ پنڈت موتی لال نہرو کا تھا، وہی پنڈت نہرو جنہوں نے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس منعقدہ بمبئی میں "تجاویز دہلی" قبول کر لینے کی تحریک پیش کی تھی، اب وہی دوبارہ ہندو مہاسبھا کے لیڈروں کو بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے تھے، پہلی مرتبہ پنڈت جی نے ۲ سال قبل ہندوؤں کو اس طرح بیوقوف بنا کر خوش کرنا چاہا تھا کہ صوبہ سرحد کو اس وقت تک اصلاحات نہیں ملنی چاہئیں، جب تک اس صوبہ کی ۹۳ فیصدی مسلم آبادی پنجاب سے ملحق ہو کر اپنی اکثریت ختم کرنے پر آمادہ نہ ہو جائے۔

مسلم اقلیت کیلئے تحفظات

اب جبکہ ایک مفصل و مشرح دستور اساسی وضع کیا جا رہا تھا مسلمانوں

نے قدرتی طور پر ایسے تحفظات کا مطالبہ پیش کر دیا جن سے ان کے حقوق و مفاد کی حفاظت ہو سکے، یہی مسلمان تھے جنہوں نے تحریک ترک موالات کے زمانہ میں اس بات پر قناعت کر لی تھی کہ کوئی دستور اساسی وضع کرنے سے قبل ان کو ہندوستان کے لئے دستور اساسی وضع کرنے کا حق حاصل کرنا چاہئے، لیکن حال کے تلخ تجربہ نے ان کو اپنی رائے تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا۔

ہندوستان میں پہلی مرتبہ "اکثریت کی حکومت" قائم کی جا رہی تھی، اور بدقسمتی سے اس وقت فرقہ پرستی اپنی پوری قوت سے ملک کی فضا خراب کر رہی تھی، اور ملک میں مسلمانوں کی نہیں، ہندوؤں کی بھاری اکثریت ہے، اس لئے مسلمان "اکثریت کی حکومت" تو قبول کر لینے پر آمادہ تھے لیکن وہ قدرتاً مسلم اقلیت کیلئے تحفظات مانگنے لگے تھے، وہ آئینی ذرائع اختیار کر کے اکثریت والی قوم کی فرقہ پرستی کی بیخ کنی کرنے پر بھی تیار ہو گئے تھے، خواہ وہ ہندو اکثریت میں نمودار ہو یا مسلم اکثریت میں، اخلاقیات کا ایک سنہرا اصول ہے کہ "دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرو، جو تم چاہتے ہو کہ دوسرے تمہارے ساتھ کریں"۔ اسی قسم کا ایک آئینی اصول قانون سیاسیات میں بھی ہے "ایسی پوزیشن میں آجاؤ کہ دوسروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کر سکو جس کا تمہیں خوف ہو کہ دوسرے تمہارے ساتھ کریں گے"۔ اگر کھیل میں دو کھلاڑی کو دپڑیں تو دونوں میں سے ایک بھی نہ کھیل سکے گا۔ مسلمان چند صوبوں اور چند ماتحت صوبوں میں اکثریت میں تھے، یہ چاہتے تھے کہ ہندوستان کی حکومت "وفاقی" قسم کی ہو نہ کہ "وحدانی" اور یہ کہ صوبوں کو کامل اندرونی آزادی ملنی چاہئے تاکہ ان کو اطمینان رہے کہ جن صوبوں میں وہ اقلیت میں

ہیں وہاں اس لئے محفوظ رہ سکیں گے کہ چند صوبوں میں ان کی اکثریت ہوگی، اور وہاں ان کو پوری آزادی حاصل ہوگی، بدقسمتی سے صوبۂ مغربی شمالی (سرحد) میں جہاں مسلمانوں کو وہی بھاری اکثریت حاصل ہے جو ہندؤں کو صوبۂ مدراس میں ہے، انتخاب کا طریقہ رائج نہیں ہوا ہے، اور سندھ، جہاں مسلمانوں کی ۷۵ فی صدی آبادی ہے، گجرات، مہاراشٹرا اور کرناٹک میں، جو صوبۂ بمبئی کے ماتحت حلقے ہیں مدغم کردیا گیا ہے، مسلمانوں کی خواہش ہے کہ صوبۂ مغربی و شمالی کو وہی طرز حکومت ملے جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کو حاصل ہے اور سندھ کو، چونکہ اس کی کوئی چیز اس کے ملحقہ علاقوں سے مماثل نہیں ہے، اس لئے ایک علحٰدہ صوبہ بنا دیا جائے، نیز پنجاب اور بنگال میں چونکہ مسلمانوں کو برائے نام اکثریت حاصل ہے، اس لئے ان صوبوں میں ان کو اس وقت تک کے لئے چند تحفظات دئے جائیں جب تک کہ وہ اپنے کو پوری طرح منظم نہ کرلیں۔

لیکن پنڈت موتی لال نہرو جو باوجودیکہ ان تمام تحفظات کی تائید آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاس منعقدہ بمبئی میں کرچکے تھے، ایک مرتبہ پھر ہندو مہا سبھا کی خوشامد میں مصروف ہوگئے، اور پنجاب اور بنگال کی برائے نام اکثریت کو عارضی تحفظات ملنے کی مخالفت کرنے لگے، خواہ وہ خفیف سی اکثریت بھی اقلیت میں کیوں نہ تبدیل ہوجائے، اور سندھ کی علحٰدگی کی مخالفت میں دوراز کار اور غیر منطقی خطرات و دلائل پیش کرنے لگے۔

اس طرح گویا مسلمان کہیں کے نہ رہتے، اور جب اکثریت کی حکومت پورے ملک میں قائم کی جاتی تو مسلم اکثریت جہاں کہیں بھی ہوتی، اس "بنیادی حق" سے

محروم ہوجاتی، یہی نہیں، اگر کسی صوبہ میں مسلم اکثریت قائم ہوجاتی، جب بھی اُس صوبہ کے نظامِ حکومت اور انتظام کے سر پر مرکزی حکومت کے "ویٹو" کی تلوار لٹکتی رہتی، کیونکہ مرکز میں مسلمانوں کو موجودہ تناسب کے مطابق بھی حق نمائندگی نہیں مل رہا ہے، چھوٹی چھوٹی اقلیتوں کو باہمی منظوری سے "ویٹیج" (پاسنگ) کا معیار طے کر لینے کے حق سے محروم کیا جا رہا ہے، اور "ویٹو" کے اُس حق سے بھی جو کانگریس نے ہمیشہ مسلمانوں کو دے رکھا تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ جب مسلمان ممبروں کی ۳/۲ اکثریت کسی بات کی یہ کہکر مخالفت کرے کہ اس سے مسلم مفاد کو صدمہ پہنچ جائے گا تو اس موقع پر یہ حقیقت نوٹ کر لینی چاہیے کہ مسلمان اپنے لئے کوئی رعایت نہیں طلب کر رہے تھے، اور نہ اپنے ہی لئے خصوصیت سے کوئی تحفظات مانگ رہے تھے، بلکہ وہ اسی قسم کی مراعات اُن ہندو اقلیتوں کو بھی دینے پر تیار رہتے، جو مسلم اکثریت والے صوبوں میں ہوتیں، دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ ایک ہی قسم کے تحفظات ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو دینا چاہتے تھے اور ان تحفظات کی اصل غرض یہ تھی کہ کوئی اکثریت، خواہ وہ مسلمانوں کی ہو یا ہندوؤں کی، کسی اقلیت کے ساتھ، خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، فرقہ پرستی کے جذبات کے ماتحت کوئی تعدی یا زیادتی نہ کر سکے، یعنی ہر فرقہ کی اقلیت دوسرے فرقہ کی اکثریت کے "فرقہ وارانہ حملہ" کی زد سے محفوظ ہو جائے۔

مہاتما گاندھی نے مسلمانوں کو چھوڑ دیا

پنڈت موتی لال کی چالبازیوں کے خلاف جب جب مسلمانوں نے آواز اٹھائی اُسے ہر بار نظر انداز کر دیا گیا، اور اب تو مہاتما گاندھی نے جنہوں نے نہرو رپورٹ

کی تخلیق کی تھی، کلیتہً مسلمانوں کو چھوڑ دیا اور نہرو رپورٹ کو اپنا نعرۂ جنگ بنالیا، ابھی ۵ ہی سال گزرے ہیں جبکہ انہی مہاتما جی نے بلگام کانگریس کے خطبۂ صدارت میں ارشاد فرمایا تھا:۔

"ہندو مسلم اتحاد ہماری زندگی کی سانس ہے، مسلمانوں کی بھاری اکثریت رکھنے والے صوبہ میں ہندو اس صورت میں زندگی بسر کرسکتے ہیں جبکہ مسلمان اُن کا خیر مقدم کرنے اور اُن کے ساتھ مثل دوست کے مساویانہ سلوک کرنے پر راضی ہوں، اسی طرح جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، وہاں ان کو ہندو اکثریت کی دوستی پر عزت کی زندگی بسر کرنی ہوگی،..... جب باہمی جھگڑے روزمرہ کی چیز بنجائیں تو اُن کو "سول وار" کہا جاتا ہے، اور پھر متخاصم فریقین ہی کو وہ جنگ لڑنی اور ختم کرنی پڑتی ہے...... کوئی سوراجی حکومت، چاہے وہ کتنا ہی "عوام کی حکومت" کہلانے کا دعویٰ کرے، جنگ وجدل کی بنیاد پر نہ تو قائم کی جاسکتی ہے اور نہ اپنا نظام حکومت چلاسکتی ہے،..... سوراج گورنمنٹ سے مراد ہے ایسی حکومت جو ہندوؤں، مسلمانوں، اور دوسرے فرقوں کی مشترکہ دآزاد رضامندی سے قائم کی جائے، اگر ہندو مسلمان سوراج کے خواہش مند ہیں تو ان کو اپنے اختلافات باہمی رواداری کے ساتھ دور کرنے ہی ہوں گے، ہمارا مقصد لازماً یہ ہونا چاہئے کہ پہلی فرصت میں فرقہ وارانہ نمائندگی ختم کردی جائے، ایک

مشترکہ ادارہ انتخابات ہو اور وہ غیر جانبداری کے ساتھ صرف
قابلیت و استحقاق کی بنا پر نمائندوں کا انتخاب کر دے، سوراجی
ملازمتوں میں بھی بہترین قابلیت کے مرد اور عورتیں لی جائیں،
لیکن جب تک وہ وقت نہیں آتا، اور جب تک فرقہ وارانہ رقابتیں
یا ترجیحی حق کا مطالبہ، قصۂ ماضی نہیں بن جاتے، اُن اقلیتوں
کو اُن کی خواہش کے مطابق راستہ دیدینا چاہیئے، جو اکثریتوں کے
ارادوں اور نیتوں کو مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہی ہیں، اکثریتوں
کا فرض ہے کہ ایثار و قربانی کا نمونہ پیش کریں۔"

گاندھی جی کے یہ خیالات اُس وقت کے ہیں جبکہ دستور سازی کا کام شروع ہونے والا تھا، لیکن آج؟ اِن خیالات کی صدائے بازگشت، جو ان کے اخبار ینگ انڈیا کے ذریعہ سنی جا رہی ہے، کتنی عجیب اور دلچسپ ہے! وہ لکھتے ہیں:-

"آزاد ہندوستان میں فرقہ وارانہ نمائندگی کی گنجائش نہیں نکل سکتی ملک اس کا متحمل ہو ہی نہیں سکتا...... اور کانگریس کو وقتی گنجائش نکالنے سے قطعاً انکار کر دینا ہوگا۔"

کیا اس صاف گوئی کے بعد بھی، بالخصوص جبکہ اکثریت کی حکومت" قائم کی جا رہی ہو، اور فرقہ پرستی کا دَور دَورہ ہو" عارضی گنجائش" کا نکالنے سے انکار کر دینا، گاندھی جی پر فریب دہی اور بیوقوف سازی" کا الزام لگانا مشکل ہوگا! بہ حقیقت کتنی حیرت انگیز ہے کہ وہ خود ہی تو ایک اصول وضع کرتے ہیں کہ "جب باہمی جھگڑے روز مرہ کی زندگی کا جزو بن جائیں تو ان کو سول جنگ" کہا جاتا ہے

اور جب دو پارٹیوں میں سول جنگ چھڑ جائے تو اسے متخاصم فریقین ہی مرکٹ کے ختم کر سکتے ہیں، یا پھر اُن میں عقل سلیم پیدا ہو جائے کہ ٹھنڈے دل سے سوچ بچار کر کے باہمی تصفیہ کر لیں۔ اور جب کوئی دوسرا کلہاڑے کو کلہاڑا کہتا ہے تو گاندھی جی حیرت زدہ ہو کر اس کا منہ تکتے ہیں، اور اُنہی کے پیش کردہ اصول کے مطابق جب ایک ایسا فارمولا نکالا جاتا ہے جس سے فرقہ وارانہ تنازعات کا تصفیہ ہو جائے تو وہ اس کوشش کو "بیوتوف سازی" سے تعبیر کر کے "عارضی گنجائش" نکالنے سے بھی انکار کر بیٹھتے ہیں! ایک عرصے مہاتما گاندھی اپنے کو "ایک چھٹا ہوا کارتوس" کہہ رہے تھے، لیکن اب تو وہ نہرو رپورٹ کے کارتوس میں "اڑا دینے والا" مسالہ بن گئے ہیں! اس الٹیمیٹم کا نتیجہ کیا ہوا؟ ایک مرتبہ پھر فرقہ وارانہ فسادات کا سارے ملک میں دور دورہ ہو گیا، اور اب کی خود گاندھی جی کے صوبے میں اس کا سب سے زیادہ زور رہا، دستور سازی کے اس خیال سے ہندوستان کو داخلی طور پر طاقت ور بنانے کی بجائے اس کی کمزوریوں میں اضافہ کر دیا۔

آزادئ ہند کی آرزو غیر مشتبہ ہے

ان باتوں کے باوجود ہندوستانیوں کے دلوں میں آزادئ وطن کا جذبہ غیر مشتبہ صورت میں موجزن ہے، ایک قدامت پسند وائسرائے نے بھی اقرار کر لیا کہ جہاں تک راعی اور رعایا کا تعلق ہے، موجودہ صورت حال اب جاری نہیں رہ سکتی، باہمی فرقہ وارانہ اختلافات سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ محکوم ملک برطانوی اقتدار سے باہر ہے، ان اختلافات سے تو صرف اتنی سی بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ مسلم اقلیت آقاؤں کی تبدیلی پر راضی نہیں ہے، بلکہ وہ ایک آزاد اور خود مختار ہندوستان کے نظام حکومت میں اپنا معقول اور باشرانداز حصہ طلب کر رہی ہے۔

گول میز کانفرنس اور گاندھی جی کا انکار

اس لئے وائسرائے نے برطانیہ کی نئی حکومت (وزارت) کو ہندوستان کا مطالبہ "گول میز کانفرنس" منظور کرنے پر آمادہ کر لیا، ہندوستانیوں کا کہنا یہ تھا کہ برطانیہ دنیا کی پوری آبادی کے پانچویں حصہ کی قسمت کا فیصلہ نہ کرے ، ہندوستان کے ۳۲ کروڑ باشندے کوئی مجرم تو نہیں جن کی زندگی، موت اور آئندہ کی جدوجہد کا فیصلہ ایک اجنبی جج کرے، جس کے ساتھ اجنبیوں ہی کی ایک جماعت جوری بن کے بیٹھے ، یہاں اس سے بحث نہیں کہ ہندوستانیوں کا یہ مطالبہ بربنائے استحقاق تسلیم کر لیا گیا یا برطانیہ کو عقل سلیم آگئی، بہرحال اس سے اتنا تو ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ اسکے دل میں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی ، ہندوستان کو ایک موقع مل گیا، جو اس سے پہلے کبھی نہیں ملا تھا، کہ اپنی ہستی منوا سکے ، اور دنیا اس کی قومی انفرادیت تسلیم کر لے، اب وہ دنیا سے تسلیم کرا سکتا ہے کہ آزادی اس کا پیدائشی حق ہے ، اور یہ بھی کہ ہندوستان میں حق موروثی حاصل کر لینے کی صلاحیت پیدا ہوئی ہے یا نہیں، اس سوال کا فیصلہ کرنے کا اختیار غصب کر رکھا ہے ، وہ کمیشن نہیں بھیج سکتے ، ہندوستانی گول میز کانفرنس کا مطالبہ اس لئے بھی کر رہے تھے کہ ڈیڑھ سو برس کے "غلبہ اغیار" نے ان کو جو عبرتناک سبق سکھایا تھا کہ وہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ سب کے لئے آزادی حاصل کریں، سب کو برابر کے مواقع دیں، اور برادرانہ تعلقات اس طرح قائم کریں جو درجۂ مساوات سے بھی بلند تر ہو، تاکہ "قوی" کمزوروں کو دبانے کے عوض ان کی امداد کرے ، اور ایک عالم و فاضل صرف درس دے نہ کہ جہلا پر ہمیشہ فائق رہنے کی کوشش کرے، یہ وقت تھا کہ

برطانوی ہند اور ریاستی ہند میں آخری فیصلہ ہو جاتا، اسی طرح ہندوؤں، اور مسلمانوں میں، پھر خود ہندو ہندو میں یعنی اعلیٰ ذات کے ہندوؤں اور پست اقوام میں، اچھوتوں اور چھوت چھات منانے والوں میں بھی۔

لیکن افسوس کہ ایسا ہونا مقدر نہ تھا! اور مہاتما گاندھی نے مسلمانوں کی وہ تمام درخواستیں نامنظور کر دیں جو وہ ایک اور سعی مفاہمت کے لئے کر رہے تھے، اب گاندھی جی، فرقہ واریت کو "نظر انداز" کر کے ختم کرنا چاہتے ہیں، جس کا ایک مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ اکثریت کی فرقہ پرستی جاری ہے، اور ایک "مکمل آزاد" ملک میں "قومی" حکومت کا نام لیکر، اکثریت ہی اپنا حکم چلاتی رہے، اُسے اس کی پرواہ نہ ہونی چاہیئے، کہ اقلیت کو کیا ملا اور کیا نہیں ملا، اس طریقہ سے فرقہ پرستی ختم نہیں ہو سکتی، بلکہ اقلیت والے اکثریت کے مطیع و منقاد بنجائیں گے، کیا تماشہ ہے کہ اصلی فرقہ واریت کو "قومیت" کا نام دیدیا گیا ہے، اور جن تحفظات کو فرقہ واریت کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے، اُنہی کو "فرقہ پرستی" کا نام دیدیا جاتا ہے!

کیا نہرو رپورٹ واقعی مسترد کردی گئی؟

کہا جاتا ہے کہ اب نہرو رپورٹ ختم ہو چکی ہے، اور کانگرس بالکل صاف سلیٹ پر کلیتہً آزاد ہندوستان کا ایک دستورِ اساسی لکھنے والی ہے، کاش یہ سچ ہوتا! اگر نہرو رپورٹ "ختم شدہ" بھی سمجھ لی جائے تو اس کے خاتمہ کا واحد سبب یہ ہوگا کہ وائسرائے نے سائمن کمیشن کی رپورٹ پیش ہونے سے پہلے برطانوی اور ہندوستانی حکومتوں کو جلد سے جلد "درجۂ نوآبادیات" دیدینے کا وعدہ کرنے پر

مجبور نہیں کیا، اور وہ بظاہر ایسا کر سکتے بھی نہیں تھے، اور نہرو دستور کی اساس
"درجۂ نوآبادیات" رکھی گئی ہے، پس چونکہ گول میز کانفرنس سے قبل درجۂ
نوآبادیات کا اعلان نہیں ہو سکا اور چونکہ پنڈت جواہر لال نہرو، صدر کانگرس
نے اپنے والد اور مہاتما گاندھی سے اس وعدہ کے ایفا پر اصرار شروع کیا جو انہوں
نے ایک سال قبل کلکتہ میں کیا تھا، نہرو رپورٹ اپنی قدرتی موت مر گئی اور ایک
دوسرا دستور وضع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا جانے لگا جو "کامل آزادی" کی بنیاد
پر مرتب کیا جاتا۔

لیکن جو چیز کہ حقیقتاً ختم نہیں ہوئی اور بظاہر کبھی ختم ہونے والی بھی نہیں ہے
وہ "پست ذہنیت" اور "تنگ نظری" ہے۔ اسی چیز نے تو نہرو کمیٹی سے
مدراس کے سارے کئے دھرے پر پانی پھروا دیا! لاہور کانگرس کی تمام
کارروائیوں میں، کانگرس کی مجلس عاملہ اور آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے اجلاسوں
میں جو وقتاً فوقتاً منعقد ہوتے رہے، اور اس سارے لٹریچر میں جو گاندھی جی
کے اخبار میں شائع ہوتا رہا، یا ان خطوط و مراسلات میں جو مہاتما جی نے اپنے
احباب اور آزمودہ کار رفقا کو لکھے، جن کو انہوں نے اب چھوڑ دیا ہے، کیا کہیں
بھی یہ بتایا گیا ہے کہ نہرو رپورٹ اسلئے اور اس وجہ سے مسترد کر دی گئی کہ
اس کے مرتبین اور مہاتما گاندھی کو پوری طرح احساس و یقین ہو گیا کہ اس میں جس
نام نہاد "ہندو مسلم مفاہمت" کی اسکیم پیش کی گئی ہے وہ مسلمانوں کے لئے "غیر تسلی
بخش" ہے یا کم سے کم یہی کہا گیا ہے کہ مسلمان اس اسکیم کو "غیر تشفی بخش" اور ناقابل
قبول سمجھتے ہیں، اس لئے ایک اور کوشش کی جائے گی کہ معاملہ اس طرح سلجھایا جائے

کہ اس مفاہمت کو مسلمان قبول کرلیں اور وہ برابر کی حیثیت سے ہندوستان کی جنگ آزادی میں شریک ہو سکیں؟

جب مہاتما گاندھی اور نہرو رپورٹ کے دوسرے مؤیدین دہلی میں اس غرض سے جمع ہوئے تھے کہ گول میز کانفرنس کی شرکت کے مینفسٹو پر دستخط کردیں، تو صرف ایک یا دو مسلمانوں کو دہلی آنے کی دعوت دی گئی تھی، اور ان کو بھی "صاد کرنے" پر مجبور کیا گیا تھا، لیکن ۲۳ دسمبر کو جب آخری فیصلہ ہوا تو ان ایک یا دو مسلمانوں کو پوچھا بھی نہیں گیا، اور چونکہ وائسرائے سے نہرو رپورٹ تمام و کمال منوائی نہیں جا سکتی تھی، اس لئے بلا کسی قسم کے پس و پیش کے گفت و شنید کا دروازہ بند کردیا گیا لاہور میں کانگرس کا عقیدہ فوراً تبدیل کردیا گیا، اور مسلمانوں سے مشورہ کرنے کی کوشش کئے بغیر ہی سول نافرمانی کی مہم شروع کردی گئی۔ کوئی شبہ نہیں، ایک یا دو پرانے اور آزمودہ کار رفقاء کو مدعو کیا گیا، لیکن ان کی حیثیت "متبعین" کی سی رکھی گئی، جو اس جنگ آزادی میں پیچھے پیچھے چلنے والے سپاہیوں کی طرح ہوتے، یہ جنگ آزادی کیسی تھی؟ اگر وہ کامیاب ہو جاتی تو مسلمان "محکوم و محتاج" کی پوزیشن میں آجاتے! یہ ہیں وہ اسباب جن کی بنا پر نہرو رپورٹ ختم ہوئی تھی اس کے خاتمہ سے مسلمانوں کو کیونکر اطمینان ہو سکتا تھا جبکہ اس کے پس پشت وہی تنگ نظری اور پست ذہنیت صاف طور پر نظر آرہی تھی؟

کانگرس کی تجویز کا دراصل مقصد یہ ہے کہ نہرو رپورٹ میں مسلمان اقلیت کے لئے جو تھوڑے سے بہت تحفظات رکھے گئے وہ بھی اب "ختم ہوگئے" اور آزاد ہندوستان کا جو دستور اساسی مرتب کیا جائے گا، اس میں کوئی ایسی چیز نہیں رکھی

جائے گی، جس سے فرقہ واریت کی بو آتی ہو! قدرت کی انگلی نے جو نشانات بنا دیئے بنا دیئے، اور تقدیر کے قلم نے جو کچھ لکھ دیا لکھ دیا، اب اس میں ایک حرف کی بھی تبدیلی نہیں کی جائے گی، مسلمان اقلیت میں ہیں، اور بقول شخصے" پست قبائل کی تو پیشانی پر غلامی لکھی ہوئی ہے!"

آزادی کے عوض جبر

فروری ۴۸ء میں مہاتما گاندھی نے اپنے اخبار ینگ انڈیا میں لکھا تھا کہ تمام لوگوں کو اپنی پوری توجہ نہرو رپورٹ کو منظور کرانے پر مرکوز کر دینی چاہیئے خواہ مسلمان اور سکھ اُس سے کتنی ہی بے اطمینانی کا اظہار کیوں نہ کریں، اس مضمون میں انہوں نے رپورٹ میں کسی قسم کی ترمیم کے امکان سے انکار نہیں کیا تھا، البتہ" بزور شمشیر ترمیم کرانے کو نا ممکن" لکھا تھا، ان کے الفاظ یہ تھے:-

"تبدیلیاں کی جائیں گی، اور کی جانی ہی چاہئیں لیکن وہاں جہاں از روئے انصاف مناسب سمجھیں جائیں، البتہ یہ ترمیمات اِس وقت نہیں کی جانی چاہئیں، بلکہ اُس وقت جبکہ رپورٹ اتنی طاقت حاصل کرے کہ اپنے کو زبردستی منوا سکے، اور جب وہ اُس منزل پر پہنچ جائے گی تو" قبول عامہ" کے لئے پیش کی جائے گی، اور تب اُس میں ایسی ترمیمات کی جاسکیں گی، جو بالکل ناگزیر سمجھی جائیں، اور جن پر باہمی اتفاق آرا ہو گیا ہو۔"

یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ کس نے" تلوار کھینچ کر اس نامراد اور نامسعود رپورٹ میں ترمیم کرانے پر زور دیا تھا؟ اور اگر حق و انصاف کی بنا پر اس میں ترمیم کی جا سکتی ہے، تو وہ کون سی" مختار کل" شخصیت ہو گی جو فرمان جاری کر دے گی کہ ترمیمات

ابھی نہیں کی جاسکتیں، بلکہ" اُسوقت جبکہ رپورٹ اپنے کو زبردستی منوانے کی طاقت حاصل کرلے۔" کیا آزادیٔ عمل اسی کا نام ہے؟ کیا امن یونہی قائم رکھا جاتا ہے؟ کیا یہ صریحی جبر اور جنگ نہیں ہے! حقیقت یہ ہے کہ نہرو رپورٹ کو ۷ کروڑ مسلمانوں کے حلق سے بزور شمشیر، جسے ببول کا کانٹا بنایا جارہا ہے، اُتار دینے کے لئے پہلے ہی سے تہیہ کرلیا گیا تھا، مہاتما گاندھی لکھتے ہیں۔" میں اس میں ترمیمات کردینے کے امکانات سے انکار نہیں کرتا" لیکن ابھی نہیں" ، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ترمیمات اُس وقت داخل کی جاسکیں گی جبکہ ترمیم چاہنے والے، واضعین رپورٹ کے رحم وکرم کے خواستگار ہوں، اور حامیان رپورٹ اتنی قوت حاصل کرلیں کہ جس شکل میں وہ خود پسند کریں، رپورٹ کو زبردستی تسلیم کراسکیں، بدقسمتی سے رپورٹ اتنی طاقت نہیں حاصل کرسکی، اور جمعیت خلافت نے اُسے طاقت حاصل کرنے میں کوئی امداد نہیں دی۔

دوسروں کے سہارے بہشت میں جانا

جو کچھ مہاتما نے ایک سال قبل کہا تھا، وہی کانگرس نے ایک سال بعد تجویز لاہور میں کہدیا، لیکن مہاتما گاندھی آج بھی بالکل وہی باتیں کہے جارہے ہیں، کانگرس کی تجویز کا جو مفہوم انہوں نے ینگ انڈیا میں لکھا ہے، اور جو مضمون انہوں نے مولانا شوکت علی کے خط کے جواب میں لکھا ہے، وہ اُن کے ایک سال قبل والے" نعرۂ جنگ" کی تشریح ہے، جسے وہ نہرو رپورٹ کے نام سے موسوم کررہے تھے، اگر مسلمان اُسے قبول نہیں کرتے، تو ان کو الگ ہوجانے دو، اُن کی ضرورت بھی نہیں ہے، ہندستان کی آزادی اُن کی مدد

مدد کے بغیر بھی حاصل کی جاسکتی ہے، زمانہ کا یہ انقلاب بھی کتنا حیرت انگیز ہے کہ کل کا "چھٹا ہوا کارتوس" اتنی قوت حاصل کرے یا جلد حاصل کر سکے، جسے مہا تماجی مولانا شوکت علی کا جواب دیتے ہوئے، اپنے اخبار میں "ناقابل تسخیر طاقت" سے تعبیر کرتے ہیں! اگر آج مسلمان اپنی مرضی سے ساتھ نہ ہو جائیں گے تو کل وہ کچھ بھی نہ رہیں گے! یہ مہاتماجی کی پیش گوئی ہے، "مسلمانوں میں خود اپنی کوئی قوت نہیں ہے، وہ اپنے پیروں پر خود نہیں کھڑے رہ سکتے" (۱) کو مہاتماجی کے متبعین کا سہارا لینا ہوگا! اس کے سوا اُن کے لئے کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے!

یہ تو حسن اتفاق ہے کہ مذکورہ خیالات صحیح نہیں ہیں، لیکن اگر وہ صحیح ہوتے بھی تو مسلمانوں کو غیروں کا سہارا لینے سے بہتر ہوتا کہ وہ خودکشی کر کے فنا ہو جاتے، جیسا کہ ایک فارسی کے ایک شاعر نے کہا ہے ؎

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردئے ہمسایہ در بہشت

اتحاد کی ایک اور کوشش

خوش قسمتی سے صورت حال وہ نہیں ہے جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے، جن لوگوں میں حقائق کے سمجھنے کی صلاحیت ہے، اور جو لوگ اُس موقع کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں جو حسن اتفاق سے ہندوستان کو گول میز کانفرنس کی پیش کش سے حاصل ہو گیا ہے، انہوں نے تہیہ کر لیا ہے کہ دنیا کے سامنے ایک متحدہ محاذ پیش کریں گے، والیان ملک نے بھی حال ہی میں اسی جذبہ کا اظہار اپنے چیمبر میں ایک اہم تجویز کے ذریعہ کیا ہے، جس میں تمام مفادات کے لئے، اور مسلم قوم کے لئے

تحفظات کی ضرورت تسلیم کی گئی ہے، اسی طرح لبرل خیال کے ہندوستانی رہنما بھی فرقہ وارانہ سوالات کو نظرانداز کرنے کے بجائے اُس کے حل کی تلاش میں مصروف ہو گئے ہیں، جب سر تیج بہادر سپرو نے کارکنان خلافت کو ایک کانفرنس میں شریک ہونے کی دعوت دی تو اُن کے دلوں میں یہ خوف پیدا ہو گیا تھا، کہ کہیں لبرل اصحاب بھی مسلمانوں کے مطالبات کے ساتھ وہی سلوک نہ کریں جو مہاسبھا کر رہی تھی یا جس کی دیکھا دیکھی کانگرس کر رہی تھی، اس خوف کے باوجود کارکنان خلافت نے گفت وشنید کا دروازہ بند نہیں کیا بلکہ دعوت شرکت بڑی خوشی اور فراخدلی کے ساتھ قبول کر لی مسلمانوں کے مطالبات پوری سنجیدگی کے ساتھ پیش کر دئے گئے، اور اُن کی معقولیت اُن تمام لوگوں نے تسلیم کر لی جن کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی نہیں بندھی ہوئی تھی، اس سے فرقہ پرست حلقوں میں ایک بے چینی سی پھیل گئی جو "قوم پروری" کا نام لیکر شروع ہی سے اس کوشش میں مصروف تھے کہ سپرو کانفرنس ملتوی ہو جائے ہمیں یقین رکھنا چاہیئے کہ کانگرس کی طرح لبرل لیڈران، فرقہ پروری کا شکار نہیں ہو جائیں گے، اور سائمن کمیشن کی رپورٹ شائع ہونے سے پہلے ایک ایسی قابل قبول مفاہمت مکمل کر لیں گے جسمیں سب کے مفاد محفوظ ہوں گے، اگر یہ ہو گیا تو گول میز کانفرنس میں ہندوستان کے نمائندے ایک متحدہ محاذ پیش کرنے کے قابل ہو جائیں گے اور کامیابی کے ساتھ اپنے اس مطالبہ پر اصرار کر سکیں گے کہ ہندوستان کا پیدائشی حق تسلیم کر لیا جائے اور وہ حق سوائے مکمل آزادی کے اور کیا ہو سکتا ہے! اور اگر ہندوستان

کا یہ مطالبہ متحدہ طور پر پیش کردینے کے بعد بھی تسلیم نہ کیا جائے تو اس کے بعد موقع ہوگا کہ کانفرنس سے واک آؤٹ کریں، اور ہندوستان کی ہستی اور کامل آزادی تسلیم کرائیں، اس حالت میں کسی کو بھی برطانیہ سے قطع کرلینے اور جنگ آزادی لڑنے میں کوئی عذر نہ ہوگا، بلکہ پھر تو ساری دنیا ہندوستان کے اس رویہ کو حق بجانب ٹھہرائے گی اور سارے ہندوستان میں ایک نئی زندگی اور تازہ دم پیدا ہوجائے گی۔

مہاتما گاندھی اور آزادی

۵ سال ہوئے خود مہاتما گاندھی نے اپنے خطبۂ صدارت بلگام میں ارشاد فرمایا تھا:-

> ' میں علحدگی کی ذمہ داری برطانوی قوم کے سر ڈالنا چاہتا ہوں، یہ برطانیہ ہی کا کام ہونا چاہئے کہ صاف صاف کہدے، کہ اُسے ہندوستان سے کوئی حقیقی اتحاد نہیں قائم رکھنا ہے مری خواہش یہ ہے کہ آزادی قائم کرنے سے قبل ہم میں خود بخود آزاد ہوجانے کی پوری صلاحیت پیدا ہوجائے، جب برطانیہ یہ اعلان کردے کہ اس کا اصل مقصد ہندوستان کو اپنی مملکت میں مساوی درجہ دینے کا ہے، تب میں جو اسکیم بھی تیار کروں گا اس میں برطانیہ سے اتحاد قائم رکھنا ضرور شامل ہوگا، ..... میں ہر کانگرسی سے درخواست کروں گا، کہ وہ ہر حالت اور ہر صورت میں "آزادی" مل جانے پر اصرار نہ کریں

کیونکہ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ برطانیہ کو ہندوستان کو غلام بنانے ہی کے ارادہ سے تو بار بار انکار کرتا ہے مگر وہ درحقیقت چاہتا یہی ہے، اس وقت تک کامل آزادی پر اصرار کرنا بالکل غیر ضروری ہوگا۔"

یہ تھے مہاتما گاندھی کے ذاتی خیالات اُس وقت جبکہ لارڈ برکنہڈ اور لارڈ ریڈنگ برسرکار تھے اور جبکہ حکومت ہند کے ایک رکن نے علانیہ فرما دیا تھا کہ اگست سنہ ۱۹۱۷ء میں حکومت برطانیہ نے ہندوستان کے لئے درجۂ نوآبادیات کا حق ہرگز تسلیم نہیں کیا تھا، مہاتما گاندھی اب علیحدگی کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے رہے ہیں، اور "آزاد ہو جانے کی پوری صلاحیت حاصل کئے بغیر" جو "آزادی قائم کر رہے" ہیں کہیں اس کا سبب یہ تو نہیں ہے کہ اب مسٹر بن اور لارڈ اروِن برسرِ عہدہ آگئے ہیں؟

کوئی شبہ نہیں، جو شخص تحریک ترک موالات کو سنہ ۱۹۲۲ء میں باردولی میں یک بیک بند کر سکتا ہے، وہ اُسی حیرت انگیز بوقلمی کے ساتھ سنہ ۱۹۳۰ء میں سول نافرمانی کی مہم شروع بھی کر سکتا ہے، لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ ایک مرتبہ پھر "ٹھہرو" کا حکم نہ دے بیٹھے گا، جیسا کہ اس نے ۸ سال پہلے وائسرائے کو الٹیمیٹم دینے کے تھوڑے ہی دن بعد صادر فرمادیا تھا؟

پنڈت جواہر لال میں انقلاب؟

سمجھ میں نہیں آتا کہ جبکہ ہندوستانی والیان ریاست، لبرل اصحاب، ہندو مہاسبھا، مسلمان، اور خود آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے نصف ممبران

یہ کہہ رہے تھے کہ تقاضائے عقل و مصلحت یہی ہے کہ گول میز کانفرنس کے نتیجہ کا انتظار کیا جائے اور دیکھ لیا جائے کہ وہ ہندوستان کے لئے کیا کرتی ہے، عین اُس وقت پنڈت جواہرلال نہرو میں ایک دم سے "انقلاب" کیوں حلول کر گیا اور انہوں نے اچانک اور بے چینی کے ساتھ اس کی ضرورت کیوں محسوس کر لی، کہ گاندھی جی پر دباؤ ڈال کر وہ چیز منوالیں جو وہ ۲ برس سے ماننے سے گریز کر رہے تھے — یعنی یہ کہ کانگرس کا عقیدہ تبدیل کر کے "مکمل آزادی" کر دیا جائے، یہی پنڈت جواہرلال نہرو تو تھے جنہوں نے اپنی صدارت کے زمانہ میں کانگرس کو، اپنا "مقصد" آزادی قرار دینے پر آمادہ کر لیا تھا، اور یہی گاندھی جی تھے جنہوں نے اس وقت آزادی کو "مقصد" قرار دینے کا بھی مذاق اڑایا تھا! ایک وقت وہ بھی تھا جبکہ اپنے انتخاب کے بعد مہاتما گاندھی نے کانگرس کی رہنمائی کی ذمہ داری پنڈت جواہرلال نہرو کے کندھوں پر ڈال دی تھی اور جنہیں گاندھی جی نے ان کی خواہش کے خلاف، دہلی منیفسٹو پر دستخط کر دینے کے لئے آمادہ کر لیا تھا، اُنہی جواہرلال نہرو کے خیالات میں یک بیک انقلاب پیدا ہو جانا، تعجب خیز نہیں تو اور کیا ہے!

مہاتما جی کا عصاء

اب ذرا ہم اُس صورت حال پر ایک نظر ڈالیں جن کی موجودگی میں آج سول نافرمانی اور عدم ادائیگی محاصل کی مہم شروع کی جا رہی ہے، ہمیں خود مہاتما جی کے عصا سے موقع کی موزونیت اور مہم کی معقولیت کی پیمائش کرنی چاہیئے، ۵ سال ہوئے انہوں نے اپنے کانگرس کے خطبۂ صدارت میں کہا تھا:-

"۱۹۲۱ء میں ہم نے تشدد کا جواب سول نافرمانی سے دیا تھا اور حکومت کو دعوت دی تھی کہ جور و استبداد میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے، لیکن آج ہم اپنی کمزوری کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں، ہم سول نافرمانی کے لئے تیار نہیں ہیں، البتہ ہم اس کی تیاریاں شروع کر سکتے ہیں، سول نافرمانی کی تیاری کے معنے ہیں ڈسپلن ضبط نفس، عدم تشدد، پُرامن مقابلہ، قلبی اتحاد، اور اول و آخر خدا کے اُن احکام کی بلا کسی قسم کے پس و پیش کی تعمیل جو ہمارے علم میں آ چکے ہوں، نیز انسانوں کے وضع کردہ اُن قوانین کی تعمیل جو احکام خداوندی سے مطابقت کھاتے ہوں، بدقسمتی سے ہمارے اندر وہ ڈسپلن یا ضبط نفس نہیں رہی جو ہمارے حصول مقصد کے لئے ضروری ہے، ہم یا تو تشدد پر اُتر آتے ہیں یا بُرائی کا مقابلہ کرتے وقت نفسانیت سے کام لینے لگتے ہیں، ہم میں کافی اتحاد و ارتباط بھی نہیں ہے، اور جن قوانین پر ہم عمل کرتے ہیں، خواہ وہ خدا کے بنائے ہوئے ہوں یا انسان کے، ان کی بدرجۂ مجبوری پابندی کرتے ہیں نہ کہ برضا و رغبت ۔ موجودہ فضا سول نافرمانی کے لئے مناسب نہیں ہے اور سول نافرمانی ہی ایک غیر مرئی اور عدیم النظیر اسلحہ ہے، جسے ایک مظلوم قوم استعمال کر سکتی ہے۔ اس اسلحہ کا بدل سوائے "تشدد" کے اور کوئی چیز نہیں ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ

موجودہ فضا میں تشدد سرایت کرتا جاتا ہے، ہندو مسلم فسادات
کے ذریعہ ہم اسی کی ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں، جن لوگوں کا
عقیدہ یہ ہے کہ ہندوستان کی نجات تشدد ہی میں مضمر ہے، انکو
حق ہے کہ ہماری باہمی جنگ پر خوشیاں منائیں، کانگرس اپنے
حاصل کردہ اعتماد کو قائم رکھنے کے لئے ایسے شرائط رکھے گی، جو
اس کے مطالبات کو تقویت پہنچا سکیں، اُن پابندیوں کے نفاذ
سے پہلے، ہم ہندوؤں، مسلمانوں، عیسائیوں، سکھوں، اور
پارسیوں وغیرہ کو متحد ہو جانا چاہئے، اسی طرح سوراجیوں، غیر
تبدیلی پسندوں، لبرلوں، ہوم رولروں، مسلم لیگیوں۔۔۔۔
۔۔۔۔ اور دوسروں کو بھی متحد ہو جانا چاہئے، اگر ہم ایک
آواز ہو کر اور اپنا مقصد سمجھ کر آگے بڑھیں تو کامیاب ہوں گی"
۔۔۔۔ ایک کانگرسی کی حیثیت سے کانگریس کا اتحاد قائم رکھنے
کی خاطر، مَیں تحریک ترک موالات کو ملتوی کر دینے کا مشورہ
دیتا ہوں، کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ قوم اس کے لئے تیار
نہیں ہے۔"

اگر یہ حالات اب سے ۵ سال قبل کے تھے، جبکہ کانگرس نے خود
مہاتما جی کے اس اعلان پر کہ "اگر میں کانگرس میں شامل رہوں گا اور اسکی
رہنمائی کرنا چاہوں گا تو مجھے واقعات و حقائق کو ان کی اصلی شکل میں تسلیم کرنا ہوگا،
اور کانگرس کو میرا مشورہ بھی ماننا ہوگا" کانگرس نے تحریک ترک موالات ہی کو

ملتوی کر دیا تھا، تو کیا واقعات کو اُن کی اصلی شکل میں تسلیم کرتے ہوئے اگر ہم یہ کہیں کہ آج کے حالات ایسے نہیں ہیں کہ اتحاد و اشتراک تمام قوتوں کو مجتمع کر سکیں، تو کیا غلط ہوگا ؟ کیا سول نافرمانی کے لئے آج ملک پہلے سے زیادہ تیار ہے ؟ کیا اس وقت "ڈسپلن ، ضبط نفس، غیر تشدد آمیز قوت مقابلہ، قلبی اتحاد ، اور اول و آخر اُن احکام خداوندی کی بلا کسی قسم کے پس و پیش کے تعمیل جو ہمارے علم میں آچکے ہیں، نیز انسانوں کے اُن قوانین کی تعمیل جو احکام خداوندی سے مطابقت رکھتے ہوں "پہلے سے زیادہ موجود نظر آتے ہیں ؟ اس کا اقرار تو خود مہاتما جی نے بھی کیا ہے کہ آج کی فضا میں بمقابلہ گزشتہ ۵ سال کے، تشدد کا زیادہ زور دکھائی دیتا ہے، کانگرس نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے آج کون سے نئے نئے امدادی ذریعے پیدا کر لئے ہیں ؟ ہندو اور مسلمان اب بھی متحد نہیں ہیں اور نہ سوراجیوں، غیر تبدیلی پسندوں میں، بالبرلوں، ہوم رولروں، اور مسلم لیگیوں میں کوئی اتحاد ہوا ہے، ان حقائق کے ہوتے ہوئے بھی، غالباً کانگرس کے اثر کو برقرار رکھنے کی خاطر، مہاتما گاندھی نے، تحریک ترک موالات کو ملتوی کر دینے کے بجائے، جیسا کہ انہوں نے ۵ سال قبل پنڈت موتی لال نہرو کے بے محل مشورہ پر عمل کرتے ہوئے کیا تھا، آج پنڈت جواہر لال نہرو کے بے موقع مشورہ پر عمل کرتے ہوئے عدم ادائگی محاصل کی مہم شروع کر دینے کا فیصلہ صادر فرما دیا !

گاندھی جی کے اُس خطبۂ صدارت سے، جس سے اوپر چند حوالے دیئے گئے ہیں، ایک جملہ اور نقل کیا جاتا ہے، انہوں نے کہا تھا :-

' اب ہمارے متعلق کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملنا چاہئے، جیسا کہ

ایک مرتبہ لارڈ ولنگڈن نے بجا طور پر کہا تھا کہ ہم میں "نہیں" کہنے کی نہ ہمت ہے نہ قوت اگر آپ میری تجویز کو نامنظور کر دینگے، اور وہ بھی اس بنا پر کہ آپ کو وہ مطمئن نہیں کر سکتی، تو بلاشبہ میں اُسے سوراجیہ کی طرف ایک ترقی کن قدم سمجھوں گا۔"

مہاتما جی کے اس کلیہ کے مطابق تو مسلمانوں کو جو اقلیت والے فرقوں میں سب سے زیادہ اکثریت اور بھاری غلبہ رکھتے ہیں، داد دینی چاہئے، کہ وہ سوراجیہ کی طرف "ترقی پسندانہ قدم اٹھا رہے ہیں" اور "نہیں" کہکر ثابت کر رہے ہیں کہ اُن میں اس انکار کی "ہمت" بھی ہے اور "قوت" بھی! مسلمان اب دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ مہاتما جی کو اتنی "ہمت اور قوت عطا فرمائے" کہ وہ اپنا قدم پیچھے ہٹا لیں، اور ملک کی "تقدیر" "بازی" پر نہ لگائیں! اگر وہ ایسا کریں گے، تو ان کی اور ہندوستان کی موجودہ سیاسی زندگی میں یہ کوئی پہلا واقعہ نہ ہوگا، انہوں نے تو پہلے بھی کئی بار اپنی مہلک غلطیوں کا اقرار کیا ہے، یاد رکھنا چاہئے کہ مہاتما گاندھی ہندوستان کا مقصود اصلی "کامل آزادی" معین کرنے کے ہی حق میں نہیں تھے، اور مدراس کانگرس کے بعد انہوں نے اپنے اخبارات میں جس قسم کے خیالات ظاہر کئے ہیں، اُن کا اگر آج کے خیالات سے مقابلہ کیا جائے تو مطالعہ کرنے والے کا دماغ ایک مرتبہ تو ضرور چکر کھا جائے گا!

پورے ہندوستان کو متحدہ طور پر دعا کرنی چاہئے کہ مہاتما جی ایک مرتبہ اور اپنی غلطی کا اقرار کرلیں اور یہ اقرار اُسے مہلک شکل اختیار کرنے اور پورے ملک کو قعر مذلت میں گر جانے سے پہلے ہی کرلیں!

مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے؟

مسلمانوں کے لئے مناسب نہ ہوگا کہ ایک جواری کی طرح "تقدیر آزمائی" کے طور پر اپنا پانسہ پھینکدیں، یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ اس وقت کوئی مسلمان لیڈر بھی ایسا کرنا نہیں چاہتا، جو معدودے چند مسلمان ایسا کر رہے ہیں، وہ درحقیقت نام و نمود کی خاطر کر رہے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی "قوم پروری" کے مدوجزر کا پہلے ہی سے ایک عجیب وغریب "چارٹ" تیار ہو چکا ہے، وہ یکساں عمل کرنے اور صبر آزما تعمیری کام انجام دینے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے، مسلمان قوم کی دینی اور دنیادی فلاح وبہبود کے لئے تعمیری ہی قسم کا کام ہونا چاہیئے، آج کل کے مسلمان، جن کے قائدین نے مجلسی اتحاد کے بہترین طریقے سوچ نکالے تھے، ایک بے معنی رسمیات کے پابند ہو کر اسلام کی اصل روح کھو بیٹھے ہیں۔

یہ اکثر سوال کیا جاتا ہے کہ اس وقت جمعیت خلافت کا پروگرام کیا ہے؟ اس کا سب سے زیادہ صحیح جواب ہے "سب کچھ" اس سوال کے جواب میں یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ "آج مسلمان کون سا ایسا بہتر کام کر رہے ہیں جس میں اصلاح و ترقی کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی؟" جمعیت خلافت کے ذمہ یہ کام ہے کہ ہر شعبۂ زندگی میں اصلاح کرے، مسلمانوں کی از سر نو تنظیم کرے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان میں اتحاد اور خود اعتمادی پیدا کرے، جمعیت چاہتی ہے کہ مسلمان اپنے پیروں آپ کھڑے ہوں، اور اسلام اور ہندوستان کی آزادی کے لئے سب سے لڑیں اور سب سے اتحاد کریں، تمام بالغ مسلمانوں کو جو جمعیۃ کے ممبر بن سکتے ہیں، چاہیئے کہ اپنا پروگرام خود بنالیں، اور اپنی رہنمائی کے لئے

جس کو پسند کریں رہنما بنالیں، جمعیت خلافت کا مقصود اصلی استخلاص وطن ہے نہ کہ غلامی، اور جس طرح وہ مسلمان قوم کو برطانیہ کی غلامی میں رہنے سے منع کرتی ہے ٹھیک اسی طرح وہ اپنی قوم کو دوسرے فرقہ کا غلام بنجانے سے بھی روکتی ہے، وہ آزادی کی بھوکی ہے، وہ آقاؤں کی تبدیلی ہرگز پسند نہیں کرتی مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور صورت حال پر نظر غائر ڈالتے رہیں وہ اُن لوگوں کے ساتھ اپنی قسمتیں وابستہ رکھ سکتے ہیں جو آزادی کامل کو ہندوستان کا پیدائشی حق تسلیم کرتے ہیں، اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کا یہ حق بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ملک کے نظام میں ان کو آزاد اور برابر کے حصہ دار کی طرح شریک ہونا چاہیئے۔

لیکن یہ ساری باتیں بیکار ہیں اگر مسلمان تعمیری کام کی طرف رجوع نہ ہوں بلکہ ہنگامہ آرائی پسند کرتے ہوں، اُن کو "آتشبازی کا تماشہ" دیکھنے والا نہیں بننا چاہیئے، جمعیت خلافت کی مجلس عاملہ نے اپنے صدر کو اختیار دے رکھا ہے کہ جب کبھی ان کی رائے میں صورت حال ایسی نمودار ہوجائے کہ اس پر غور و فیصلہ کے لئے اجلاس خصوصی کا انعقاد ضروری ہو تو وہ خاص اجلاس مدعو کرسکتے ہیں جمعیتہ خلافت اس وقت مسلمانان ہند سے اپیل کرتی ہے کہ اراکین جمعیت کی موجودہ تعداد میں کم سے کم ۵ لاکھ ممبروں کا اور ۵۰ ہزار رضاکاروں کا اضافہ کردیں، اس طرح جب وہ اپنی زندگی کا عملی ثبوت پیش کردیں گے، تو وہ دوسروں کو بھی مجبور کردیں گے، کہ ان کی انفرادیت تسلیم کریں، اور ان کے حقوق کا احترام کریں، اس کے بغیر ان کی حالت صرف "متبعین" کی سی رہ جائے گی، خواہ حکومت اجنبی ہو یا ہندوستانی، یہ تو خود مسلمانوں ہی کا فرض ہوگا کہ اپنے متعلق کوئی فیصلہ کریں،

اور الفاظ کے بدلے عمل سے ثابت کریں کہ اُن کو "آزادی" عزیز ہے یا غلامی ؎

ہمت بلند دار کہ نزدِ خدا و خلق
باشد بقدرِ ہمتِ تو، اقتدارِ تو

حرفِ آخر

بیان واقعہ	رئیس احمدؒ جعفری
عرضِ حال	شوکت علی (خادم کعبہ)
آخری مشورہ	محمدؒ علی

بیانِ واقعہ

گاندھی جی دوسری گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے تھے، پہلی گول میز کانفرنس ان کی شرکت کے شرف سے محروم رہی تھی، اس اجتماع میں نمائندگان کانگرس کے علاوہ ہر سیاسی جماعت کے مندوب موجود تھے، لارڈ اردن (اب لارڈ ہالی فیکس) وائسرائے تھے، ان کے اصرار سے متاثر ہوکر شخصی حیثیت سے محمد علی نے پہلی گول میز کانفرنس (۱۹۳۰ء) میں شرکت منظور کرلی۔

بڑا نازک وقت تھا، ہندوستان کا ذرہ ذرہ محمد علی کا مخالف ہو رہا تھا، ہندو تو خفا تھے ہی، خود مسلمانوں کا نیشنلسٹ طبقہ شور اختلاف سے زمین و آسمان میں تزلزل پیدا کئے دے رہا تھا، اس وقت کے نیشنلسٹ مسلمان آج کے سے "معتکف بیت حزن" نہیں تھے، اس وقت ان کی چڑھی بارگاہ تھی، اور وہ اپنی حلق کی پوری طاقت اور اپنے قلم کا سارا زور محمد علی کے خلاف صرف کر رہے تھے۔

محمد علی کی زندگی اس وقت ابتلا کے سخت ترین دور سے گزر رہی تھی، مالی مشکلات کے سبب "ہمدرد" بند ہوچکا تھا، مسلم پریس کا بڑا حصہ ان کا مخالف

تھا، اس لئے ان کے خلاف تو دفاتر طلسم ہوشربا تیار ہو رہے تھے، اور ان کے توضیحی، اور تشریحی، اور صفائی کے بیانات کے لئے، مخالف اخبار آت میں کوئی گنجائش نہیں تھی، وہ محمد علی کا مذاق اڑا سکتے تھے، اس کی شخصیت پر نارروا، اور نازیبا حملے کر سکتے تھے، اس کے خلاف غلط بیانیوں، اور تہمت تراشیوں کا انبار تیار کر سکتے تھے، لیکن محمد علی کا جواب دعویٰ شائع کرنا کسی کو بھی گوارا نہیں تھا۔

صرف یہی نہیں، محمد علی کی جان ناتواں امراض و آلام کا مجموعہ بنی ہوئی تھی، اس کی ایک آنکھ ناکارہ ہو چکی تھی، دوسری آنکھ کی بینائی جواب دے رہی تھی، گٹھیا کے اثرات بھی طاری تھے، ذیابیطس کے حملے بڑی شدت کے ساتھ ہو رہے تھے، دوستوں کا ——— اب دوست ہی کتنے رہ گئے تھے؟ ——— تقاضہ تھا، کہ محمد علی آرام کریں، حکیموں، اور ڈاکٹروں کا حکم تھا کہ وہ کسی قسم کا ذہنی اور دماغی کام نہ کریں، عزیزوں کا اصرار تھا کہ وہ اتنے طویل سفر کا ارادہ ترک کر دیں، لیکن یہ کمزوریاں ایک مجاہد سے سرزد نہیں ہو سکتی تھیں، محمد علی ایک مجاہد تھا وہ دم توڑ رہا تھا، لیکن میدانِ جنگ میں جانے پہ تُلا ہوا تھا!

ہندوستان کے مسلمان اس وقت تک پاکستان کے تخیل سے ناآشنا تھے، وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ ہندو اکثریت کے دورِ حکومت میں ان کے حقوق محفوظ ہوں، تحفظِ حقوق کے سلسلہ میں، وہ نئی نئی تجویزیں اور تدبیریں سوچا کرتے تھے اس وقت کی سیاسیات میں سب سے بڑا اور لاینحل مسئلہ انتخاب

تھا، مجالس آئین ساز اور بلدیات کا انتخاب مخلوط ہو یا جداگانہ ؛ مشترک حلقہ ہائے انتخاب سے ہندو اور مسلمان کھڑے ہوں یا ہندو اپنے حلقہ سے، اور مسلمان اپنے حلقہ سے، جو قوم پرست تھے وہ کہتے تھے مخلوط انتخاب رائج ہونا چاہیئے جو فرقہ پرست تھے وہ جداگانہ انتخاب پر اڑے تھے، محمد علی نہ قوم پرست تھا نہ فرقہ پرست تھا، وہ صرف حق پرست تھا، وہ چاہتا تھا ہندو مسلمانوں کے حق پر ڈاکہ نہ ڈالیں، اور مسلمان ہندوؤں کا حق نہ غصب کرسکیں، اس لئے اس نے علالت اور بیماری کے باوجود، ذہنی اور دماغی اُلجھنوں کے باوجود، بستر علالت پر، پڑے پڑے، ایک اسکیم تیار کی، جو انتخاب کے معاملہ میں "حرف آخر" کہا جاسکتا تھا، اور آہ کہ یہی اس کی زندگی کا حرف آخر ثابت ہوا۔

کمزور دماغ اس بوجھ کو برداشت نہ کرسکا، وہ بستر علالت پر لیٹے لیٹے یہ اسکیم ڈکٹیٹ کراتا رہا، اور یہ کام ختم ہوا تو اس کی زندگی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی گل ہوگیا، دماغ کی رگیں پھٹ گئیں، اور تدبر و تفکر کا وہ سرچشمہ ہمیشہ کے لئے خشک ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؁

محمد علی کی اسکیم سے پہلے ان کے برادر بزرگ ضیغم اسلام مولانا شوکت علی کا تمہیدی نوٹ بھی درج کیا جاتا ہے، اس سے اس اسکیم کے ماحول کو سمجھنے میں اور زیادہ امداد ملے گی۔

عرضِ حال

اس حقیقت سے ہر شخص واقف ہے کہ میرا بھائی اسلام اور ہندوستان کے
مفاد کی خاطر نڈر اور انتھک کوششوں کے ساتھ ہمیشہ کام کرتا اور لڑتا رہا آخر میں
اس کی بیماری نے تشویشناک صورت اختیار کرلی تھی، صحت جسمانی بد سے بدتر ہو چکی
تھی، اور اس کے تمام دوست و اطباء اس کو متنبہ کر رہے تھے کہ وہ ہندوستان
کو ایسی حالت میں نہ چھوڑے، جبکہ اس کی جان خطرہ میں ہو مگر اس نے کسی کی نہ سنی
اور انگلستان کو روانہ ہوگیا تاکہ وہ اس گول میز کانفرنس کی کارروائی میں شریک ہو
جو ہندوستان و انگلستان اور اس کے متفقین کے درمیان ایک صحیح اور باعزت سمجھوتہ
کے لیے منعقد کی گئی تھی، محمد علی نے اپنے دوستوں اور طبی مشیر کاروں کی تنبیہ کا
صرف یہ جواب دیا کہ ایک سپاہی کا فرض ہے کہ جب اس کا مذہب و ملک
خطرہ میں ہو تو اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اپنے فرض منصبی کو پورا کرے خصوصاً
ایسی حالت میں جبکہ اس کے چند ساتھی اس سے برگشتہ ہو گئے ہوں، اور ان
کا ایک اہم گروہ اس کے مشورے سے انکار کردے، اور اس لائحہ عمل کو قبول
نہ کرے جس کو تمام مختلف الآرا مسلمانوں کی ایک زبردست اکثریت نے

بالاتفاق منظور کر لیا ہو، محمد علی نے کہا کہ میں اپنی ساری زندگی کام کے لئے زندہ رہا، اور اس وقت اپنے آرام وصحت کی خاطر کام سے منہ موڑ لینا ایسا فعل مجرمانہ ہوگا، جو صرف نامردوں اور بزدلوں کے لئے موزوں ہے۔

وائسرائے ہند لارڈ ارون کے خلوص اور نیک نیتی پر اس کا یقین تھا اس لئے اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ہندوستانی شہزادگان، لبرل جماعت، اچھوت جماعت، اور مسلم پبلک کی کثیر جماعت کے مطالبات کی تائید میں اپنی آواز بلند کرے، برطانوی پارلیمنٹ اور برطانوی لوگوں کی طرف سے اتحاد عمل کی اس کو کچھ زیادہ امید نہ تھی پھر بھی اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب آخری مرتبہ ہندوستان کے مطالبہ آزادی کو برطانیہ کے سامنے پُر زور الفاظ میں صفائی کے ساتھ بیان کر دیا جائے تاکہ وہ ہمارے ہندوستان جنت نشان کی تبدیل شدہ حالت کا صحیح طور سے اندازہ کر لیں، اس کے بعد بھی اگر وہ اپنی پرانی غلط پالیسی پر عامل رہیں اور ہندوستانیوں کے ساتھ بے اعتمادی کا برتاؤ کرتے رہیں تو ان کو اختیار ہے۔

بدقسمتی سے انڈین نیشنل کانگرس نے مہاتما گاندھی اور ان کے ساتھیوں کی قیادت میں پرانے رفقا رکار کی تنبیہوں اور مشوروں کو نظر انداز کرتے ہوئے تحریک سول نافرمانی پورے زور شور کے ساتھ جاری کر دی جو حکومت برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ سے کسی طرح کم نہ تھی، اور جس نے اپنے اُن ہم وطنوں کو بھی محفوظ نہ چھوڑا، جو اس سے اختلاف رائے رکھتے تھے، محمد علی بہادر تھا اور اس کو اپنے یقین کامل پر پورا بھروسہ تھا، صداقت وحق گوئی کی راہ سے کوئی زبردست سے زبردست طاقت اس کا منہ نہیں موڑ سکتی

تھی، ذاتی خطرات کی وہ ذرہ برابر پرواہ نہ کرتا تھا، اور اس نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ وہ صلح و آشتی کے حصول میں اپنی جان تک کی پرواہ نہ کرے گا، اخبارات کا ایک فرقہ اور جماعتی پروپیگنڈا کرنے والوں کا ایک گروہ محمد علی پر لعن طعن کرنے میں برابر مشغول رہا، اس مسلسل مخالفت نے محمد علی کو مضبوط سے مضبوط تر بنا دیا، خدا کے فضل و کرم سے مسلم جماعت اس کے ساتھ تھی، اور وہ باوجود اپنے بہت سے کمزور اور نرم دل ساتھیوں کی مخالفت کے بہادری کے ساتھ تن تنہا لڑتا رہا، اور اپنی پالیسی کی جرأت، خوش مزاجی، اور عقلمندی کے ساتھ حمایت و تائید کرتا رہا، کام کی سختی نے اس کو ہلکان کر دیا، اور اس نے خوشی خوشی آخری وقت تک لڑتے ہوئے اپنی جان عزیز قربان کر دی، میرے خیال میں وہ اپنی موت سے ایسا کام کر گیا ہے جو اگر آج وہ زندہ ہوتا اور پر مغز لیکچر و خطبات دیتا ہوتا یا اخبارات میں بہترین مضامین لکھتا ہوتا تو تب بھی نہ کر سکتا۔

تمام حضرات سے میری گزارش ہے کہ وہ ان پیش کردہ چند صفحات کو جس میں محمد علی نے اپنے دلی مقاصد کا اظہار کیا ہے، صفائی قلب، احتیاط اور توجہ کے ساتھ پڑھیں، محمد علی اپنے خدا کو منہ دکھانے جا رہا تھا، اور اس کی جیسی طبیعت والا آدمی مرتے وقت جھوٹ نہیں بول سکتا، محمد علی بڑا زبردست انشا پرداز تھا، اور اس کا طرز تحریر پر مغز و پر مذاق، ہونے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ نہایت زوردار، اور دلچسپ بھی ہوتا تھا، مگر ان پیش کردہ صفحات میں بہت سے دوست محسوس کریں گے کہ اس کا طرز تحریر غیر معمولی طریقہ سے سادہ اور دل سوز ہے اور تمام لوگوں کو موجودہ صورت حال

کی سنجیدگی کو اچھی طرح محسوس کرنے کے لئے آخری مرتبہ متنبہ کر رہا ہے، برطانیہ اور برطانوی لوگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے بھی ہندوستان کے ۳۵ کروڑ نفوس کی آئندہ بہتری و خوش حالی موجودہ صورت حال کی پیچیدگیوں کو رفع کرنے پر موقوف ہے۔

محمد علی نے مخلوط انتخاب کی موافقت کی تھی، اور ۱۹۲۷ء اور ۱۹۲۸ء میں مسلمانوں کی اکثریت کو مشترکہ انتخاب کے (جو ان کے لئے محفوظ رکھا گیا تھا) ترک کرنے پر راضی کر لیا تھا، اس وقت بدقسمتی سے مہا سبھائی ہندوؤں کی طرف سے ہی نہیں بلکہ کچھ نام نہاد قوم پرست رفقائے کار کی طرف سے بھی بغض و غضب اور غیر رواداری کا اظہار کیا گیا، مگر محمد علی نے اس کی پرواہ نہ کی، اس نے اچھی طرح مسلمانوں کی اکثریت کے مشترکہ انتخاب کے مطالبہ کی اہمیت کو سمجھ لیا تھا، مسلم جماعت ہندوؤں کی (جو ہندوستان میں ۷۵ فیصدی ہیں) ایمانداری، راست بازی، اور انصاف پسندی پر اعتماد نہیں کر سکی، مسلمانوں کو ہندوؤں کی جماعت کے متعلق یہ شبہ ہوا کہ وہ فیاض طبیعت نہیں ہے، کیونکہ خود اپنے لاکھوں ہم مذہبوں کے ساتھ وہ جماعت ایسا برتاؤ کر رہی تھی اور ان کو ایسے حقوق کے دینے سے بھی انکار کر رہی تھی، جو کتوں، گھوڑوں، بکریوں، اور بھینسوں تک حیوانوں کو دے جاتے ہیں، ان حیوانوں میں گائے کو شامل کرنا تو محض بے کار ہے، کیونکہ وہ تو مقدس سمجھی جاتی ہے، اور سب لوگ اس کی پوجا کرتے ہیں۔

محمد علی یہ چاہتا تھا کہ وہ تعصب سے بھری فرقہ دارانہ ذہنیت کا

خاتمہ کر دے، اس لئے اس نے صورت حالات کی مشکلات کا اندازہ کرتے ہوئے مشروط مخلوط انتخاب کی ایک ایسی صورت پیش کی جو ہر ہندو اور مسلمان کو مجبور کرے گی کہ وہ اپنے انتخاب کے لئے دونوں مذاہب کے پیروؤں کے پاس جائے اور اس طرح پر آپس کی اخوت کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ ایسے آدمی کو منتخب نہ ہونے دے جو کٹر متعصب اور فرقہ پرست ہو، اس طرح پر ایسے لوگ منتخب ہو سکیں گے جو ہندو اور مسلمان دونوں کے پسندیدہ ہوں گے، اس طریقہ سے اکثریت اور اقلیت دونوں مطمئن ہو سکیں گی، اور تنگ دلی و فرقہ وارانہ تعصب کا جو آجکل اکثر قوم پرستی اور حب وطن کے جامہ میں نظر آتا ہے، سد باب ہو جائے گا، میں مہاتما گاندھی، انڈین نیشنل کانگرس، اور تمام ہندوؤں سے التجا کرتا ہوں، کہ وہ مادر وطن کے ایک بڑے بہادر اور قابل سپوت کی وصیت کو غور سے سنیں، اور اس پر ٹھنڈے دل سے غور کریں، جس نے میدان جنگ میں آخر وقت تک لڑتے ہوئے خوشی خوشی جان قربان کی ہے۔

بدقسمتی سے انگلستان میں اس کی صحت اس درجہ خراب ہو گئی تھی کہ وہ چلنے پھرنے سے بھی معذور تھا، پھر بھی میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ آخر وقت تک اپنے جسمانی درد و تکلیف کے باوجود اپنے فرض منصبی کی انجام دہی میں چاروں طرف مارا مارا پھرتا رہا، اگر اس نے احتیاط کے ساتھ ٹھنڈے دل سے کام کیا ہوتا تو ممکن ہے فائدہ زیادہ اور نقصان کم ہوتا مگر موجودہ بے چینی و غلط فہمی کے دور میں آرام و سکون اس کے لئے ناممکن الحصول تھے، بہرحال جو کچھ اس سے ہو سکا وہ اس نے کیا، اور آخر میں ایک بہادر سپاہی کی طرح ہنستا ہوا

اس دنیا سے رخصت ہوگیا، اس کے آخری الفاظ میری گویائی سے کہیں زیادہ ہیں، اور میں پوری امید رکھتا ہوں کہ انگریز سکھ، اور ہندو، ان کو غور سے پڑھیں گے میری دعا ہے کہ خدا محمد علی کے آخری پیغام سے ان تمام لوگوں کے دل نرم کردے اور ان کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ صحیح صلح کے لئے تیار ہوجائیں، مجھ کو بخوبی معلوم ہے، کہ وہ تمام محمد علی کی عزت کرتے تھے، اور اب اس کے مرنے کے بعد اور بھی زیادہ عزت کرتے ہیں، جہاں تک مسلمانان ہند یا مسلمانان عالم کا تعلق ہے ان کا تو وہ عزیزترین محبوب تھا، مذہب اسلام کے ساتھ محمد علی کا شغف اور اس دین متین کی خاطر اس کی سرفروشانہ کوشش ہر مسلمان کے دل میں محمد علی کے لئے گھر بنا گئیں ہیں، مسلمانان ہند کے مفاد کی خاطر محمد علی کی اندرون ہند و بیرون ہند کوششیں ایسی تھیں جن کا انعام آج اس کو مل رہا ہے، سب لوگ اس سے محبت رکھتے تھے، اور آج اس کی جدائی پر ماتم کناں ہیں، مجھ کو یقین کامل ہے کہ یہ پیش کردہ صفحات جو محمد علی نے اپنے خون سے لکھے تھے، ہر شخص پر خاطرخواہ اثر کریں گے۔

ماہرین فن اطبا نے مجھ سے کہا کہ محمد علی کی موت قلب کے رک جانے یا گردہ کی تکلیف سے نہیں ہوئی بلکہ اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ آخری یادداشت کے لکھانے میں اس کے دماغ پر اس قدر غیر معمولی زور پڑا کہ دماغ کی رگیں پھٹ گئیں، ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ دماغ میں کئی دن پہلے سے خون بہہ رہا تھا اور اس غیر معمولی کام کی وجہ سے فالج کا اثر ہوگیا، جس کے سبب صبح سات بجے اُٹھنے کے بعد سے وہ کچھ بات چیت نہ کرسکے، اور بالآخر ۴ جنوری کی صبح کو

اس دار فانی سے کوچ کر گئے، آخری مرتبہ بیہوش ہونے سے قبل محمد علی دو گھنٹہ تک نواب سر عبدالقیوم صاحب سے صوبہ سرحد کی اصلاحات کے متعلق باتیں کرتے رہے، اور مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ کسی مفاہمت کو اس وقت تک تسلیم نہ کریں، جب تک کہ اس میں ہندوستان کے بہادر ترین فرزندان توحید یعنی صوبہ سرحد کے بھائیوں کے مطالبات پورے نہ ہوں، اس کے علاوہ دو گھنٹہ تک سر شاہنواز بھٹو سے صوبہ سندھ کے متعلق باتیں کرتے رہے، اس صوبہ سے ان کو سب سے زیادہ محبت اس لئے تھی کہ ہندوستان میں اسلام یہیں سے داخل ہوا تھا، باقی دو گھنٹہ لاہور کی ایک بہن بیگم عزیز کے ساتھ گفتگو کرتے رہے، غرض اس طرح یہ وہ مرتے دم تک بہادر مجاہد کی طرح کام کرتے ہوئے رحلت کر گئے، خدا مرحوم کی روح کو جوار رحمت نصیب کرے، اور اس کے رفقاء کار کو اس بات کی توفیق دے کہ وہ اس کے آخری مشورہ کو قبول کریں۔

آج محمد علی بیت المقدس میں حرم شریف کی ارض پاک میں آرام سے سو رہا ہے، لکھو کھا بہادر عرب، اپنے بہادر بھائی کی بہادر موت سے چونکنا ہو کر سرگرم عمل ہو گئے ہیں، مجھے اس بات کا پوری طرح یقین ہے کہ صلح کی خاطر محمد علی کے جان دینے نے انگریزی قوم کے دلوں پر بہت اچھا اثر کیا ہے، کیونکہ ان کو اچھی طرح علم تھا کہ محمد علی حکومت کا سرکش و باغی اس لئے تھا کہ وہ حکومت اسلام اور مادر وطن کے ساتھ غیر دوستانہ برتاؤ رکھتی تھی۔

اب میرے خیال میں انگریزی قوم کے افراد کے دلوں میں ایک حقیقی

تبدیلی پیدا ہو گئی ہے، اور اس وقت میں کھلے الفاظ میں ان کی اس ہمدردی اور مہربانی کا اعتراف کرتا ہوں جو انہوں نے میرے بھائی کی موت کے وقت بیگم محمد علی، میرے اور ہمارے خاندان کے ساتھ برتی ہے، جب اجنبی قوم کی طرف اس طرح کا برتاؤ ہوا تو مجھے اپنے ہندوستان کے ہندو، سکھ، اور مسلمان بھائیوں کی طرف سے اور بھی کچھ زیادہ کی امید ہے، محمد علی آخر وقت تک ایک باعزت صلح کے لئے لڑتا رہا، اور اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اس کام کو پورا کئے بغیر چین نہ لوں گا، اور اسی ذریعہ سے محمد علی کی روح پُرفتوح کو آرام و سکون نصیب ہو سکے گا، میری ہر مسلمان مرد اور عورت سے درخواست ہے کہ وہ اس مشکل کام میں میری مدد کرے، خداوند تعالیٰ سب سے مضبوط اور طاقتور ہے، اور ہم اسی کے بھروسہ پر کام کر رہے ہیں وہ انشاء اللہ ہمیں فتح یابی نصیب کریگا۔

اب وقت آگیا ہے کہ تمام مختلف الرائے بھائی یکجہتی سے آگے بڑھیں، اور اندرون ہند و بیرون ہند اسلام کے علم کو بلند کریں، اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے سامنے خطرات موجود ہیں، مگر خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لئے ہی مسلمان پیدا کیا گیا ہے، کمر ہمت باندھ کر آگے بڑھیں تو خدائی امداد ہمیشہ ہمارا ساتھ دیگی اب الفاظ و تقاریر کا وقت نہیں ہے، کام اور متحدہ کام ہی میں ہماری نجات مضمر ہے، میں اپنے امیر و غریب سب بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ آگے بڑھ کر ہماری تاریخ کے اس نازک دور میں تنظیم المسلمین کے کام میں ہماری مدد کریں، اپنے امیر بھائیوں سے میں خاص طور پر کہوں گا کہ وہ ہمارے اور ہمارے اسلام کے خطرہ میں گھرے ہونے کے وقت مبہوت نہ ہو جائیں، بلکہ خدا پر

بھروسہ کرکے دامے درمے امداد کریں، خدا سب کی مدد کرے. آمین

شوکت علی خادم کعبہ

دریا گنج دہلی

۳۰ / مارچ ۱۹۳۱ء

آخری مشورہ!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لندن، ہائڈ پارک ہوٹل، یکم جنوری ۱۹۳۱ء

جناب والا۔

جیسا کہ میں نے کانفرنس کے اجلاس میں کہا تھا، میری صحت اتنی خراب ہے، کہ میں گول میز کانفرنس کی شرکت کے لئے سفر کرنے کے کسی طرح قابل نہ تھا، خاصکر جیسا کہ میرے ڈاکٹر آپ کو بتا سکتے ہیں، اور اُن تردوات کو برداشت کرنے کے بالکل ہی قابل نہ تھا، ۹ار دسمبر کو میں بیہوش ہو گیا، اور ۲۴ گھنٹے سے زیادہ بیہوش رہا، میری نبض کی رفتار ۱۴۰، حرارت صرف ۹۷، جو اور بھی کم ہو کر ۹۵ رہ گئی تھی اور میرا تنفس ۳۰ تھا، اس حالت میں بھی جس کام کے لئے میں یہاں آیا تھا اُسکے کرنے کی خواہش میرے اندر اس قدر قوی تھی، کہ میں نے لارڈ چانسلر کو ۸ بجے شام کو ناشتہ کی دعوت دی، یعنی شام کے وقت کو صبح کا وقت سمجھا! دوسرے دن اُنہوں نے کرم فرمایا، لیکن میرے بھائی نے اُن کو صرف دس منٹ کے لئے مجھ سے ملنے کی اجازت دی، اور اُس مختصر وقت میں بھی نہایت دشواری کے

کے ساتھ اپنے خیالات اُن پر ظاہر کرسکا۔

چونکہ میری یہ خواہش تھی کہ ہز مجسٹی کی گورنمنٹ اور پارلیمنٹ کے نمائندوں اور نیز ہندوستانی نمائندوں (جو میرے خیالات سے کسی حد تک واقف بھی تھے) کو اپنے خیالات سے مطلع کرنے کے لئے اُن خیالات کو حیطۂ تحریر میں لے آؤں، اسی لئے میں نے آپ سے یہ درخواست کی تھی، کہ آپ مہربانی فرما کر میرے پرانے دوست سر جوفری کاربیٹ جس سے میری دوستی چھندواڑہ میں شروع ہوئی تھی میرے پاس ہوں تاکہ اُن کی موجودگی میں اقلیتوں کے متعلق، جن کی کمیٹی کا میں ممبر ہوں، میرے خیالات قلمبند کرلئے جائیں۔

سب سے پہلے میں یہ کہنا چاہتا ہوں، کہ ہندو مسلم سوال کا نام اقلیتوں کا سوال رکھنا بالکل غلط ہے، ہندوستان میں بلاشبہ کچھ اقلیتیں ضرور ہیں، اور یقیناً ہم کو اُن کے لئے ایسا انتظام کرنا چاہئے کہ وہ یہ محسوس کریں کہ آئندہ حکومت ہند، بعض ایک یا دو، اقوام کی حکومت نہ ہوگی، بلکہ تمام ہندوستانیوں کی حکومت ہوگی جس میں ذات اور عقائد کا امتیاز باقی نہ ہوگا، تاہم اپنی حکومت کے متعلق اہل ہند کی ذمہ داریوں کے راستے میں ایک مشکل ضرور ہے، اور وہ ان اقلیتوں کا سوال نہیں ہے، بلکہ اُن گہرے اختلافات کا سوال ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان موجود ہے، یہ حقیقت اس قدر واضح ہے کہ مجھے تاریخی حالات بے شمار اور اعداد بیان کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن میں ایک دو یا تین خاص طور پر زور دیکر بیان کردینا چاہتا ہوں، جس سے یہ ظاہر ہوجائے گا کہ ہندو مسلمانوں کا سوال اقلیتوں کے سوال سے بالکل مختلف ہے، سب سے اول یاد رکھنا چاہئے کہ مسلمان ہندوستان

بر آٹھویں صدی کے آغاز سے ۱۹ ویں صدی کے وسط تک، کسی نہ کسی صورت میں اور ملک کے کسی نہ کسی حصہ میں حکومت کرتے رہے، اسلام اور اتنے عرصہ تک کسی دوسری قوم نے ہندوستان میں حکومت نہیں کی، سکھوں کی ایک نسل نے تنہا پنجاب کے صوبہ پر کچھ روز حکومت کی، یہ حکومت محض ایک اتفاقی واقعہ تھا، میرا یہ مطلب نہیں کہ میں سکھوں کی شجاعت پر حرف رکھوں، درانحالیکہ میں پنتھ کے نظام کو بہت احترام کی نظر سے دیکھتا ہوں، اسی طرح مرہٹوں کی لوٹ مار، اور ان کی متحدہ درولبست ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ کے ہم پلہ نہیں ہے، اس کے بعد خواہ فوجی فتوحات یا سیاسی چالاکیوں کے ذریعہ سے اسلامی حکومت آخرکار مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر برطانیہ کے ہاتھ میں گئی، سوائے بعض ہندوستانی ریاستوں کے جو عہد قدیم سے ہندوؤں کی مخصوص ریاستیں ہیں، اور جو اپنی نسل کا سلسلہ چاند اور سورج سے بتلاتے ہیں، ان ہندو ریاستوں کا تعلق مسلمانوں کی حکومت کے ساتھ جو کچھ بھی رہا ہو، لیکن اس میں تو ذرا شک نہیں کہ اُن ریاستوں نے ہمیشہ اسلامی حکومت کے ساتھ گہری وفاداری کے عقائد وابستہ رکھے، اور اُن کو اپنے معاملات میں ایسی آزادی حاصل رہی جس سے برطانوی اقتدار کے زمانہ میں وہ محروم ہو گئیں ان کے علاوہ بعض ریاستیں وہ ہیں جو مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد پیدا ہوئیں، اور برطانوی حکومت نے اُس کے وجود کو تسلیم کر لیا، بعض ریاستیں مثلاً حیدرآباد کمپنی سے ابتدائی معاہدوں کے وقت، بجائے خود کمپنی کے مقابلہ میں بہت زیادہ بڑی اور زیادہ طاقتور تھیں، لیکن وہ کمپنی کی وفادار اتحادی بن گئیں، بعض ایسی تھیں جو کمپنی سے چھوٹی تھیں، بہرحال اس بحث سے مجھے فی الحال کوئی تعلق نہیں۔

میں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ صحیح یا غلط طور پر مسلمانوں نے ہندوستان پر کسی نہ کسی صورت میں اور ملک کے کسی نہ کسی حصہ پر آٹھویں صدی سے ۱۹ ویں صدی تک اس طرح حکومت کی کہ کسی دوسری قوم نے کبھی نہیں کی۔ اس واقعہ کا نہایت اہم نتیجہ جس سے ہم کو بحث کرنی ہے وہ احساس ہے، جو اسلامی حکومت کے اس طویل اور وسیع دور سے پیدا ہوا۔ ہندوستان میں مشکل سے کوئی قوم ایسی ہوگی جو عہد قدیم کے مسلمان حکمرانوں کے خلاف، صحیح یا غلط کوئی شکایت نہ رکھتی ہو، اور فطرت انسانی کا اقتضا جو ہر ملک کی تاریخ میں عیاں ہے۔ یہی ہے کہ بعض ہندوؤں اور بعض دوسری قوموں کے افراد کے دلوں میں مسلمانوں سے انتقام لینے کی خواہش موجود ہو، مگر مسلمانوں کے علاوہ دوسری قوموں مثلاً سکھ مرہٹہ، راجپوت وغیرہ کے خلاف اس قسم کا جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا، یہی احساس ہے جس سے ہم کو بحث کرنی ضروری ہے، اور جس سے متعلق ہمیں آئندہ کے لئے تحفظ کے ذرائع پیدا کرنے ہیں تاکہ ہندوستان کی آئندہ حکومت کا ایک ایسا دستور العمل بنایا جائے جس میں تمام قومیں محسوس کریں کہ وہ محفوظ ہیں، مساوی، اور آزاد ہیں، دوسرا قابل غور سوال یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمان اس قسم کی اقلیت نہیں ہیں جس معنی میں کہ جنگ کے بعد یورپ میں یہ لفظ استعمال ہو رہا ہے، "جمعیت اقوام" یورپ کی اقلیتوں کا انتظام کرتی ہے، مگر ہمارے ہندوستانی فضلا اور پروفیسر "جمعیت اقوام" سے اقلیتوں سے متعلق اصول کار عاریتاً لاتے ہیں، اور اسی کے طرز عمل اور طریقہ حکمرداری کی پیروی کرنا چاہتے ہیں، اور اس طرح جنیوا میں بیٹھ کر ہندوستان

کی رہنمائی کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ خود ہندوستان جینوا کی بہتر رہنمائی کرسکتا ہے، ایک ایسی قوم جو تنہا ہندوستان میں ۷ کروڑ سے زیادہ ہے، بآسانی اس معنی میں اقلیت نہیں کہلائی جاسکتی، جس مفہوم میں یہ لفظ جنیوا میں استعمال ہوتا ہے، جبکہ ساری دنیا میں یہ قوم ۴۰ کروڑ کے قریب ہے اور اس کا مطمح نظر یہ ہے کہ دنیا کی بقیہ اقوام کو اپنے طرز خیال اور اپنے نظریہ کا مقصد بنا لے اور جو ایک عدیم المثال اخوت کی مدعی ہے، ایسی قوم کو اقلیت کے نام سے پکارنا محض لغو ہے۔

ان دو خاص نکات کو پیش نظر رکھ کر اب ہم کو چاہئے کہ اصل بحث پر غور کریں، گول میز کانفرنس کے ایک سبھائی ممبر نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ دونوں قوموں کے درمیان وزیر اعظم ثالث بن جائیں، اس تحریر میں بلا شبہ وزیر اعظم کی تعریف و توصیف مضمر تھی، لیکن ان کی پوزیشن کو اس تجویز نے بہت نازک بنا دیا اور اس لئے انہوں نے شکریہ کے ساتھ اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، مجھے یقین ہے کہ انہوں نے اس تجویز کے اندرونی منشا کو خوب سمجھ لیا ہوگا، اسی طرح ہم نے یہ تجاویز بھی سنی نہیں کہ اس معاملہ کو "جمعیت اقوام" کے سپرد کر دیا جائے، اس کے معنی صرف یہ ہوں گے کہ ہندوستان کے گندہ لباس کو ساری دنیا کی نظروں کے سامنے دھویا جائے، بحالت موجودہ ہم کو تو اس واقعہ نے کافی بددل کر دیا ہے کہ گول میز کانفرنس کو ہندوستانی فرقہ بندیوں کا "دھوبی تلاؤ" بنا لیا گیا یہ سوال تو درحقیقت ہندوستان ہی میں طے ہونا چاہئے تھا، ہم نے

دس برس تک ہر قسم کے گرم و سرد میں گاندھی جی کے ساتھ کام کیا اور یہ چیز ہمنے بار بار اُن کے سامنے پیش کی، لیکن ہندوؤں میں اپنی اور پنڈت موتی لال نہرو کی ہردلعزیزی قایم رکھنے کے خیال نے کبھی سمجھوتہ نہ ہونے دیا، جب ۱۹۲۸ء میں باوجود ہماری پُرزور درخواست کے کانگرس نے ہندو مسلم سمجھوتہ نہ کرایا تو سر تیج بہادر سپرو نے انتہائی کوشش کی کہ ہندو مسلمانوں کا سمجھوتہ ہو جائے اور مسٹر پیٹرو بھی اس کے بہت خواہشمند تھے، لیکن ہندو مہاسبھا نے گو کہ شروع میں یہ ظاہر کیا کہ وہ اعتدال پسندوں اور مسلمانوں کی اس خواہش میں شریک ہے، لیکن بہت سے جلسوں کو ملتوی کراتے کراتے آخر کار بمبئی کی کانفرنس میں حصہ لینے سے بالکل ہی انکار کر دیا، اور ڈاکٹر مونجے نے توصاف طور پر اپنا یہ خیال ظاہر کر دیا کہ گول میز کانفرنس سے پہلے سمجھوتہ کی کوشش کرنے کے لئے وہ تیار نہیں، کانگرس نے ہندو مہاسبھا کی متابعت کی، اور گول میز کانفرنس میں شرکت ہی سے انکار کر دیا، حالانکہ دستور اساسی کے تیار ہونے سے پہلے یہ سمجھوتہ ضروری تھا، مہاسبھا کے تین ممبر گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے لیکن انہوں نے بھی باوجود ہندو مسلمان اعتدال پسندوں کی انتہائی کوششوں کے ایک سمجھوتہ نہیں ہونے دیا ہے، مجھے اس کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان لوگوں نے ہندو مسلمانوں کے درمیان سمجھوتہ کی گفتگوؤں میں اور نیز وزیر اعظم سے گفت و شنید میں کتنا وقت ضائع کیا ہے، میرے خیال میں خود وزیر اعظم اس کا بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں، مگر اب کہ ضابطہ کی ایک کمیٹی اس غرض کے لئے بنائی گئی ہے، یہ ضروری ہے کہ سمجھوتہ کی بحث کو صاف طور پر بیان

کردیا جائے۔

سب سے پہلے نہایت سنجیدگی کے ساتھ اور دوستانہ طریقہ پر میں وزیر اعظم کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں، کہ یہ سوال محض پنجاب یا بنگال کا نہیں ہے، جیسا کہ بظاہر وہ سمجھتے ہیں نہ یہ سوال ہے پنجاب میں ۱۰ اکے بجائے سو کر دینے کا یا اسی قسم کے کسی تغیر کا، جیسا کہ وزیر اعظم کا خیال اُس وقت معلوم ہوتا تھا، جس وقت وہ چیکرس میں سمجھوتہ اور صلح کی کوشش کر رہے تھے، جیسا کہ میں نے عام کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے بتایا تھا، اصل سوال یہ ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں پہلی دفعہ ہم اکثریت کی حکومت قایم کرنا چاہتے ہیں مگر وہ لوگ جو ہزار سال سے تمام نام نہاد ہندوؤں کی قسمت کا فیصلا اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے، اب نہیں چاہتے کہ کوئی اکثریت ہندو یا ہندوستانی ایسی ہو جس کو وہ اسی طرح اپنے زیر اقتدار نہ رکھ سکیں، جیسا کہ ہزارہا سال تک رکھ چکے ہیں، مگر ایک فرق ضرور ہے وہ میں کہہ دوں، سر جان سائمن نے سر ویلنٹائن چرول کے حوالے سے برہمنوں کے اقتدار کا ذکر کیا ہے اور وہ ذکر کسی قدر بعد از وقت ہے، برہمنوں نے کم از کم اتنا تو کیا تھا کہ عوام کو تعلیم دی ہے اور یہ خیال، غلط ہی سہی، اُن کو ضرور رہتا کہ اُن کے ذریعہ سے عاقبت میں لوگوں کو نجات حاصل ہوتی ہے، مگر اب جو فرقہ اجارہ دار ہے اور چاہتا ہے کہ تمام ہندو قوم کی قسمت کا فیصلا اپنے ہاتھ میں رکھے، جبکہ وہی قوم اکثریت رکھتی ہے، اس فرقہ سے نہ ڈاکٹر مونجے اور نہ راجہ نریندر ناتھ تعلق رکھتے ہیں، بلکہ وہ فرقہ بنیئے کا فرقہ ہے، جو نہ کسی کے نجات عاقبت کو سمجھتا ہے، نہ اس دنیا میں کسی قوم

کو تعلیم دینے کا خیال رکھتا ہے، میں شاید ہر ہندوستانی سے زیادہ اس کا خواہش مند ہوں کہ غیر ملکی اقتدار ختم ہو جائے یعنی (اگر مجھے یہ کہنے کی اجازت ہو) وہ اقتدار ختم ہو جائے جو ایک "دکانداروں کی قوم" نے ہماری قسمتوں پر حاصل کر لیا ہے، لیکن جیسا کہ میں نے گول میز کانفرنس کے دعوت نامہ کے جواب میں ہز اکسیلنسی وائسرائے کو لکھا تھا میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ غیر ملکی "دکانداروں" کے بجائے خود اپنے ملک میں "دکانداروں" کے ایک ملکی فرقہ کو اپنی قسمتوں پر حاوی کر دیا جائے، میرے خیال میں بہت سی سیاسی بے چینی کو مالی امداد ایک حد تک ذاتی اغراض کے لئے بمبئی اور گجرات کے بنیوں سے مل رہی ہے، اور گوکریں نے ہمیشہ ایک شلنگ چار پنیں اور ایک شلنگ ۶ پنیں کے نرخ تبادلہ کا مذاق اڑایا ہے، لیکن آج تو سیاسی جنگ، ہندوستان کی آزادی کے لئے اس قدر نہیں ہے، جس قدر کہ شرح تبادلہ کے لئے ہے، یہ جنگ بھی خواہ کتنی ہی بجا اور حق پر ہو مگر وسیع معنی میں یہ جنگ ہندوستان کی آزادی کی جنگ نہیں ہے۔

اب ہندو مسلم مسئلہ کو لیجئے، یہ کسی صوبہ کا سوال نہیں ہے، ہر صوبہ میں ہندو مسلمانوں کے محسوسات ایک دوسرے کے متعلق کم و بیش یکساں ہیں، تین نسلیں گزر چکیں، جب مسلمانوں کا اقتدار ہندوستان میں ختم ہوا تھا، انگریزوں نے یہ اقتدار زیادہ تر مسلمانوں سے حاصل کیا، اور کسی حد تک مرہٹوں سے، جو آخری زمانہ میں دہلی کے مغلیہ دربار کے سربراہ کار رہتے، اور نیز کسی حد تک

پنجاب کے سکھوں سے، جن کو خود انگریزوں نے پنجاب میں حکومت کرنے کی اسلئے اجازت دی کہ انگریز افغانستان سے جنگ کر رہے تھے، اب ہندوستان اُس اقتدار کو دوبارہ حاصل کرنا چاہتا ہے، اور جیسا کہ دس سال پہلے ظاہر ہو چکا ہے، مسلمان اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے قربانیاں پیش کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے، آج بھی کچھ مسلمان کانگرس میں شریک ہیں، لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو یا تو اُس مطالبۂ آزادی کی عادت سے مجبور ہو کر جو خود ہم نے دس برس پہلے پیدا کی تھی، کام کر رہے ہیں یا محض جنبش کا اتباع کر رہے ہیں، بہت سے مسلمان نافرمانی قانون کی تحریک سے اُسی طرح الگ رہے جس طرح دس برس پہلے ترک موالات کی تحریک سے الگ رہے تھے، جبکہ ترکی کا معاملہ بھی اُلجھا ہوا تھا، اپنی اہمیت کو مبالغہ آمیز طور پر بیان کرنے کے بجائے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ لوگ جن کا میں نے ذکر کیا، جس میں سے بہت سے گول میز کانفرنس کے نمائندے بنائے گئے ہیں (خواہ ہز مجسٹی کی گورنمنٹ، یا حکومت ہند، یا صوبوں کی حکومت نے اُن کو نامزد کیا ہو) وہ نہیں ہیں جنہوں نے اپنے اثر سے مسلمانوں کو کانگرس کی شرکت سے روکا ہو، جیسے کہ دس سال پہلے انہوں نے روکا تھا، گو کہ یہ کہنا اچھا نہیں معلوم ہوتا مگر ہم کو کہنا پڑتا ہے کہ وہ ہم ہی تھے جن کو تقریباً ہر صوبہ میں لڑائیاں لڑنی پڑی تھیں، اور ہماری ہی کوششوں سے بہت سی جگہ مسلمان کانگرس کی شرکت سے باز رکھے جا سکے، ہم نے اُن کو سمجھا دیا کہ گزشتہ تحریک گو کہ قومی تحریک تھی مگر موجودہ تحریک میں (مجھے افسوس ہے کہ میں اُن کی غیر موجودگی میں یہ بات کر رہا ہوں) گاندھی جی اور پنڈت موتی لال نہرو دونوں نے ہندو مہاسبھا کو خوش کرنے کیلئے

اپنا سر جھکا دیا ہے، اب کہ ہم لوگ یہاں آ گئے ہیں، میں تنہا اپنی پارٹی کا نمائندہ ہوں، حالانکہ میں نے اس زمانہ میں جب یہاں آمد سے پہلے میں ہندوستان میں بیمار پڑا ہوا تھا، اور نمائندوں کا آخری انتخاب کیا جا رہا تھا، ہز ایکسیلنسی وائسرائے سے اس باب میں بہت طویل خط و کتابت کی، تنہا میں ہی اپنی پارٹی کا نمائندہ منتخب ہو سکا، اور مسلمانوں میں سب سے زیادہ مجھ ہی سے اور بلا شبہ میرے بھائی سے لاکھوں مسلمان ہمارے واپس جانے کے بعد سوال کریں گے کہ ہم اُن کے لئے گول میز سے کیا لائے، ہم یہاں سے محض جداگانہ حق انتخاب اُن کے لئے یا حرف" ویٹیج " لیکر نہیں جانا چاہتے ہیں، اور اگر ہم کو یہ چیزیں نہ ملیں تو میں وزیر اعظم کو یقین دلاتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمان سول نافرمانی کی تحریک میں بلا تکلف شریک ہوں گے، ہم یا دوسرے مسلمان نمائندے کچھ ہی کریں اور کچھ ہی کہیں۔

ہندوستان کی آزادی" محض جداگانہ انتخاب" میں مضمر نہیں، گو کہ اس حیثیت سے کہ سنہ ۱۹۰۶ء میں میں اُن لوگوں میں سے تھا جنہوں نے 'جداگانہ انتخاب' کے اصول کو پیدا کیا، میں اُس چیز کو ہاتھ سے دینے والا آخری شخص ہوں گا۔

مجھے عرض کر دینا چاہیئے کہ" جداگانہ انتخاب" کا فائدہ کیا ہے، جداگانہ حلقۂ انتخاب مسلمانوں کو اس کا موقع دیتا ہے کہ وہ اپنے مقدمہ میں اپنی پسند کا وکیل مقرر کر سکیں، ہر عدالت میں فریق مقدمہ کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مقدمہ میں اپنی پسند کا وکیل مقرر کرے گو کہ کبھی کبھی گورنمنٹ

کے خرچ سے بھی وکیل مقرر کیا جاتا ہے، مگر فریق مخالف کو کبھی اس کی اجازت نہیں ہوتی، کہ وہ دوسرے فریق کے لئے وکیل منتخب کرے، اگر جج آزاد اور منصف مزاج ہو تو ایک معتمد وکیل بالکل کافی ہوتا ہے، اور لارڈ مارلے اور منٹو نے ہمارے لئے اسی کا انتظام کیا تھا، اُس وقت لارڈ مارلے کے ذہن میں یہ خیال نہ تھا کہ ہندوستان میں پارلیمنٹ کے اصول پر برطانوی حکومت قایم کی جائے، اُس وقت سرکاری ممبروں کا اجتماع موجود تھا، حکومت ہند میں برطانوی اکثریت موجود تھی، اور وہ اسی لئے قایم رکھی گئی تھی کہ ہندوستان میں اس بات کو ظاہر کر دے کہ پارلیمنٹ کے قایم کرنے کا کوئی خیال نہیں ہے ہر قوم اپنا معاملہ جج کے سامنے پیش کرتی تھی، اور جج فیصلہ کرتا تھا، ہم جج پر کچھ اثر تو ڈال سکتے تھے، مگر نہ اُس کی رہنمائی کر سکتے تھے، نہ اس کو مشورہ دے سکتے تھے، اس لئے صرف ایک معتمد وکیل کی ضرورت تھی، اور اُس کا انتخاب ہم جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کے ذریعہ سے کرتے تھے۔

لیکن اس حالت میں بھی، اتفاقیہ طور پر، قصداً نہ سہی، لارڈ منٹو نے نہ صرف موجودہ ضرورت کا انتظام کیا تھا، بلکہ آئندہ کے لئے بھی کچھ فکر کی تھی، جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب صرف مسلمانوں کی مزید امداد کے لئے بنائے گئے تھے، تاکہ جو کمی ہندو اکثریت کے مقابلہ میں رہ جائے اُس کو پورا کریں لارڈ مارلے نے مشترک انتخاب میں مسلمانوں کو اُن کے حصہ سے محروم نہیں کیا تھا، یہی خطرناک غلطی تھی جو ہمارے ہندوستانیوں کے اصرار پر ۱۹۱۶ء میں بمقام لکھنؤ کی گئی جبکہ ہم دونوں اپنی چھینا جھپٹی کی ڈاڑھ میں نظر بند تھے، اور

لکھنؤ مسلم لیگ و کانگرس کی سیاسیات میں کوئی حصہ نہ لے سکتے تھے، آخر کار
پہلی دفعہ "جداگانہ انتخاب" کا طریقہ مسلمانوں کی نیابت کا تنہا ذریعہ رہ گیا۔

دوسری خطرناک غلطی اس وقت یہ کی گئی (جس کے لئے اب مسلمان ۱۴
برس سے رو رہے ہیں) کہ پنجاب اور بنگال کی مسلم اقلیت کو قلیل اکثریت
سے بدل دیا گیا، اگر ہمارے دوستوں کی نظر مستقبل پر ہوتی تو وہ پنجاب کو
کافی اور بنگال کو ارادی اور کمزور اقلیت نہ بنا دیتے، ان ہی غلطیوں کا
ازالہ کرنے کے لئے گول میز کانفرنس منعقد ہو رہی ہے، اس نکتہ پر غلط فہمی
کو راہ نہ دیجئے، اس نکتہ کو ہز مجسٹی کی گورنمنٹ اور وزیر اعظم پہلے سے خوب
سمجھ لیں، اسی نکتہ سے مجھے اپنی بحث شروع کرنی چاہئے تھی، لیکن مجھے خوشی
ہے کہ زمین کو سنگ بنیاد کے لئے صاف کر دینے کے بعد اب میں اس نکتہ پر
پہنچا ہوں، اس بحث میں میں زیادہ وقت نہ لوں گا، اصل مسئلہ ہمارے
سامنے یہ ہے کہ ان صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے خواہ قلیل
ہو یا کثیر ان کو پورے حقوق دئے جائیں اور ایسے صوبوں میں جہاں ان کی
اقلیت ہے ان کے حقوق کو محفوظ کیا جائے اور ہندو قوم کے ساتھ منصفانہ
طرز عمل اختیار کرنے کی غرض سے ہونا چاہئے کہ یہی عمل ہندو قوم کے ساتھ
کیا جائے جس بات کی ضرورت ہے وہ تو یہ ہے کہ ہر قوم کو ہر صوبہ میں جہاں وہ تعداد
میں زیادہ ہو پورے حقوق دئے جائیں، اور جہاں وہ تعداد میں کم ہے اس کے
تحفظ کا انتظام کیا جائے، مسلمان جو کچھ چاہتے ہیں وہ یہ ہے (اور یہی ۱۴ پوائنٹ
کا لب لباب ہے، حق انتخاب جداگانہ اصل چیز نہیں ہے) کہ ہر جگہ فیڈرل گورنمنٹ

ہو، تاکہ مرکزی حکومت جہاں ہندوؤں کی مستقل اکثریت ہوگی، اُن کو ہر موقع پر نہ دبا سکے، اور یہ کہ صوبوں کی فیڈرل گورنمنٹ میں مسلمانوں کو ہر جگہ ہندوستانی نائبین کی کل تعداد کم از کم ایک تہائی جگہیں دی جائیں، نیز یہ کہ پنجاب اور بنگال میں جہاں مسلمانوں کی قلیل اکثریت ہے اور جہاں اُس اکثریت پر بنیوں، اور سکھوں اور ہندو زمینداروں کے اثرات حاوی ہیں، جیسی کہ بنگال میں حالت ہے، یہ اکثریت محفوظ کر دی جائے (ذاتی طور پر اگر صرف آئندہ ۲۰ برس کے لئے ایسا کر دیا جائے تو میں مطمئن ہو جاؤں گا) علاوہ بریں سرحدی صوبہ اور بلوچستان میں جہاں مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت ہے، پوری اصلاحات مسلمانوں کو دی جائیں جواب تک برطانوی فوجی اور سول اور نیز ہندوؤں کی قدرتی تنگ نظری کے باعث نہیں دی گئی ہیں، اور سندھ کو آسام کی طرح ایک علحدہ صوبہ بنا دیا جائے اور ان صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت اسی طرح محفوظ ہو جائے جس طرح ہندوؤں کی اکثریت دیگر صوبوں میں ہوگی، اگر نئے دستور کے ماتحت ان چند صوبوں میں مسلم اکثریت قایم نہ کر دی گئی، میں عرض کرتا ہوں، دھمکی نہیں دیتا، مگر نہایت ادب سے اور دوستانہ طور پر متنبہ کرتا ہوں کہ ہندوستان میں خانہ جنگی ہو جائے گی، اس حقیقت کے سمجھنے میں غلطی نہ کیجئے، یہ چار یا پانچ صوبے ہیں، جہاں مسلمانوں کو وہی قوت حاصل ہو جو ہندوؤں کو تمام دوسرے صوبوں میں حاصل ہوگی، اور ہندوؤں کا وہی تحفظ کیا جائے جو مسلمان اپنی اقلیت کے لئے مانگتے ہیں۔

پنجاب اور بنگال میں جہاں مسلم اکثریت صرف بقدر ۶ اور ۵ کے ہے

یہ بالکل ناممکن ہے، سکھوں یا یورپین لوگوں کو اُن کی تعداد سے زیادہ کچھ حقوق دیئے جا سکیں، اور نہ ان کو اس کی ضرورت ہے جیسا کہ میں ابھی واضح کروں گا "ووٹ دینے کا تمام منصوبہ اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ صرف دو صوبوں میں مسلمانوں کی قلیل اکثریت سے اُن کو محروم کر دیا جائے، ان دونوں صوبوں میں رائے دینے کا حق چاہے دونوں صوبوں کے لئے مساوی ہو یا نہ ہو، مگر مسلمانوں کی آبادی کے تناسب کے مطابق ہونا چاہئے، رائے دینے کے حق کا سوال کوئی مذہبی یا شرعی مسئلہ تو ہے نہیں جس میں انتہائی سختی برتی جائے (خود کونسل آف اسٹیٹ کے موجودہ حق رائے دہندگی کو دیکھ لیجئے) ہر حال میں مسلمانوں کی جگہیں ۲۰ سال کے لئے اسی آبادی کی نسبت سے محفوظ کر دی جائیں، اس لئے کہ وہ ہندو ساہوکاروں کے مقروض ہیں، اور نو دولت سکھوں کے بہت زیادہ زیر اثر ہیں، نہرو رپورٹ میں عام طور پر ہر بالغ کو حق رائے دہندگی دینے کی تجویز محض مسلمانوں کو بیوقوف بنانے کے لئے پیش کی گئی تھی، ایک سچے مسلمان سے زیادہ بالغوں کے اس حق کا حامی کوئی نہیں ہو سکتا مگر خوش قسمتی یا بدقسمتی سے بالغ مرد بھی ہوتے ہیں اور عورتیں بھی، لیکن آئندہ بیس برس تک کم از کم مسلمان عورتیں بالغہ ہو کر بھی ووٹ دینے گھر سے باہر نہ جائیں گی، خواہ کتنے اچھے پردہ کے انتظامات کیوں نہ کئے جائیں اور خواہ صرف پردہ نشین افسران ہی اُن کی پرچہ اندازی کی نگرانی کیوں نہ کریں اس لئے ظاہر ہے کہ آریوں، اور پنجاب کے ہندو اور سکھوں کے مقابلہ میں مسلمان عورتیں نقصان میں رہیں گی، لہذا بالغوں کا عام حق رائے دہندگی اس وقت بالکل ناقابل توجہ ہے، پنجاب اور بنگال کے ان دو صوبوں میں مسلمانوں کے

اس مطالبہ کے خلاف کہ کونسلوں میں اُن کی تعداد ۵۲ اور ۵۵ فی صدی ہو، کوئی امر قابل توجہ نہیں ہو سکتا۔

سکھوں نے اپنی حکومت کے قلیل زمانہ میں پنجاب میں اس قدر زمین پر قبضہ کر لیا ہے، اور آج تک دیہات کے لوگوں پہ اُس کا اتنا زیادہ دباؤ ہے کہ اُن کو ہرگز کسی مزید تحفظ کی ضرورت نہیں ہے، بارہا انہوں نے خود لکھا ہے کہ اگر مسلمان "فرقہ بندی" کو "قوم پرستی" کے مقابلہ میں ترک کر دیں گے تو وہ "فرقہ بندیاں" کو چھوڑ کر عام انتخاب کے نتائج پر رضامند رہیں گے، اُن کے اس بیان کو اگر گمراہ کن جذبات سے پاک کر کے دیکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اُن کو مسلمانوں کی طرح تحفظ کی ضرورت ہی نہیں ہے، اور اس لئے اُن کے حقوق سے زیادہ اُن کو کچھ دینے کا سوال غیر ضروری اور محض مہاسبھا کی من گھڑت ہے۔

یہی بات بنگال کے اینگلو انڈین اور یورپین لوگوں کے متعلق کہی جا سکتی ہے، محض بنگال کی کونسل میں چند جگہیں زیادہ یا کم حاصل کر کے وہ تجارت پر اپنے اُس اثر کو قائم نہیں رکھ سکتے جو انہوں نے جان کمپنی کے زمانہ سے حاصل کر لیا ہے، ہم کو کسی اور طریقہ پہ اُن کے تحفظ کا انتظام کرنا چاہئے، اور میں یہ تجویز کرتا ہوں کہ گورنر صوبہ کے لئے جو مستقل ہدایات مرتب کی جائیں ان میں یہ لکھ دیا جائے کہ ہندوستان میں کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس کا مقصد یورپین لوگوں سے انتقام لینا ہو، خواہ ہندوستانیوں کے محسوسات اُن کے خلاف کچھ ہی ہوں، ۵ یا ۶ فیصدی کی زیادتی سے ان کا کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ وہ بالکل بے اثر رہے گی البتہ دونوں میں سے ایک میں مسلمانوں کی اکثریت باقی نہ رہے گی۔

صوبہ سرحد کے متعلق میں کچھ نہیں کہتا، اس لئے سرحدی کمیٹی اس سوال پر غور کر رہی ہے، مگر میری تجویز یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہندوؤں اور سکھوں کو اُن دونوں کی آبادی سے دگنا بلکہ تگنا حق نیابت دیدیں تاکہ ہندو اور سکھ یہ محسوس کریں کہ وہ صوبہ اُن ہی کا اپنا صوبہ ہے جس طرح مسلمانوں کا ہے، اور یہ کہ حکومت میں اُن کو معقول حصہ ملتا ہے، یہی احساس مسلمانوں کے اندر ڈاکٹر مونجے کے صوبہ میں پیدا کرانے کی ضرورت ہے جہاں مسلم آبادی صرف ۴ فیصدی ہے، اور مدراس میں جہاں وہ صرف ۷ فیصدی ہیں، یا اڑیسہ میں جہاں علاحدہ صوبہ بننے کے بعد مسلمان تعداد میں بہت کم رہ گئے، یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مسلمانوں کے خلاف یا موافق تمام صوبوں میں یکساں جذبات ہیں، اور جب کہ پنجاب میں جہاں اس کی قلیل اکثریت ہے مسلمانوں کے جذبات اس قدر تلخ ہیں تو ڈاکٹر مونجے کے صوبے میں کیا حال ہوگا جہاں اسلامی آبادی بہت قلیل ہے، اور جہاں ہندو حکومت مسلمانوں پر قائم ہوگی، خطرہ یہ ہے کہ انتقام کا خیال ہمارے نوجوانوں کے دلوں میں بہت زیادہ ہے، جن کو ہندوستان کی غلط تاریخ اکثر سیاسی اغراض کے لئے پڑھائی گئی ہے۔

البتہ ہندوستانی ریاستوں میں جہاں تاریخ نہیں پڑھائی جاتی ہے مگر جہاں والیان ریاست کی انسانیت باوجود اپنی کمزوریوں کے بہتر تاریخ بنانے میں مسلمانوں کے حقوق کا زیادہ تحفظ کیا جاتا ہے، اور باوجود جمہوریت پسند ہونے کے میں اس حقیقت کا ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

برسبیل تذکرہ مجھے اس حقیقت کا ذکر کر دینا چاہئے کہ اقلیتوں میں

مسلمانوں کی ہردلعزیزی ۱۲½ سو برس کی ملک گیری کے بعد کیونکر زیادہ ہو سکتی ہے کچھ مسلمانوں سے اس لئے ناراض ہیں کہ کسی زمانہ میں انہوں نے ایران کو فتح کر لیا تھا، کچھ اس سے ناخوش ہیں کہ انہوں نے برّ اعظم، شام، اور مصر کو تسخیر کیا تھا اور جنگ صلیبی میں فلسطین کو اپنے قبضہ سے نکلنے نہ دیا۔ بہر حال جس کسی نے بھی ہندوستان پر حکومت کی، وہ خواہ مسلمان یا انگریز، اس کو اپنی پرانی رعایا کے اصلی یا فرضی شکایتوں کا سامنا کرنا ہی پڑے گا، اور یہ امر تعجب انگیز ہے کہ مسلمان اب بھی کم اپنی رعایا کے محبوب ہیں، انگریز خود اپنے خلاف اس جذبۂ انتقام کا اندازہ کر سکتے ہیں اور جدید دستور کے بنانے کے لئے انہیں کم از کم ایک عرصہ کے لئے اس جذبۂ انتقام کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

اب میں اقلیتوں کے تحفظ کے سوال سے بحث کروں گا، ۱۴ شرطوں میں اکثر شرطیں اقلیتوں کے تحفظ کے لئے ہیں، مثلاً یہ شرط کہ کونسلوں میں کوئی ایسا قانون جس کے خلاف ہندو یا مسلم اقلیت کے ¾ نائبین اور جس کو یہ ¾ اقلیت اپنے مفاد کے خلاف سمجھے پیش اور منظور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک تاریخی شرط ہے جو کانگریس نے اس وقت لگائی تھی جب ۱۸۸۷ء میں مسٹر بدرالدین طیب جی نے جو کانگریس میں شریک ہونے والے دوسرے نامور مسلمان تھے، سر سید احمد خاں کو شرکت کی دعوت دی تھی، ایک ایسی شرط جس کو ہندوستان کی اس پارلیمنٹ (کانگریس) نے جس کے پاس کوئی طاقت نہ تھی اور جو صرف بحث و مباحثہ کر سکتی تھی خوشی سے منظور کیا تھا، اب بھی اس پارلیمنٹ کو منظور کرنا چاہئے جبکہ اس کی طاقت تسلیم کی جاتی ہے، اور اس کو اختیارات دیئے جانے والے ہیں، میں تو مُصر

ہوں کہ اس شرط کے الفاظ کانگریس ہی کے دستور العمل سے نقل کئے جائیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ شرط کسی مذہب کے تحفظ کے لئے نہیں ہے بلکہ قومی مفاد کے تحفظ کے لئے پیش کی جاتی ہے، مذہب قانون سے بالاتر ہے، مجھے افسوس ہے کہ میں اجلاس کانفرنس سے چلا آیا تھا جب وزیر اعظم نے فیڈرل کمیٹی کی رپورٹ کے متعلق دریافت کیا کر آیا ہمیں یہ نکتہ نوٹ کر لینا چاہیئے کہ کوئی قانون کسی مذہب یا کسی مذہب کے رسم و رواج کے متعلق پیش نہ کیا جائیگا جب تک گورنر منظوری نہ دے، ابھی اس شرط کی وجہ سے کافی خرابی پیدا ہو چکی ہے، ساردا ایکٹ کے متعلق پاس نہ ہونے کے بعد بھی گورنر سے منظوری نہیں لی گئی بلکہ منظوری صرف مسودہ قانون کے لئے دی گئی تھی، جو ابتداً پیش کیا گیا، مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر ہندو یا کسی دوسرے "مائل بہ ترقی" مذہب کے لوگ اپنے مذہب کے متعلق قانون بنانے چاہیں، مگر میرا مذہب تو ایسا "مائل بہ ترقی" نہیں ہے، وہ تو خدا کے بنائے ہوئے قانون رکھتا ہے، میں نے یہ حقیقت اس بیان میں واضح کر دی تھی، جو ۹ نومبر ۲۹ء کو علما اور لیڈروں کے ایک وفد کے ساتھ میں نے ہز ایکسلنسی وائسرائے کے سامنے پیش کیا تھا اور جس کی ایک نقل میں اس تحریر کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔

اس قدر اہم معاملات جیسا کہ یہ ہے، عجلت کے ساتھ طے نہ ہونے چاہئیں اور جب پھر موقع آئے گا تو میں یہ طے کرانے کی کوشش کروں گا، کہ کم از کم مسلمانوں کا مذہب انسانوں کی قانون سازی سے بالاتر رکھا جائے چاہے قانون ساز جماعت برطانوی پارلیمنٹ ہو یا ہندوستانی، بغیر اس کے کوئی مسلمان کسی

دستور اساسی کے ساتھ وفاداری کا وعدہ نہیں کر سکتا۔

اب میں صرف ایک لفظ "ویٹیج" کے متعلق کہوں گا جو مسلمانوں کو حاصل ہے، اور وہ ہر ایسے صوبہ میں حاصل کرنا چاہتے ہیں، جہاں اُن کی اقلیت بہت کمزور ہے، کسی صوبہ میں اس "ویٹیج" سے ان کو اکثریت حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ شکسپیر نے یہودیوں کے متعلق کہا تھا کہ قوت برداشت اس فرقہ کا تمغۂ امتیاز ہے، مگر "ویٹیج" ہر جگہ مسلمانوں کے وزن میں کسی قدر اضافہ کرتا ہے، اور اس اضافہ کی ضرورت کو مجھ سے زیادہ کوئی محسوس نہیں کر سکتا جبکہ میں دیکھتا ہوں کہ بیماری کی وجہ سے میری غیر حاضری میں اقلیتوں کی کمیٹی اور دوسری جگہوں پر میری جماعت کی کوئی نمائندگی باقی نہیں رہی "ویٹیج" سے صرف اتنا ہوگا کہ یہ ایسی قوم جس کی نمائندگی اس قدر کم ہو یہ احساس پیدا ہو جائے گا کہ حکومت میں ہمارا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ہے، اس کے سوا، اور کچھ نتیجہ نہیں ہوگا، وہی "ویٹیج" جو مسلمان مانگتے ہیں وہ ہندوؤں کو بھی ہر ایسے صوبہ میں دینے کے لئے جہاں اتنی ہی کم ہندو اقلیت ہو، لیکن بنگال یا پنجاب میں جہاں ہندو اقلیت درحقیقت بہت زیادہ منظم اور سیاسی حیثیت سے بہت زیادہ قوی ہے، اور بہت دولتمند اور بہت تعلیم یافتہ ہے، وہاں "ویٹیج" کا مطالبہ بہت لغو ہے، یہی پنجاب میں سکھوں سے متعلق کہی جا سکتی ہے، جو قطع نظر تمام دوسرے مباحث کے معاشرتی حیثیت سے ہندو ہیں اور سیاسی حیثیت سے ہندو قوم کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے ہیں، سندھ میں بھی ہندو اقلیت زیادہ منظم، زیادہ دولت مند اور مسلمانوں سے زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ ہے، باوجودیکہ مسلمان بڑے

بڑے زمیندار ہیں، پھر بھی اُن کو "ڈیتھ" دینا چاہتا ہوں، اتنا کہ بڑے سے بڑے حریص کی بھوک کو تشفی دے سکے!

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ میں اس معنی میں فرقہ پرست ہوں، جو معنی فرقہ پرستی کے، یورپ میں سمجھے جاتے ہیں، باوجودیکہ بیس برس پہلے میں انتخاب جداگانہ کی تجویز کے مصنفوں میں سے ایک تھا، میں نے محسوس کیا ہے، کہ اب اس کا وقت گزر گیا اور یہ کہ اب ہندوستانی قوم پرستی کے مفاد کی خاطر ہم کو مشترک حلقہ ہائے انتخاب بربنائے رقبہ قبول کر لئے جائیں لیکن انگلستان کی طرح ہم کو مشترک حلقہ ہائے انتخاب بربنائے رقبہ محض لغویت ہوگی فرض کیجئے کہ نواب عبدالقیوم یا ڈاکٹر مونجے کے صوبہ میں جہاں اقلیتوں کی تعداد صرف ۴ اور ۷ فیصدی ہے اُن کو اپنے صحیح نمائندوں کے انتخاب کرانے کا کوئی موقع نہیں مل سکتا چاہیے ان کے لئے یہ جگہ کونسل میں محفوظ ہوں، اگر ۹۶ فیصدی اور ۹۳ فیصدی اکثریت کے ہاتھ میں اقلیتوں کے نمائندوں کا انتخاب چھوڑ دیا گیا، محض بیکار اور کمزور اشخاص جو صرف مذہبی مسائل سے مسلمان یا ہندو کہے جاتے ہوں سیاسی نقطۂ نظر رکھنے والے ہندو مسلمان اکثریت کے ووٹ سے منتخب کئے جائیں گے، اس لئے میں نے بہت سے دوستوں سے مشورہ اور گفتگو کرنے کے بعد ایک دوسری تجویز پیدا کی ہے، یہ تجویز یقیناً اکثریت کی اُس تجویز سے جو سائمن رپورٹ میں پیش کی گئی ہے زیادہ قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ دونوں موقعوں کے لئے جگہیں محفوظ کر دی جائیں مگر کوئی امیدوار منتخب نہ سمجھا جائے جب تک کہ وہ

(۱) اپنی قوم کے کم از کم ۴۰ فیصدی ووٹ حاصل نہ کر لے اور

(۲) کم از کم دوسری قوم کے کل ڈالے ہوئے ووٹوں میں سے ۵ فیصدی حاصل نہ کرلے۔ اگر اس کی قوم اس مقام پر دس فی صدی یا اس سے کم ہو لیکن اگر وہ قوم اس سے زیادہ ہو تو امیدوار کے لئے ۱۰ فی صدی ووٹ دوسری قوم کے حاصل کرنا ضروری ہوں گے، اس طرح تین مقاصد حاصل ہوں گے، اول تو ہر امیدوار کو دونوں قوموں کے پاس اپنی ٹوپی ہاتھ میں لیکر جانا ہوگا، جیسا کہ منٹو مارلے المفارم کے وقت ہوتا تھا مگر اب نہیں ہوتا تھا مگر اب نہیں ہوتا کہ اس طرح دونوں قوموں کی وہ بے عنوانیاں باقی نہ رہیں گی، جو مانٹیگو چیمسفورڈ اسکیم کے باعث پیدا ہوگئیں، جس نے ہندوستان کی سیاسیات اور معاشرتی زندگی کو بھی تباہ کردیا، دوم یہ کہ کوئی شخص کسی قوم کا نائب منتخب نہ ہوگا جب تک کہ وہ اس قوم کی ایک خاص تعداد کی نمایت نہ کرتا ہو، چاہے وہ اکثریت کا نمائندہ نہ ہو جیسا کہ اب جداگانہ انتخاب میں ہوتا ہے۔

تیسرا مقصود بھی کچھ کم اہم نہیں ہے وہ یہ کہ کوئی شخص جو دوسری قوم سے کچھ نہ کچھ تعلقات نہ رکھتا ہوگا، منتخب نہ ہوسکے گا، چاہے وہ خود اپنی قوم کے سب ووٹ حاصل کرلے اس طرح پہلی دفعہ "فرقہ بندی" کا خاتمہ ہوجائے گا، اور صحیح "قوم پرستی" پیدا ہوسکے گی، یہ تجویز یقیناً دوسرے طریقوں سے بہتر ہے لیکن اگر کسی قوم کا کوئی امیدوار اس شرط کو پورا نہیں کرسکتا تو پھر وہ شخص منتخب ہوگا جس کے حق میں اسی قوم کے ووٹ آئے ہوں جس کے لئے وہ جگہ محفوظ ہے یہ گویا موجودہ انتخاب جداگانہ کا تصفیہ ہوگا جو بدقسمتی سے ابھی تک ناگزیر ہے، میں جداگانہ انتخاب کا اس سے زیادہ حصہ جدید دستور اساسی میں جس کے

بنانے کی کوشش کی جارہی ہے، نہیں چاہتا اگر بغیر ان شرائط کے مسلمان ہرگز مشترکہ انتخاب کو منظور نہ کریں گے جس میں ایک بیکار آدمی یا ایسا آدمی جو خود غرضی کی وجہ سے کسی قوم کے ساتھ مل گیا ہو، اکثریت رکھنے والی قوم کے ۹۶ فیصدی ووٹ سے کامیاب ہو سکتا ہے، چاہے خود اس کی تمام قوم اُس کے خلاف ہو، اس سے زیادہ لغویت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

میں اس تحریر کو ہز ایکسیلنسی وائسرائے اور وزیر ہند دونوں کے سامنے پیش کر چکا ہوں، اور وہ اس تجویز کی معقولیت اور جدت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے تھے، میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے اس امر کے ظاہر کرنے کا بھی حق ہے کہ سر تیج بہادر سپرو اور مسٹر سرینو اس شاستری بھی اگر زیادہ نہیں تو اسی قدر متاثر ہوئے ہیں۔

ان الفاظ کے ساتھ میں اس بیان کو ختم کرتا ہوں جو وزیر اعظم اور سر جوفری کاربٹ کی مہربانی سے میں باوجود ڈاکٹروں کی مخالفت کے لکھ چکا ہوں، میرے ڈاکٹر میری اس نافرمانی سے بہت آزردہ ہوئے ہیں لیکن اگر میں ایسا نہ کرتا تو میں شاید اُن کی مزید نافرمانی کرتا اور خود کانفرنس میں جا کر کمیٹی کے سامنے اس معاملہ کو رکھتا، چاہے میں اس کام میں مر ہی جاتا، میں ممبران کمیٹی سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ اس طویل تحریر کو نظر انداز نہ فرمائیں، اور کچھ نہ کچھ توجہ ضرور کریں، میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ میری یہ تحریر لاکھوں مسلمانوں کی رائے کا آئینہ ہے جن کی آواز گول میز کانفرنس میں نہ سنی جائے، لیکن جن کے محسوسات کو ہندوستان کے حکام نظر انداز نہیں کر سکتے، جیسا کہ خود سر جوفری کاربٹ جو تمام وقت میرے پاس رہے ہیں بخوبی جانتے ہیں۔

میں ہوں آپ کا اطاعت مند ۔ محمد علی مرحوم